Presented By: https://jafrilibrary.com

www.allamahrizvi.com

تیسرا ایڈیشن اضافے کے ساتھ

کربلا شناسی

کاوش علامہ

جناب مولانا سید سعید اختر رضوی

دام ظلہ العالی

Presented By: https://jafrilibrary.com

ناشر

بلال ٹرسٹ آف پاکستان کراچی

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کربلا شناسی

دانشمند معظم مولانا سید سعید اختر رضوی

چیف مشنری آف

بلال مسلم مشن، تانزانیہ (افریقہ)

ناشر

بلال ٹرسٹ آف پاکستان کراچی

Presented By: https://jafrilibrary.com

www.allamahrizvi.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ——— کربلا شناسی

تحریر ——— دانشمند معظم مولانا سید سعید اختر رضوی
چیف مشنری آف بلال مسلم مشن
تانزانیہ، افریقہ

ناشر ——— بلال ٹرسٹ آف پاکستان

کتابت ——— نور الحسن لبستوی اور اقتدار حسین لبستوی

تعداد ——— ایک ہزار

تاریخ اشاعت ——— پہلا ایڈیشن ۱۴۰۲ھ - ۱۹۸۲ء
دوسرا ایڈیشن ۱۴۰۹ھ ۱۹۸۹ء
تیسرا ایڈیشن ۱۴۱۴ھ ۱۹۹۳ء

قیمت پچاس روپے ۵۰/-

مطبوعہ: ——— ضامن آرٹ پریس، ناظم آباد، کراچی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

رہنمائے کتاب

نمبر		صفحہ نمبر
	امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اسلام کو تباہی سے کس طرح بچایا (اصل مضمون انگریزی زبان میں "دی لائٹ" دارالسلام کی محرم ۱۳۸۲ھ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ اس کا ترجمہ الجواد (بنارس) میں ۱۹۶۲ء میں قسط وار شائع ہوا تھا۔)	۸
	وفدیناہ بذبح عظیم الجواد محرم نمبر ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء	۳۶
	ذبح عظیم سرفراز (لکھنؤ) محرم نمبر ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۱ء)۔ سرفراز ہی نے اسے دوبارہ ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء) کے محرم نمبر میں گذشتہ محرم نمبروں کے منتخب مضامین کے مجموعہ میں شائع کیا۔	۴۷
	اجتماعی قربانی الواعظ (لکھنؤ) محرم نمبر ۱۳۸۱ھ (۱۹۶۱ء)	۵۸
	واقعۂ کربلا کی پیشین گوئیاں الجواد محرم نمبر ۱۳۹۲ھ	۶۵
	شہادت حسینؑ کیوں جاودانی ہو گئی؟ رضاکار (لاہور) سید الشہداء نمبر ۱۹۶۱ء	۷۶
	اصول خلافت پر شہادت حسینؑ کا اثر الواعظ نومبر ۱۹۵۰ء، الجواد محرم نمبر ۱۳۸۵ھ (اگست دسمبر ۱۹۶۵ء)	۸۳
	عزاداری اور بدعت (الواعظ محرم نمبر (اکتوبر، نومبر ۱۹۳۹ء) بعد میں امامیہ مشن نے اسے کتابچہ کی صورت میں شائع کیا۔	۹۴

www.allamahrizvi.com

نمبر شمار	عنوان و اشاعت کی تفصیلات	صفحہ
۹	**عزاداری سید الشہداء اسلامی نقطۂ نظر سے** رضاکار، سید الشہداء نمبر، امامیہ مشن نے اسے بھی بطور کتابچہ شائع کیا۔	۰۷
۱۰	**بنی اُمیہ قرآن کی نظر میں** (الجواد محرم نمبر ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء))	۹۲
۱۱	**یزید کا خاندان** (الجواد محرم نمبر ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء))	۷۷
۱۲	**قاتلانِ حسینؑ کون تھے ؟** سرفراز محرم نمبر ۱۳۷۶ھ	۱۹۹
۱۳	**روزنامہ ہلال کی شر انگیزیاں** ذوالفقار (بمبئی) محرم نمبر ۱۳۷۶ھ	۲۲۱
۱۴	**ایک انقلاب انگیز کتاب خلافت معاویہ و یزید** اصلاح (کھجوہ) مارچ و اپریل ۱۹۶۰ء، الجواد ۱۹۶۰ء	۲۳۳
۱۵	**امام حسینؑ کی شہادت اور ہجری اور یہودی کلنڈر** رسالہ "الفراطہ" لندن (اکتوبر ۱۹۸۰ء محرم ۱۴۰۱ھ) اردو میں ترجمہ کر کے رضاکار (لاہور) ۱۴، ۱۲ مارچ ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا۔ ترجمہ اور ضروری ترمیم کے ساتھ اس مجموعہ میں شامل کیا گیا	۲۳۶
۱۶	**صوم عاشورا** رسالہ "الصراط" لندن میں شائع ہوا۔ صفحہ ۲۵۶	۲۵۶
۱۷	**امام زین العابدینؑ کا درخشاں دورِ امامت** دی ڈائٹ (دارالسلام) "الصراط" (لندن)۔ پھر یہ اردو ترجمہ رضاکار (لاہور) میں اکتوبر ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔	۲۶۰

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

دیباچہ طبع دوم

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۸۲ء میں شائع ہوا تھا۔ ایک عرصے سے تمام نسخے ختم ہو چکے ہیں لیکن شائقین کی طلب جاری ہے۔ اس لئے اب ۱۹۸۹ء میں دوسرا ایڈیشن مزید تصحیح اور اضافے کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

اس ایڈیشن میں ایک مضمون (قاتلانِ حسین کون تھے؟) کا اضافہ کیا گیا ہے۔ یہ مضمون ۱۳۷۴ھ / ۱۹۵۴ء کے سرفراز محرم نمبر میں شائع ہوا تھا۔

پہلے ایڈیشن میں کتابت کی جو غلطیاں رہ گئی تھیں اس کی تصحیح کر دی گئی ہے۔ خدا کرے اس ایڈیشن میں مزید کوئی غلطی نہ رہ گئی ہو۔ ویسے بھی خطاؤں سے محفوظ رہنا اربابِ عصمت کا حصہ ہے۔

کربلا شناسی پر میری پہلی تحریر ایک مختصر سا مضمون تھا جو مقصدِ شہادت پر لکھا گیا تھا اور غالباً ۱۹۴۶ء کے سرفراز محرم نمبر میں شائع ہوا تھا۔ اگر پریس میں جانے سے پہلے وہ مضمون مل گیا تو اس کو بھی اس ایڈیشن میں شامل کر دیا جائے گا۔ ورنہ ان شاء اللہ آئندہ ایڈیشن میں۔

وما توفیقی الا باللہ

احقر

سید سعید اختر رضوی۔ گوپال پور

۴ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ = ۱۴ نومبر ۱۹۸۸ء

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمۂ طبعِ اوّل

الحمد للہ ربّ العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر خلقہٖ
محمدٍ وّآلہ الطاہرین ۔

زیرِ نظر مجموعہ راقم الحروف کے ان مقالات پر مشتمل ہے جو واقعۂ کربلا کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر مضامین میرے افریقہ جانے سے پہلے لکھے گئے تھے اور ہندوپاک کے جرائد میں شائع ہوئے تھے۔ جب افریقہ میں بلال مسلم مشن قائم ہوا تو تبلیغی ضروریات کے پیشِ نظر دینی لٹریچر کو انگریزی میں منتقل کرنا پڑا۔ اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی دو ماہی رسالہ "THE LIGHT" ہے۔ اس مجلہ کیلئے نیز محمدی ٹرسٹ (لندن) کے سہ ماہی رسالہ "AL SERAT" کیلئے حسبِ موقع امام حسین علیہ السلام سے متعلق مضامین بھی لکھنے پڑے۔ بعد میں ان میں سے چند مقالات کے ترجمے اردو رسائل میں شائع ہوئے اور وہ مقالے بھی اس مجموعہ میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔

عزیزِ گرامی قدر حجۃ الاسلام مولانا سید احمد علی صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ وابقاہ ان علمائے عاملین میں ہیں جو دورِ حاضر کے تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے دین و مذہب کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عزیزِ موصوف ادارۂ نورِ اسلام کے بانیوں میں ہیں اور اس کی روحِ رواں ہیں۔ یہ ادارہ اہم مذہبی موضوعات پر کتابیں شائع کرتا ہے۔ اور موسسۂ در راہِ حق (قم) اور موسسۂ اصولِ دین (قم) کے اشتراک سے اردو میں ایک مراسلاتی کورس بھی شروع کیا گیا ہے۔

عزیزِ موصوف نے یہ فرمائش کی کہ میں ان کو اپنی کوئی کتاب دوں جسے وہ نورِ اسلام

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی طرف سے شایع کریں۔ یہ مجموعۂ مقالات اسی فرمائش کے نتیجے میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہا ہے۔
مقالات کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ کتاب میں ایک گونہ تسلسل پیدا ہو گیا ہے۔
امید ہے کہ ان کے مطالعہ سے واقعۂ کربلا کے مختلف تاریخی، مذہبی اور فلسفیانہ پہلوؤں پر روشنی پڑے گی اور قاری قربان گاہِ حق و صداقت کی اس عظیم ترین قربانی کے حقایق و معارف اور اسرار و رموز سے کسی حد تک روشناس ہو جائے گا۔

مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ پرانے مضامین کو یکجا کرنے میں اتنی دشواریاں پیش آئیں گی۔ میں انتہائی ممنون ہوں الجواد (بنارس) الواعظ (لکھنؤ)، سرفراز (لکھنؤ) اور رضاکار (لاہور) کے مدیران کا جنھوں نے اپنے اپنے پرانے فائلوں سے مطلوبہ مضامین کی نقلیں فراہم کر دیں ورنہ یہ مجموعہ نامکمل رہ جاتا۔ فجزاهم الله خیر الجزاء

اگر یہ مجموعہ اہلِ نظر کو پسند آیا تو دوسرے مجموعہ میں ان مضامین کو شایع کیا جائے گا جو تقیہ، بداء اور اس قسم کے دوسرے اہم موضوعات پر لکھے گئے تھے۔
انشاء اللہ تعالیٰ۔

والسلام خیر ختام
فقط

سید سعید اختر رضوی
گوپال پور
۱۳ رجب المرجب سنہ ۱۴۰۱ھ

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

امام حسنؑ اور امام حسینؑ نے اسلام کو تباہی سے کس طرح بچایا؟

نوٹ

مولانا سید سعید اختر صاحب قبلہ رضوی تقریباً دس سال سے ایسٹ افریقہ میں تبلیغ و نشر مذہب میں مصروف ہیں۔ ان اطراف میں اردو کی تحریر بے فائدہ ہے۔ اور اس وجہ سے مولانا موصوف کی تمام تر توجہ انگریزی اور سواحلی زبانوں میں تصنیف و تالیف پر مرکوز ہے۔ انگریزی میں ایک دوماہی رسالہ "لائٹ" اور سواحلی میں دوماہی "صوتی بلال" پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ انگریزی میں مذہبی مراسلاتی کورس جاری ہے۔

ان مشغولیتوں کے سبب تقریباً دس سال سے مولانا موصوف نے اردو میں کوئی کتاب یا مضمون نہیں لکھا ہے۔ لیکن انگریزی میں بے شمار ایسے جواہر پارے منصۂ شہود پر آ گئے ہیں جن کے ترجمے بہت سی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا موصوف کے مختلف رسالوں کے ترجمے فرانسیسی، اطالوی، انڈونیشی، جاپانی، تھائی، ہوسا، کیکویو، برمی، سواحلی اور فارسی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

زیر نظر مقالہ موصوف نے ۱۹۶۲ء میں لکھا تھا جو ستمبر ۱۹۶۶ء کے لائٹ میں شائع ہوا تھا۔

سید توکل حسین مترجم
سن ۱۹۷۱ء

Presented By: https://jafrilibrary.com

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مذہب اور حکومت کا باہمی تعلق کافی نازک ہے۔ جب تک حکمران مذہب کی متابعت پر قانع رہیں بات بنی رہتی ہے۔ لیکن جہاں سے اُن کا حوصلہ اپنی حد سے تجاوز کرتا ہے کہ وہ مذہب پر بھی حکومت کریں یا مذہب اُن کا تابع رہے وہاں سے انتشار اور تباہی شروع ہو جاتی ہے۔ اس وقت چنگیزی کے ہاتھ میں دین کی تلواریں آجاتی ہیں۔ ایسی حالت میں بالعموم مذہب ہی کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بطور مثال عیسائیت کو شہنشاہ کانسٹنٹائن EMPERAR CONSTANTINE کے قبول مذہب نے سابق کے لامذہب حکمرانوں کی کھلم کھلا مخالفت کی بہ نسبت زیادہ نقصان پہونچایا۔

اسلامی حکومت کا تصور

اسلام اس خطرہ کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ اور اس نے اس کا علاج پہلے ہی سے مہیا کر رکھا تھا۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں تھا کہ وہ اسلامی قوانین میں کسی طرح کی بھی ترمیم و تنسیخ کرے۔ اسلامی حکومت میں "مجلس قانون ساز" نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ اللہ ہی حاکم اعلیٰ اور واحد قانون ساز ہے جس کے قوانین رسول اکرم کے ذریعہ ہم تک پہونچے۔ یہ قوانین آخری اور مکمل ہیں۔ اور ہر قابل تصور حالت اور ضرورت کیلئے اس میں سامان موجود ہے۔ اور اگر کسی مسئلہ کی تفسیر یا تشریح کی ضرورت ہو تو صرف وہی افراد اس فریضہ کو انجام دینگے جنھیں اللہ نے اس کام کیلئے معین کیا ہے۔ یہ منصوص من اللہ امام ہیں جو معصوم ہیں اور جنھیں اللہ نے اپنے نبی کے ذریعہ مقرر کیا ہے۔

چونکہ اسلام رسول کی زندگی میں ایک منظم طریقہ زندگی عمل کرتا ہوا آگے بڑھا اور چونکہ اس اسلامی ریاست کا ہر شعبہ رسول اکرم کی الٰہی ہدایات کے مطابق کام کرتا تھا یہ بالکل مناسب بلکہ اشد ضروری تھا کہ رسول کی زندگی کے بعد زمام حکومت ان معصوم اماموں کے ہاتھوں میں رہے جو رسول اکرم کے بعد خدا کے نمایندے تھے اور اللہ کی طرف سے معین ہوئے تھے۔ یہ طریقہ اسلام کو مسخ ہونے سے بچانا اور ہمیشہ کے لئے

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسلام کو مستحکم بنیادوں پر قائم کر دیتا۔

اس طرح اسلام دنیاوی مغرور حکمرانوں کے چنگل سے آزاد رہتا اور بادشاہوں اور امیروں کے جذباتی پیچ و خم اور بر تو غلط جوش و خروش سے پاک رہتا۔

یہی وجہ تھی کہ رسول مقبولؐ نے خداوند عالم کے حکم خاص کی بنا پر یہ اعلان کر دیا کہ ان کے بعد امام بارہ ہوں گے، اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ "میں جس کا مولا ہوں علیؑ اس کے مولا ہیں" یہ اقدام اس لئے کیا گیا تاکہ اسلامی شریعت سیاسی داؤ پیچ کی قربان گاہ پر ذبح نہ کیا جا سکے۔

لیکن کچھ لوگوں کو جن کے حوصلے جائز و ناجائز کی قید کے پابند نہ تھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا اور انھوں نے یہ انتظام کیا کہ حکومت کی زمام علیؑ یا اُن کے نائبین کے ہاتھوں میں نہ رہے۔ اور اس طرح اسلام اس تحفظ سے جو اسے اللہ کے حکم سے دیا گیا تھا ہمیشہ کیلئے محروم ہو گیا۔

نتیجہ میں اسلام اُن تمام خرابیوں کا شکار ہو گیا جو سابق کے مذاہب پر پڑ چکی تھیں۔

اسلام کیوں انحطاط کا شکار ہوا؟

اس موضوع پر لکھنا کافی تکلیف دہ ہے۔ لیکن اگر ہم ماضی کا جائزہ حتی الامکان غیر جانبداری کے ساتھ لے سکیں تو ہمارے مستقبل کی ہدایت کیلئے یہ ایک مستحسن اقدام ہوگا۔

میں نے لوگوں کو تعجب کے ساتھ کہتے سنا ہے کہ یہ کیسے ممکن ہو سکا کہ یزید جیسا شخص اورنگ تاج خلافت پہن لے؟ وہ کون سی طاقتیں تھیں جنھوں نے اس حادثہ کیلئے راہیں ہموار کیں؟ دنیا میں کوئی کام بغیر علت نہیں ہوتا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

جو لوگ واقعات کے دھارے میں بہہ رہے تھے ممکن ہے ان کو ہر ہر واقعہ کی اہمیت کا اندازہ نہ ہو سکا ہو لیکن ہم لوگ جب ان واقعات پر آج نظر ڈالتے ہیں تو ہم ہر واقعہ کو اس کی صحیح جگہ پر آسانی سے رکھ سکتے ہیں۔ اور ہمارا فیصلہ ان لوگوں کے فیصلے سے زیادہ صحیح ہوگا جو اس ڈرامہ میں عملی حصہ لے رہے تھے۔

اسلام کی ابتدائی تاریخ کے ہر المیہ کی بنیادی وجہ، جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، یہ تھی کہ اسلام علیؑ اور ان کے بعد کے اماموں کی ہدایت سے محروم رہ گیا۔ یہی بہت بڑی مصیبت تھی۔ اس پر طرّہ یہ کہ وہ خلفاء جو تخت سلطنت پر بیٹھے انھوں نے اپنے دنیاوی اقتدار کا پورا فائدہ اٹھایا اور عوام میں اس یقین کو رائج کیا کہ مذہب کی راہبری دنیاوی حکومت کے زیر نگیں ہے۔ اور جو شخص بھی دنیاوی اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے چاہے جس ذریعے سے بھی ہو، وہ دستوری اور جائز خلیفہ اور مذہبی رہنما ہے جس کو دینی شہادت تاریخ اس بات کا اختیار ہے کہ اسلامی شریعت میں ترمیم و تنسیخ کر سکے۔ اس غلط اعتقاد کی وجہ سے لوگوں نے حکمرانوں کے ہر کام کو مذہب کا معیار سمجھ لیا جس کے نتیجے میں اسلامی اصول و شریعت کی پابندی میں انحطاط شروع ہو گیا۔

اسلام کا انحطاط

یہ انحطاط رسولِ مقبول کے فوراً ہی بعد شروع ہو گیا جن لوگوں کو سیاسی اقتدار مل گیا تھا انھوں نے اس اختیار کو کامل اور مستقل بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ لہٰذا فطری طور پر سیاسیات اور عدلیہ کے قوانین کو اس طرح بدلا گیا کہ ان کا مقصد پورا ہو سکے۔

صدقہ، زکوٰۃ اور غنیمت کی مستحقین کے درمیان مساوی تقسیم کا اصول چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اصحاب رسول کو ایک معینہ رقم بطور وظیفہ دی جایا کرے۔ یہ وظیفہ دو دینار سے لیکر بارہ ہزار دینار تک ہوتا تھا۔ اور اس طرح ترجیحی سلوک کے ذریعہ ان لوگوں کی زبانوں پر مہر لگا دی گئی جو حکومت کے مخالفین کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

مطابق اُن کا اور اُن کے خاندان کا حق ہے۔ (۳)

یہاں یہ لکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ انھیں دنوں ایک صحابی رسولؐ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے یہ دعویٰ کیا کہ رسولؐ نے ان سے فلاں فلاں چیزوں کا وعدہ کیا تھا۔ اُن کے اس دعوے کا ثبوت یا گواہ طلب کیے بغیر مان لیا گیا۔ اس پالیسی کے نتیجہ میں جناب فاطمہؑ اور اُن کے خاندان والے اپنی ذاتی جائیداد سے بھی محروم کر دیے گئے جبکہ حکومت کے منظورِ نظر حضرات نے بھاری دولت اکٹھا کر لی۔ (۴)

یہاں چند مثالیں کافی ہوں گی۔

جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (جو سابق کے تینوں خلفاء کے منظورِ نظر تھے) مرے تو انھوں نے دیگر ورثہ کے علاوہ چار بیویاں چھوڑیں۔ ہر زوجہ کو شریعت کے لحاظ سے میراث سے برابر حصہ ملنا چاہیے تھا۔ اُن میں سے ایک طلاقِ رجعی کے عدہ میں تھی، اس لئے اس کو مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے قانونی حصہ سے کم لینا منظور کرے۔ (یہ اسلامی شریعت کی مخالفت کی ایک اور مثال ہے)۔ لہٰذا اس کو بتیسویں حصے سے کم ملا۔ اس کے باوجود اس کو ایک لاکھ درہم نقد ملا!![۵]

طلحہ بن عبیداللہ (جو حکومت کے ایک اور چہیتے تھے) اُن کی مستقل آمدنی دوسرے ذرائع کے علاوہ دو ہزار دینار طلائی تھی۔ جب وہ مرے تو انھوں نے بائیس لاکھ درہم اور بیس لاکھ دینار نقد کی صورت میں چھوڑے۔ اس کے علاوہ غیر منقولہ جائداد تھی جس کی قیمت تین کروڑ درہم تھی۔[۶]

زبیر بن عوام نے موت کے وقت پچاس ہزار دینار، ایک ہزار گھوڑے اور سیکڑوں غلام ترکہ میں چھوڑے۔ (۷)

دولت جمع کرنے کے خلاف اسلامی تاکید کو بھلا دیا گیا، اور اسلامی دنیا میں ایک نئے

(۳) کنز العمال ج ۳ ص ۱۲۵-۱۲۹؛ مسند امام احمد بن حنبل ج ۱ ص [illegible]؛ الفاروق علامہ شبلی نعمانی ج ۲ ص ۱۱۲

(۴) صحیح بخاری کتاب الخمس، صحیح مسلم، طبقات ابن سعد ج [illegible] ص [illegible]، الاستیعاب ابن عبدالبر ج [illegible]

[illegible] ص [illegible] ج ۱ ص [illegible]، Politics in Islam [illegible] ص [illegible]؛ [illegible] ص ۲۲

Presented By: https://jafrilibrary.com

سماج کی تشکیل ہوئی جو فطرت و کردار کے لحاظ سے اسلام کے بالکل مخالف تھا۔ لیکن لوگوں نے اُسے بھی اسلام کے مطابق سمجھا صرف اس وجہ سے کہ یہ اُن حکمرانوں کا قائم کردہ تھا جو اسلام کے ترجمان اور مفسر سمجھے جاتے تھے۔

بنی اُمیّہ کی سربلندی

اسلام کے لئے ان سب سے زیادہ نقصان دہ تھا بنی اُمیہ کا پھر سے برسرِ اقتدار آنا۔ وہی بنی اُمیہ جو اسلام کے سب سے کٹر دشمن تھے۔ اور یہ بھی خلفاء کی سرپرستی میں ظہور پذیر ہوا۔ رسولؐ کی زندگی میں بنی اُمیہ ابوسفیان کی سرکردگی میں اسلام کے خلاف جنگ پر جنگ کرتے رہے۔ آخرکار ان کی طاقت اس وقت ختم ہوئی جبکہ رسولؐ نے ۸ھ میں بغیر کسی خونریزی یا جنگ کے مکہ فتح کر لیا۔ اب چونکہ دوسری کوئی صورت سامنے نہ تھی اس لئے ان لوگوں نے اپنے طریقۂ کار میں تبدیلی کی یعنی اب اُنھوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ لیکن اسلام کبھی بھی ان کے دل کے قریب نہیں پہونچا۔ کفر کا لہو ان کی رگوں میں دوڑتا رہا۔ کم از کم چھ جگہ قرآن مجید میں ان کی طرف اشارہ ہے۔ اور ہر جگہ انتہائی توہین کے ساتھ ان کی ملامت کی گئی ہے۔

قرآن کی نگاہ میں یہ لوگ شجرۂ ملعونہ (لعنت کیا ہوا درخت یا خاندان) ہیں (۱)

یہاں عبدالرحمٰن بن عوف کی ایک حدیث قابل ذکر ہے۔ انھوں نے خلیفۂ دوم سے قرآن کی اس آیت کے متعلق پوچھا "وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ" "خدا کی راہ میں اس طرح جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے۔" خلیفہ نے جواب دیا "یہ حکم اس وقت کے لئے ہے جب بنی اُمیہ حکمراں ہوں گے اور بنی مغیرہ ان کے وزیر ہوں گے۔ اس وقت مسلمانوں کا یہ فرض

---

(۱) تفسیر درمنثور سیوطی، سورۂ اسراء، آیت ۶۰ ؛ اور دیگر کتب تفاسیر و احادیث۔ نیز ملاحظہ ہو آئندہ مضمون "بنی امیہ قرآن کی نظر میں"۔

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہو گا کہ اپنی پوری طاقت کے ساتھ ان کے خلاف جنگ کریں۔ (۹)

کتنی تعجب خیز ہے فطرت انسانی کی یہ کرشمہ سازی بھی۔ کون یقین کر سکتا تھا کہ وہی خلیفہ جو یہ جانتا ہو کہ یہ ہر مسلمان کا فرض ہو گا کہ وہ بنی اُمیہ کے خلاف اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ وہ بذات خود ان کی خود مختار گورنری شام میں قائم کرائے گا۔ اور شوریٰ کے ذریعہ اس کا پلاٹ اس طرح ترتیب دے گا کہ ایک اموی تیسرے خلیفہ کی شکل میں مسلمانوں کا مطلق العنان حکمراں بن کر اسلامی دنیا پر مسلط ہو جائے۔ اس سے زیادہ تعجب خیز تو یہ ہے کہ یہ وہی عبدالرحمٰن بن عوف تھے جنھوں نے تیسرے خلیفہ کی تخت نشینی میں ایک اہم رول ادا کیا۔

رسولؐ خدا کی زندگی کے آخری دور میں بنی اُمیہ بالکل خاموش رہے۔ لیکن رسولؐ کے انتقال کے بعد ان کو ہاتھ پاؤں پھیلانے کا موقع ملا۔ ابو سفیان پہلے حضرت علیؑ کے پاس آیا۔ لیکن حضرت علیؑ نے اسلام کے اس ذلیل دشمن سے کسی طرح کا ساز باز کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد وہ خلیفۂ اول کے پاس گیا۔ اگر اُنھوں نے بھی اُسی طرح ابو سفیان کو ٹھکرا دیا ہوتا جیسے حضرت علیؑ نے کیا تھا تو کوئی مشکل نہ پڑتی۔ لیکن خلیفۂ دوم کی رائے سے اُسے شام کی پیش کش کی گئی۔ ابو سفیان اس وقت بوڑھا ہو چکا تھا اس لئے اس کا بیٹا یزید ایک فوج کے ساتھ شام بھیجا گیا۔ اور شام کی فتحیابی کے بعد وہاں کا گورنر بنایا گیا۔ اور یزید کی وفات کے بعد اس کا بھائی معاویہ ابن ابی سفیان وہاں کا گورنر ہوا۔ (۱۰)

سیاست کا الٹ پھیر بھی کتنا عجیب ہے۔ کون سوچ سکتا تھا کہ وہ بنی اُمیہ جو رسولؐ کی زندگی میں اپنی تمام توانائی اسلام کو تباہ کرنے میں صرف کر رہے تھے ایک دن اسلامی حکومت کے واحد اجارہ دار بن جائیں گے۔ وہ کھلم کھلا دشمن بن کر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ لیکن داخلی تباہ کاری کے ذریعہ اُنھوں نے اسلام کو قریب قریب بالکل برباد کر دیا۔ خلیفہ

(۹) تفسیر در منثور سیوطی ج ۳ صفحہ ۲۴۱ ، (۱۰) تمام کتب تاریخ اسلام۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

دوم کے بعد حضرت عثمان تیسرے خلیفہ ہوئے۔ جب لوگوں نے حضرت عثمان کے ہاتھوں پر بیعت کر لی تو ابو سفیان ان کے پاس آیا اور یہ مشورہ دیا "اے امیہ کے فرزندو! اب جب یہ حکومت تمہارے ہاتھ آ گئی ہے اس سے اس طرح کھیلو جیسے بچے گیند سے کھیلتے ہیں۔ اور اپنے خاندان میں ایک کے بعد دوسرے کی طرف منتقل کرتے جاؤ کیونکہ یہ حکومت تو ایک حقیقت ہے۔ رہی بہشت یا دوزخ تو ہمیں کیا معلوم کہ وہ ہے بھی یا نہیں؟" (۱۱)

ہمیں نہیں معلوم کہ زبان خلافت سے کیا جواب دیا گیا۔ لیکن تاریخ یہ گواہی ضرور دیتی ہے کہ اس مشورہ پر انتہائی فراخ دلی سے عمل کیا گیا۔

حکم بن عاص اور اس کے بیٹے مروان کو رسولؐ نے مدینہ سے خارج البلد کر دیا تھا۔ یہ خلیفۂ ثالث کا چچا تھا اور مروان ان کا داماد تھا۔ اس لئے انھوں نے رسولؐ کے فرمان کو بھلا دیا۔ نہ صرف یہ کہ انھوں نے مروان کو مدینہ میں واپس بلا لیا بلکہ اس کو اپنا مطلق العنان وزیر بھی بنا دیا۔ اس کے حوالے نہ صرف افریقہ سے آنے والا خمس (جس کی مقدار کئی لاکھ دینا تھی) کر دیا گیا بلکہ فدک بھی اسے بخش دیا گیا۔ (خمس اور فدک کا تذکرہ اوپر گذر چکا ہے) (۱۲)

عبداللہ ابن ابی سرح خلیفہ کا ایک رشتہ دار تھا۔ فتح مکہ کے روز رسولؐ خدا نے یہ حکم دیا تھا کہ اسے اگر کعبہ میں بھی پاؤ تو قتل کر ڈالو۔ لیکن حضرت عثمان نے اس کے برخلاف اسے اپنے گھر میں پناہ دی۔ اور کافی سفارش کے بعد اس کے لئے امان حاصل کر لی۔ حضرت عثمان کے دور خلافت میں ایسا شخص مصر کا گورنر بنا دیا گیا۔ (۱۳)

(۱۴) ولید بن عقبہ خلیفہ کا چچا زاد بھائی تھا۔ قرآن مجید نے "فاسق" کے نام سے یاد کیا ہے

---

(۱۱) الاستیعاب ج ۴ ص ۲۷۰، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۶۶، مروج الذہب ج ۲ ص ۳۴۳، کنز العمال ج ۶ ص ۹۰، تذکرہ خواص الامۃ ص ۳۲، فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۱۶۱، روضۃ المناظر مطبوعہ بر مروج الذہب

(۱۲) الاستیعاب ص ۲۹۳، الاصابۃ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص ۳۱۶، تفسیر الدر المنثور ج ۳ ص ۲۰۲

(۱۳) الاصابۃ مطبوعہ بر استیعاب ج ۲ ص ۳۰۹، لباب النقول۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ ایک شرابی اور بہت ہی بدکردار آدمی تھا۔ لیکن اُسے کوفہ کا گورنر بنا دیا گیا۔ ایک صبح یہ نشہ کی حالت میں مسجد میں آیا۔ اور نماز صبح پڑھانی شروع کی۔ اور عالم سرور میں دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھائی۔ اور اس کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ اگر تم کہو تو چند رکعتیں اور بھی پڑھا دوں۔ (۱۵)

صرف انہیں تین آدمیوں نے نہیں بلکہ بنی اُمیہ سے منسلک ہر فرد نے سلطنت میں کوئی نہ کوئی با اثر منصب حاصل کر لیا۔ (۱۶) ان لوگوں نے اپنے جاہ و مرتبہ کو اسلامی سماج کو کمزور کرنے، اسلامی اخلاق کو مسخ کرنے، اسلام کے اصول و قوانین کی بے حرمتی کرنے یا ان کی تضحیک کرنے، مختصر یہ کہ اسلام کی ہر چیز کو برباد کرنے کیلئے استعمال کیا۔

رسول مقبول صلعم کی وفات کے پچیس سال کے اندر اندر اسلامی رہنمائی کا معیار مذاہب عالم کی طویل تاریخ کے پست ترین معیاروں کے ہم دوش ہو گیا۔ عام طور سے مسلمان تعداد کے بندے ہونے کے بدلے سونے اور چاندی کے بندے ہو کر رہ گئے۔ خلیفہ سوم قتل ہوئے۔ اس لئے نہیں کہ وہ بنی اُمیہ کو توانگر سے توانگر تر بنا رہے تھے، اور اس طرح اسلامی دولت کی مساوی تقسیم کے اصول کو مسخ کر رہے تھے۔ اس لئے بھی نہیں کہ وہ اپنے خاندان والوں کو مسلمانوں کا آقا بنا رہے تھے جبکہ یہ لوگ قرآن کی نگاہ میں ملعون خاندان والے تھے۔ بلکہ صرف اس لئے کہ اسلامی دنیا کے دوسرے بڑے لوگوں کو یہ ناگوار ہوا تھا کہ ان کو خلیفہ صاحب نے نظر انداز کر دیا تھا۔ ان کا خیال یہ تھا کہ ان کو بھی اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ بھی اپنے گھروں کو سونے اور چاندی سے بھر لیں۔ ان کو بنی اُمیہ

(۱۵) تفسیر نیشاپوری ج ۱ ص ۳۰۰، تفسیر در منثور ج ۵ ص ۱۶۲، تفسیر معالم التنزیل بغوی ص ۔۔، تفسیر کشاف زمخشری، تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۴، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۔۔، تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۱، شرح فقہ اکبر ص ۹۱، مروج الذہب ج ۲ ص ۳۳۴، صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۷۔ (۱۶) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۶، تاریخ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۔۔، اسپرٹ آف اسلام سید امیر علی ص ۲۹۵، ۲۹۶

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے کوئی مخالفت نہ ہوتی اگر ان کو بھی اس دولت سے معتد بہ حصہ ملتا رہتا۔

حضرت علیؑ نے اسلام کو بچانا چاہا

حضرت علیؑ نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ لوگوں کو اس بات کا احساس دلائیں کہ انہوں نے دوسروں کو اپنا مذہبی رہنما مان کر کیسی بھیانک غلطی کی ہے۔ حضرت علیؑ کا یہ طرزِ عمل ذاتی فائدہ کیلئے نہیں بلکہ اسلام کی خاطر تھا جو ان ہی لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ کر لازمی طور سے مسخ ہوتا جا رہا تھا۔ جب خلیفۂ دوم کے بعد آپ کو اس شرط پر خلافت پیش کی جانے لگی کہ وہ سابق کے دو خلفاء کی سیرت پر چلیں گے۔ تو آپ نے اس خلافت کو ٹھکرا دیا کیونکہ اس شرط کو ماننے کا مطلب یہ ہوتا کہ ان سابق خلفاء کی غیر قانونی خلافت پر مہر تصدیق ثبت کر دی جائے۔

خلیفۂ سوم کے بعد جب لوگ آپ کے پاس آئے اور یہ دباؤ ڈالا کہ آپ خلیفہ ہونا قبول کر لیں، تو آپ نے اس شرط کے ساتھ اسے قبول کیا کہ آپ رسولؐ کے زمانے کے اسلام کو پھر سے قائم کریں گے۔ آپ نے یہ خیال فرمایا کہ مجھے یہ موقع مل جائے گا کہ میں اسلام کو ان بدعتوں کے جھاڑ جھنکاڑ سے پاک کر دوں جن کو اسلام کے اصول سے مخلوط کر دیا گیا ہے۔ (۱۷)

لیکن حضرت علیؑ کا عدل و انصاف مسلمانوں کے مسخ شدہ لیڈروں کے کام و دہن کے لئے تلخ ثابت ہوا۔ وہ لوگ ترجیحی سلوک کے عادی ہو چکے تھے۔ اور اس غیر عادلانہ نظام کی بیخ کنی ان کو انتہائی ناگوار گزری۔ اگر یہ بات نہ تھی تو آخر کون سی وجہ تھی کہ طلحہ، زبیر اور جناب عائشہ نے حضرت علیؑ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ جبکہ آپ نے اپنے مختصر دورِ خلافت میں اسلام کے اس اصلی نظام کو قائم کرنا چاہا

(۱۷) نہج البلاغہ اور اس کی مختلف شرحیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

جو رسولؐ کے زمانے میں جاری تھا۔

مسلمانوں کا نقطۂ نگاہ مادی اور معاشرتی اصول کے متعلق اس طرح بدل گیا تھا کہ وہ ان اصلاحات کو برداشت نہیں کر سکتے تھے جو حضرت علیؑ نے دوبارہ نافذ فرمائیں۔ (۱۸) آپ کے خلاف جنگ کے بعد جنگ برپا کی گئی، اور بالآخر آپ کو مسجد کوفہ میں نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا، اور اس طرح مسلمانوں نے وہ واحد موقع ہاتھ سے کھو دیا جس سے ان کا معاشرہ اسلام کے اخلاقی، معاشرتی، قانونی اور معاشی عدل و انصاف کی بنیاد پر دوبارہ قائم ہو سکتا۔

امام حسنؑ مدینے کیلئے آگے بڑھے

امام حسنؑ نے جو اپنے والد کی شہادت کے بعد اسلام کے نمائندہ تھے یہ محسوس کیا کہ مسلمانوں کی بیماری اب اس منزل پر پہونچ چکی ہے جہاں اس کے علاج کی کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ بد دیانتی ان کا ایمان، غداری ان کی وفا، دولت ان کی واحد محبوبہ اور ذاتی منفعت ان کا واحد مطمع نظر تھا۔ یہ ناممکنات سے تھا کہ ان کے درمیان خدائی حکومت پھر سے قائم کی جا سکے۔

امام حسنؑ کے سامنے اب سب سے اہم سوال یہ آیا کہ اسلام کے اصول کی حفاظت کیسے ہو؟ سابق کے بادشاہوں نے رسولؐ کے اقتدار اعلیٰ کے اعتقاد کو بادشاہوں کے اقتدار اعلیٰ کے اعتقاد میں بدل دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس غلط عقیدہ سے فائدہ اٹھایا اور دنیا سے رخصت ہوئے لیکن اسلام کو انتشار سے دوچار کر کے۔ اس غلط اعتقاد کا باقی رہنا اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا۔ اب جبکہ الٰہی حکومت کو پھر سے قائم کرنا ممکن نہ تھا صرف ایک ہی صورت رہ گئی تھی کہ لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ دنیاوی حکمرانی اور مذہبی رہنمائی ایک نہیں بلکہ دو الگ الگ چیزیں ہیں اور یہ کہ مذہب کی محافظت، اور ترجمانی کی ذمہ داری

(۱۸) نہج البلاغہ، الاستیعاب مطبوعہ با اصابہ ج ۲ ص ۳۳، تاریخ التمدن الاسلامی ج ۴ ص ۴۳ ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

اللہ کی طرف سے سپرد کی جاتی ہے۔ یہ بادشاہت نہیں ہے جو لوگوں کی عطا کردہ ہو مقصد یہ کہ لوگ ایک بار پھر دیکھ لیں کہ مذہب تاج و تخت کے ساتھ بندھا ہوا نہیں ہے۔

مذہب کو حکومت سے علیحدہ کیا جاتا ہے

حضرت علیؑ کے بعد صرف امام حسنؑ اور امام حسینؑ اس کام کو انجام دے سکتے تھے وہ بے شمار خصائص کے مالک تھے، عوام یا فوج کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ اور رسول کی طرف سے ارشاد قرآنی کے مطابق وہ دونوں رسول کے بیٹے تھے[۱۹] ان کی مودت اور احترام مسلمانوں پر فرض تھا۔[۲۰] وہ ہر رجس سے پاک تھے، اور ان سے کسی غلطی کا ارتکاب ممکن نہ تھا۔[۲۱] وہ سردار جوانان جنت تھے۔[۲۲] اور لوگوں پر ان کی فرماں برداری فرض تھی کیونکہ وہ امام تھے چاہے وہ بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں یعنی چاہے وہ صلح کریں یا جنگ۔ (۲۳)

اندریں حالات ان کے اختیارات ہر حالت میں مسلم تھے چونکہ ان کی امامت سیاسی طاقت پر مبنی نہ تھی اس لئے وہ آسانی سے بے خوف و خطر مقتضائے حال کے مطابق حکومت کو ٹھکرا بھی سکتے تھے اور حکومت وقت کی مخالفت بھی کر سکتے تھے۔

اس لئے علیؑ و فاطمہؑ کے دلبند دونوں نے اللہ اور رسول کے عطا کردہ کامل اختیار

(۱۹) تفسیر جلالین، سورۂ آل عمران (۶۱)، صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۸، ارجح المطالب عبید اللہ امرتسری (۲۰) قرآن مجید، سورۂ شوریٰ، تفسیر کشاف زمخشری جلد ۴ ص ۲۲۰، تفسیر در منثور، صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند احمد بن حنبل، (۲۱) قرآن مجید سورۂ احزاب، تفسیر در منثور سیوطی ج ۵ ص ۱۹۹۔ صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۶۸، ارجح المطالب (۲۲) صحیح ترمذی، معجم کبیر طبرانی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۷۰، مسند احمد بن حنبل، ارجح المطالب، سنن ابن ماجہ، تاریخ ابن عساکر دمشقی (۲۳) مختصر المناقب حافظ محمد بن یوسف گنجی شافعی بحوالہ مسند امام احمد بن حنبل۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے اتنے ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس سے مذہب کی گردن حکمرانوں کے آہنی چنگل سے ہمیشہ کے لئے آزاد ہو جائے۔ اور امام حسنؑ نے سیاسی طاقت کو چھوڑ دیا اور یہ دکھا دیا کہ ان کا مذہبی منصب حکومت کا مرہون منت نہیں ہے۔ امام حسنؑ کے اس اقدام سے یہ سب سے بڑا فائدہ ہوا کہ مسلم عوام کا نقطۂ نظر مذہب اور حکومت کے باہمی تعلق کے متعلق بدلنے لگا۔ جیسا کہ بعد میں واضح ہوگا۔ معاویہ نے انتہائی کوشش کی کہ اسلام کے بہت سے اصولوں کو بدل دیا جائے مگر وہ ناکام رہا۔ اگر وہی تبدیلیاں اور بدعتیں سابق کے تینوں خلفاء کے زمانے میں ہوتیں تو مسلم عوام اس کو قبول کر لئے ہوتے لیکن اب امام حسنؑ سامنے آچکے تھے۔ اور یہ تخیل پاش پاش ہو چکا تھا کہ مذہب حکومت کا دست نگر ہے۔ اسی وجہ سے معاویہ کچھ زیادہ کامیاب نہ ہوسکا۔ بلکہ آج بہت سے سنی ہیں جو اُسے خلیفہ تک ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

معاویہ کی غلط کاریاں

اب ہمیں ذرا دمشق کی طرف دیکھنا چاہئے۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ معاویہ عامۃ المسلمین کا تسلیم شدہ حکمران ہے۔ انتخاب یا نامزدگی کے ذریعہ نہیں بلکہ قہر و غلبہ کی تلوار سے۔ اس کے پہلے کی فضا ہم پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ ہر غیر اسلامی تصور یا طریقہ جزو اسلام سمجھ لیا جاتا تھا۔ شرط صرف اتنی تھی کہ برسر اقتدار حکمراں اُسے پیش کرے۔ معاویہ نے اس تصور سے فائدہ اُٹھانے کی انتھک کوشش کی۔ دولت کی خورد برد اپنے انتہائی عروج پر پہونچ گئی۔ زہر، تلوار اور سونا آزادی کے ساتھ حکمرانوں کے ظالمانہ منصوبوں کے لئے استعمال ہونے لگا۔ مخالفین کو قتل کرنا، مقابل کو زہر دغا سے شہید کرنا، اور جن لوگوں کی وفاداری مشکوک ہو انھیں قید کرنا، ان کے گھر بار کو جلانا، جائداد کو لوٹنا، یہ سب روز مرہ کا معمول ہو گیے

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھا۔ امام حسن ابن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو زہر سے شہید کیا گیا۔(۲۴) حجر بن عدی اور ان کے ساتھیوں کو اللہ کے نام پر ہولناک دشمنی اور انتہائی بے رحمی سے شہید کر دیا گیا۔(۲۵) مالک بن اشتر کو زہر سے شہید کیا گیا۔(۲۶) محمد ابن ابی بکر (خلیفہ اول کے صاحبزادے) کو گدھے کی کھال میں سی کر جلا دیا گیا۔(۲۷) جناب عائشہ کو (جو خلیفہ اول کی بیٹی اور رسول کی زوجہ تھیں) ایک گڑھے میں گرا دیا گیا۔ اور اس گڑھے کو چونا بھر کر بند کر دیا گیا۔ اور ان کو اسی گڑھے میں گلنے کے لئے چھوڑ دیا گیا۔(۲۸) خالد بن ولید (جن کو عوام سیف اللہ کہتے ہیں) کے فرزند عبدالرحمٰن کو زہر سے ہلا[ک] کیا گیا۔(۲۹) (۳۰) عمرو بن حمق خزاعی جیسے باعزت صحابی رسول کو بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔(۳۱)

ہم نے ابوسفیان کا عقیدہ اوپر بیان کیا ہے۔ معاویہ اپنے باپ سے کچھ بہتر نہ تھا۔ معاویہ کے معتمد گورنر مغیرہ کی روایت یہاں نقل کرنے کے قابل ہے وہ ایک بار معاویہ سے گفتگو کر رہا تھا۔ دوران گفتگو معاویہ نے کہا (میں لوگوں کے لئے بھلائی کیوں کروں ؟)

(۲۴) تاریخ الخلفاء سیوطی صـ۱۹۶ کتاب اللاعراف، اسپرٹ آف اسلام سید امیر علی صـ۴۴۳ (۲۵) مروج الذہب مطبوعہ مصر، تاریخ کامل ج ۳ صـ۱۸۷، تذکرہ خواص الامۃ صـ۲۱۴، المختصر تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ، تاریخ ابوالفداء ج ۱ صـ۱۸۲، تاریخ ابن عساکر ج ۴ صـ۲۲۶، العقد الفرید ابن عبد ربہ اندلسی ج ۲ صـ۱۱، ج ۳ صـ۱۲۴، الاستیعاب، معجم الصحابہ ج ۱ صـ۱۳۴، تاریخ دول الاسلام ج ۱ صـ۵۳، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ صـ۴ و صـ۲۴، تاریخ ابن کثیر ج ۸ صـ۴۳، تاریخ طبری ج ۶، کتاب الامامۃ والسیاسۃ صـ۱۶۴، حبیب السیر، شواہد النبوۃ، ملا جامی صـ۱۷۱، محرم نامہ خواجہ حسن نظامی صـ۴۴ (۲۶) الاصابہ ج ۱ صـ۱۶۲، ج ۲ صـ۱۳۴، الاستیعاب صـ۹۵، تاریخ کامل ج ۳ صـ۱۹۲-۱۹۵، انوار اللغہ پ ۷ صـ۱۲۱، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ صـ۱۲، تاریخ طبری ج ۶ صـ۱۴۵ (۲۷) تاریخ طبری، تاریخ کامل، المختصر تاریخ الکامل فیہ، انوار اللغہ پ ۱۴ صـ۱۲۳، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ صـ۱۲ (۲۸) المختصر تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ صـ۱۲، تاریخ طبری ج ۶ صـ۱۲، حیاۃ الحیوان دمیری ج ۱ صـ۲۲۳، مروج الذہب ج ۲ صـ۴، تذکرہ خواص الامۃ، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ صـ۱۲، ج ۳ صـ۳۴، انوار اللغہ پ ۲۱ صـ۲۲ (۲۹) اوائل السیوطی، ربیع الابرار زمخشری، کامل السفینہ، حبیب السیر جلد ۱ جز ۳ (۳۰) تاریخ طبری، تاریخ کامل، المختصر تاریخ الخلفاء فیہ، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ صـ۱۲، استیعاب، ربیع الابرار ج ۲ صـ۳۲۔

(۳۱) رجال کشی صـ۳۳-۲۱۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

"اگر میں اچھے کام بھی کروں تو بھی یہ اُمید کیسے کر سکتا ہوں کہ میں اچھے نام سے یاد کیا جاؤں گا۔ دیکھو تیم کی ایک فرد (یعنی خلیفۂ اوّل) نے لوگوں پر حکومت کی۔ اور ان کے لئے بہت بڑے بڑے کام کئے، لیکن جب وہ مرے تو ان کا نام بھی ان کے ساتھ ختم ہوگیا اب لوگ انہیں "ابوبکر" کے نام سے پکارتے ہیں۔ اور بات ختم، اس کے بعد بنی عدی کی ایک فرد آئی (یعنی خلیفہ دوم) اور پوری طاقت کے ساتھ دس سال تک حکومت کی لیکن ان کا نام بھی ان کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اور اب لوگ انہیں بھی اکثر اوقات "عمر" کہہ کر پکارتے ہیں اور بس لیکن ابن ابی کبشہ کو دیکھو (کفار قریش بغض و عداوت کے جوش میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نام سے پکارتے تھے اور معاویہ ان کی ناسی میں رسولؐ کے لئے یہی نام استعمال کر رہا ہے) کہ ان کا نام روزانہ پانچ وقت پکارا جاتا ہے۔ اور موذن ہر مسجد میں پکارتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں" اب ان کی اس کامیابی کے بعد کون سا نام باقی رہ سکتا ہے اور کون سا نیک کام یاد رکھا جا سکتا ہے؟" (۳۲)

رسول اور اذان کی اس کھلی ہوئی تحقیر کے علاوہ ابوسفیان کے پوتے سے اور کیا امید کی جا سکتی ہے؟ سیاسی گٹھ بندیوں، خیانتوں، بے ایمانیوں، بربریت اور کشت و خون کے علاوہ اس نے طریقۂ عبادت کو بھی بدلنے کی کوشش کی۔

عبادات میں "ایجاد بندہ" کی نظیریں سابق کے ادوارِ حکومت میں بھی ملتی ہیں۔ خلیفۂ دوم نے صبح کی اذان میں "الصلوٰۃ خیر من النوم" کا اضافہ کیا۔ (۳۳) "حی علیٰ خیر العمل" کو اذان سے خارج کر دیا گیا۔ (۳۴) تراویح کی نماز با جماعت انہیں نے قائم کی۔ (۳۵) خلیفۂ سوم نے نماز جمعہ کے پہلے ایک اور اذان کا اضافہ کیا۔ (۳۶) اور عیدین میں نماز کے قبل خطبہ کی رسم

(۳۲) شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی جلد ۵ (۳۳) کنز العمال ج ۴ ص ۲۴۰۔۲۷۰، موطا امام مالک، روضۃ الاحباب ج ۱ ص ۱۲۶، (۳۴) شرح تجرید علامہ قوشجی، شرح مقاصد تفتازانی (۳۵) فلک النجاۃ ج ۲ (۳۶) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹۰، ازالۃ الخفاء ج ۱ ص ۱۱۲۔

جاری کی۔ (۳۷) اور انہوں نے سفر میں بھی پوری چار رکعت نماز پڑھی بجائے دو رکعت کے جیسا کہ رسول کے زمانہ میں تھا۔ (۳۸) لیکن معاویہ اس معاملے میں سب سے آگے بڑھ گیا۔ اس نے نماز کے سورتوں سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو حذف کر دیا۔ (۳۹) جیسا کہ پہلے نماز میں ہر عمل کے پہلے "اللہ اکبر" کہا جاتا تھا۔ اس نے اُسے ختم کر دیا (۴۰) اُس نے نماز جمعہ کا خطبہ منبر پر بیٹھ کر پڑھا (۴۱) جب وہ حضرت علی خلیفۂ رسول سے لڑنے کے لئے جا رہا تھا تو اس نے لشکریوں کو حکم دیا کہ نماز جمعہ بدھ کے روز ہی پڑھ لی جائے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگوں نے اس پر عمل کیا (۴۲) اس نے حج کے موقع پر صفا و مروہ کے درمیان قدم سے چلنے کے بجائے بغیر کسی عذر کے گھوڑ سواری کی۔ (۴۳) اس نے تلبیہ (لبیک اللّٰھم لبیک) کو حج سے نکال دیا۔ (۴۴)

لیکن ان سب سے زیادہ اہم تبدیلی نماز میں ہاتھ کا باندھنا ہے اس بات کے کافی قرائن موجود ہیں کہ یہ معاویہ ہی تھا جس نے یہ طریقہ ایجاد کیا۔ امام مالک (مالکی فرقے کے بانی) نے فقہ ماننے والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنا ہاتھ کھلا اور سیدھا رکھیں (جیسا کہ شیعہ کرتے ہیں) اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ مدینہ کے لوگ اپنا ہاتھ نماز میں کھلا رکھتے ہیں۔ اور اہل مدینہ نے رسول کو عبادت کرتے دیکھا ہے۔ اور جو طریقہ اہل مدینہ کا ہے وہ یقیناً رسول ہی کی پیروی پر مبنی ہوگا۔ امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ ہجری میں ہوئی۔ ان کے اس استدلال کے علاوہ عبداللہ بن زبیر (۴۵) ابن سیرین (۴۶) اور اسلامی شریعت کے دوسرے ائمہ کی بیان کردہ حدیثیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں کہ کم از کم دوسری صدی ہجری تک مدینہ

---

(۳۸) تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶، فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۱۵ (۳۹) النہایہ ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱۲ – صحیح بخاری، صحیح مسلم، جمع بین الصحیحین (۴۰) کنز العمال ج ۴ ص ۲۱۳ تفسیر کبیر امام رازی ج ۱، ص ۱۰۹ خصائص، ترجمہ از خواجہ حسن نظامی ص ۱۱۲ (۴۱) کنز العمال ج ۴ ص ۲۱۳ (۴۲) ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۲۲۰، فتح الباری جلد ۲ ص ۲۱۹ (۴۲) مروج الذہب ج ۲ ص ۳۴ (۴۳) دلائل السیوطی (۴۴) کنز العمال ج ۳ ص ۲۵۰ (۴۵) ارشاد الطیب ص ۲۳۵ فتح المنان عبد الحق دہلوی شرح کنز الدقائق عینی ص ۲۵ (۴۶) تسہیل القاری ج ۳ ص ۲۳۰ ازار یہ ملتانیہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے لوگ نماز میں ہاتھ نہیں باندھتے تھے۔ اس کے مقابل میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل نے (جنھوں نے عراق یا شام میں جہاں بنی امیہ کا اثر تھا، تعلیم و تربیت پائی) اپنے پیروؤں کو ہاتھ باندھنے کا حکم دیا۔ اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ یہ بات ہے کہ امام شافعی نے (جنھوں نے ابتدائی زندگی مکہ اور مدینہ میں گزاری اور بعد میں عراق و مصر میں مقیم ہوئے) ہاتھ کھولنے اور باندھنے دونوں کو جائز کہا ہے۔

نماز میں تبدیلیوں کے کچھ اور ثبوت رسولؐ کے دو صحابیوں سے ملتے ہیں۔ حضرت انس بن مالک، رسولؐ کے ایک بوڑھے صحابی، دمشق گئے جو کچھ انھوں نے وہاں دیکھا اس پر بے اختیار گریہ کرنے لگے۔ انھوں نے کہا: میں تمھارے درمیان کوئی ایسی چیز نہیں پاتا جو رسولؐ کے زمانے میں دیکھا کرتا تھا سوائے اس نماز کے اور وہ بھی مسخ کی ہوئی۔" (۴۷)

رسولؐ کے دوسرے صحابی حضرت ابو درداء نے کہا: "میں یہاں کوئی چیز شریعت کے مطابق نہیں پاتا۔ سوائے اس کے کہ یہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر چیز متروک ہے۔ (۴۸) حضرت علیؑ جب معاویہ سے جنگ کر رہے تھے تو انھوں نے فرمایا: "ہم ان لوگوں سے اس لئے جنگ کر رہے ہیں تاکہ پھر سے نماز کو قائم کر سکیں۔" (۴۹)

یہاں یہ بات بتانی مناسب ہوگی کہ جب حضرت علیؑ نے اپنے دور خلافت میں نماز پڑھائی تو لوگ مسرت سے بے قابو ہو کر چلائے کہ یہ نماز ٹھیک ویسی ہے جیسی رسول صلعم پڑھاتے تھے۔ ہم نے ایک عرصۂ دراز کے بعد رسول کی نماز دیکھی ہے۔ ایسے تاثرات ظاہر کرنے والوں میں عمران بن حصین (۵۰) ابو موسیٰ اشعری (۵۱) اور ابو ہریرہ (۵۲) کے نام قابل ذکر ہیں۔

---

(۴۷) صحیح بخاری (مع فتح الباری) ج ۲ ص ۱۳ (۴۸) صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۰۰ صحیح مسلم ج ۲۔

(۴۹) انوار الصلوٰۃ باب ۲ (۵۰) صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۱۹-۲۲۰ صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۹ (۵۱) سنن ابن ماجہ (مع اردو ترجمہ) ج ۱ ص ۲۱۹ (۵۲) یزید ناصر ص ۱۱۸ حبیب السیر حاشیہ فوائد محمودی۔

اسلام میں معاویہ پہلا شخص تھا جس نے تجارت میں سود صرف لیا ہی نہیں بلکہ اسکو شرعی حیثیت سے جائز بھی بنا دیا (۵۳) وہ کھلم کھلا شراب (۵۴) وہ گانے بجانے اور رقص و سرود سے لطف اندوز ہوتا تھا حالانکہ ان چیزوں کو اسلام میں صاف صاف حرام قرار دیا گیا ہے (۵۵)

اس نے رسولؐ کے ابن عم، داماد اور خلیفہ حضرت علیؑ پر سب و شتم کی بدعت جاری کی اور یہ شرمناک سلسلہ مسلمانوں میں پہلی صدی ہجری کے آخر تک جاری رہا (۵۶) یہ بات بتانا ضروری ہے کہ حضرت علیؑ وہ ہیں جن کی مودت قرآن و احادیث رسولؐ کے مطابق ہر مسلمان پر فرض ہے۔ ان سے محبت رسولؐ سے محبت ہے اور علیؑ سے عداوت رسولؐ سے عداوت ہے۔ علیؑ سے صلح و آشتی رسولؐ سے صلح و آشتی اور علیؑ سے جنگ رسولؐ سے جنگ ہے، اور علیؑ پر سب و شتم رسولؐ پر سب و شتم ہے (۵۷)

معاویہ نے قرآن و اسلام کے مسلمہ قوانین کی کھلم کھلا مخالفت کرتے ہوئے جمعہ کے خطبہ میں یہ اعلان کیا کہ حکومت کی کل آمدنی اس کی ذاتی ملکیت ہے اور اس کا مسلمانوں میں تقسیم کرنا یا نہ کرنا اس کا ذاتی معاملہ ہے۔ اگر وہ اس میں سے کسی کو کچھ دینا چاہے تو اس کی مرضی اور اگر

۵۳۔ صحیح صادق نظام الدین شرح نہج البلاغہ ج ۵ ص ۱۲۹، دراسات اللبیب ص ۲۳۷ (۵۴) مسند احمد بن حنبل ج ۵، اوائل السیوطی (۵۵) مسند ابو یعلیٰ، تاریخ ابوالفداء، محاضرات امام راغب اصفہانی، تاریخ الخلفاء سیوطی، اوائل السیوطی (۵۶) صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۸، تذکرہ خواص الامۃ ص ۳۴، خصائص امام نسائی، فتح الباری ج ۳ ص ۳۶۵، تاریخ کامل ج ۵ ص ۱۶، ج ۳ ص ۱۴۲، تاریخ الخلفاء ص ۱۶۹، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی ج ۳ ص ۲۲۲، ج ۱ ص ۱۵۲، شرح مشکوٰۃ عبدالحق دہلوی ص ۳۳، منہاج السنۃ ابن تیمیہ ج ۳ ص ۷۷، حیوٰۃ الحیوان دمیری ج ۱ ص ۲۳، مروج الذہب ج ۳ ص ۱۲، تاریخ طبری ج ۶ ص ۹۲، تاریخ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۹۲-۱۹۳، العقد الفرید ابن عبدربہ ج ۳ ص ۱۲۶، سیرۃ النبی شبلی نعمانی ج ۱ ص ۴۷، تاریخ روضۃ الصفا ج ۲ ص ۹۲ (۵۷) مسند ابو یعلیٰ، معجم طبرانی، مسند احمد بن حنبل، صواعق محرقہ ابن حجر مکی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۵۰-۵۵۵

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایسا کرے تو پھر کسی کو حق نہیں ہے کہ اس کے متعلق پوچھے کیونکہ یہ اس کی ذاتی دولت پر ہے(۵۸)

یہ چند مثالیں صاف طور پر ظاہر کرتی ہیں کہ معاویہ نے کس طرح نہ صرف عبادت میں بلکہ اسلام کے ہر شعبہ میں تبدیلی کرنی چاہی۔ اگر وہ پوری طرح اس میں کامیاب نہ ہو سکا تو اس کی واحد وجہ امام حسن علیہ السلام کی الٰہی سیاست تھی۔

تذکرۃً یہ بھی کہتا چلوں کہ امام حسنؑ کی سیاست اس حیثیت سے بھی کامیاب رہی کہ اس کی وجہ سے سچے مومنین اور منافقین میں پوری طرح تمیز ہو گئی۔ امام حسن علیہ السلام کے پدر بزرگوار کی زندگی کے آخری چار برسوں میں سب مسلمان ان کو مسلم حکومت کا سربراہ مان رہے تھے۔ ان میں کچھ لوگ وہ تھے جو آپ کو منصوص من اللہ کی حیثیت سے مانتے تھے، اور اکثریت ان کی تھی جو آپ کو اجماعی خلیفہ مانتے تھے۔ مختلف نظریات رکھنے والے آدمیوں کے اس جم غفیر سے دین کو کوئی فائدہ نہ تھا۔ جیسا کہ حالات نے پوری طرح ظاہر کر دیا۔ معاویہ کے ساتھ امام حسنؑ کی مصالحت نے اس بے یقینی کی کیفیت کو ختم کر دیا۔ اور امام حسنؑ کے ساتھ اب صرف وہی سچے مومنین رہ گئے جن کا عقیدہ دنیاوی سیاست کی قلابازیوں کے ساتھ بدلنے والا نہ تھا۔

انسان معاویہ کے دور کی اتنی تاریخ کا مطالعہ کرے تو شاید یہ سوچنے لگے کہ اسلام کا اس سے زیادہ انحطاط ناممکن تھا۔ لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کیونکہ ابھی اس ڈرامہ کا آخری پردہ نہیں اُٹھا ہے۔ اس کے منصوبوں میں سب سے زیادہ نفرت انگیز منصوبہ یزید کو اپنا جانشین مقرر کرنا تھا۔ اس اسکیم کو کامیاب بنانے کے لئے اس نے ہر ممکن تدبیر اختیار کی، چاہے وہ رشوت ہو یا زبردستی۔ چال بازی ہو یا دروغ بافی، زہر خورانی ہو یا کھلم کھلا قتل و غارت(۵۹)

---

(۵۸) میزان الاعتدال امام ذہبی ج۱ ص۳۰۵۔ تاریخ روضۃ الصفا ج۳ ص۲۴۳۔ تاریخ کامل ج۳ ص۲۰۳۔ تاریخ الخلفاء ص۱۳۲۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس منحوس جانشینی کے اعلان کے چند برسوں بعد مسلمانوں کا حکمران اپنے کو جانشین رسول کہنے والا معاویہ اپنے گلے میں صلیب لٹکائے ہوئے اس دنیا سے اٹھا اور اب یزید پوری اسلامی مملکت کا حاکم مطلق تھا جو شمال میں آذربائیجان سے جنوب میں یمن تک اور مغرب میں مصر تک، تو مشرق میں ایران تک پھیلی ہوئی تھی۔

یزید کے عقائد و اعمال

رسول کے اس نام نہاد خلیفہ کا کردار کیسا تھا؟ وہ ایک ایسا آدمی تھا جو کھلم کھلا رسول کی رسالت سے انکار کرتا تھا۔ اس نے ان چند اشعار میں اپنے عقیدہ کو صاف ظاہر کیا ہے۔

"بنی ہاشم (رسول اور ان کے خاندان والوں) نے حکومت حاصل کرنے کے لئے ایک کھیل کھیلا تھا حقیقت میں ان کے پاس نہ تو کوئی فرشتہ آیا تھا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔"

اس غلط عقیدہ میں سرشار وہ اسلام و کفر کی پوری کشمکش کو دو خاندانوں کی جنگ سمجھتا ہے اور خوشی سے پھولے نہیں سماتا کہ وہ اپنے آباء و اجداد کا قصاص رسول کے خاندان والوں سے لینے میں کامیاب ہو گیا۔

"کاش میرے اسلاف زندہ ہوتے جو جنگ بدر میں قتل کئے گئے اور دیکھتے کہ ان کے بنی الغوث (اہل بیت رسول) پر کیسے کیسے ظلم ڈھائے گئے تو وہ خوشی سے چلا اٹھتے کہ اے یزید! تیرے ہاتھ کبھی شل نہ ہوں، ہم نے ان کے سردار کو قتل کیا اور اس طرح ان سے بدر کا قصاص لے لیا ہے۔ اور میں خندف کی اولاد کہے جانے کا مستحق نہیں تھا اگر میں محمد اور ان کے خاندان والوں سے بدلہ لینے میں چوک جاتا۔" (۴۱)

---

(۴۱) محاضرات الامام راغب اصفہانی (۱) [illegible] تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۱۲۶، تاریخ خمیس ج ۲، ص ۳۰۰، تاریخ ابن الوردی ج ۱، ص ۲۲۲، تاریخ الخلفاء ص ۱۲۸ اور دوسری کتب تاریخ اسلامی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

رسول اور اسلام کے متعلق اس کے عقیدے کو ظاہر کرنے کے لئے اتنا کافی ہے۔ اب کچھ شعائر اسلام کے دوسرے ارکان کے بارے میں سنئے۔

قیامت: "اے میری محبوبہ! مرنے کے بعد پھر ملاقات ہونے کا یقین نہ کر کیونکہ مرنے کے بعد روز قیامت پھر سے زندہ ہونے کے متعلق تو نے جو کچھ سنا ہے وہ صرف ایک خیالی افسانہ ہے جو اس حقیقی دنیا کی ہر خوشی سے دل کو غافل کر دیتا ہے"

شراب اور عبادت: "تمہارے خدا نے یہ نہیں کہا ہے کہ جہنم اُن لوگوں کیلئے ہے جو شراب پیتے ہیں بلکہ اس نے کہا ہے کہ جہنم اُن لوگوں کیلئے ہے جو نماز پڑھتے ہیں"۔ (۶۲)

ان کفریات کے پس منظر میں اس کے غلط کارناموں کو بھی بتانا ضروری ہے۔

تاریخ انسانی کے سب سے بڑے المیہ سانحۂ کربلا سے قطع نظر اس نے ان گنت کام ایسے کئے جن میں سے کوئی بھی اس بات کے لئے کافی ہے کہ اس پر ہمیشہ لعنت بھیجی جائے۔

یہاں صرف دو مثالیں اس کی ان غلط کاریوں کی دے رہا ہوں جن میں وہ کامیاب نہ ہو سکا لیکن اس کی کوشش اس کے کیرکٹر کو صاف ظاہر کرتی ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ معاویہ کا نامزد ولیعہد تھا۔

سب سے پہلے اس نے رسول کی زوجہ جناب عائشہ سے شادی کرنی چاہی (۶۳) اس وقت حضرت عائشہ کا سن پچاس سال سے زیادہ تھا اس خواہش کا واحد مقصد صرف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ رسول اور قرآن کی ہتک حرمت کرنا چاہتا تھا کیونکہ قرآن نے رسول کی ازواج سے شادی کرنا مسلمانوں کیلئے حرام قرار دیا ہے۔ (۶۴) اور مسلمانوں کی توہین مقصود تھی جو ازواج رسول کو "امہات المومنین" بحکم قرآنی کہتے ہیں۔

وہ اپنی اس خواہش میں اپنے باپ کی وجہ سے باز آیا جو ایک چالاک سیاست دان تھا۔

---

(۶۲) از تاریخ عظیم، اولاد حیدر فوق صفحہ ۶۱، (۶۳) مدارج النبوۃ ج ۲ شاہ دہلوی۔ (۶۴) قرآن مجید سورہ احزاب

اور اچھی طرح جانتا تھا کہ اس شتر الٹا کرنے کی وجہ سے یزید کی خلافت کے تمام مواقع ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے۔

دوسرے اس نے اس بات کی کوشش کی کہ وہ خدا کے گھر یعنی کعبہ کی چھت پر شراب پئے۔ اس موقع پر بھی اس کے دوستوں اور مشیروں نے اسے اس ارادے سے باز رکھا۔ ۶۵

خلافت ملنے کے بعد اس نے کھل کر اسلامی عبادات کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ (جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے) اس نے کتوں اور بندروں کو مذہبی رہنماؤں کے لباس پہنائے۔ جوا بازی اور بھالوں کے ساتھ کھیلنا اس کی وقت گزاری کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ وہ اپنا سارا وقت ہر جگہ اور ہر موقع پر شراب نوشی میں بلا جھجک گزارتا تھا۔ اس کی نگاہوں میں کسی عورت کی کوئی حرمت نہ تھی یہاں تک کہ محرمات یعنی ماں، بہنیں، پھوپھیاں، بھتیجیاں، لڑکیاں وغیرہ بھی اس کی نظر میں عام عورتوں کی طرح تھیں۔ (۶۶)

مدینہ کی غارت گری

اس نے مدینہ پر فوج کشی کی۔ اور رسول خدا کا یہ مقدس شہر آزاد لوٹا گیا۔ تین سو کنواری لڑکیاں (دوسری عورتوں کے علاوہ) ان کی عصمت دری کا نشانہ بنیں۔ تین سو قاریان قرآن اور سات سو صحابۂ رسول بے رحمی کے ساتھ شہید کر دیئے گئے۔ رسول کی مقدس مسجد کئی دنوں تک بند رہی۔ اور یزید کی فوج نے اسے اصطبل کے طور پر استعمال کیا۔ کتوں نے آ کے اپنی جائے پناہ بنایا جن کی گندگی سے رسول کا پاک منبر بھی نہ بچ سکا۔ (۶۷) آخر کار فوج کے سپہ سالار نے مدینہ کے لوگوں کو مجبور

(۶۵) ذبح عظیم ص۳۰۸ (۶۶) تاریخ الخلفاء سیوطی، صواعق محرقہ ابن حجر مکی، علامہ محمد رضا زیر بحث ص۲۱۲
(۶۷) تاریخ ابوالفداء ص۱۹۱ تذکرہ خواص الامۃ سبط ابن جوزی۔
تاریخ روضۃ الصفا جلد ۳ ص۱۶۱۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

کیا کہ وہ یزید کی بیعت ان الفاظ میں کریں کہ ہم یزید کے غلام ہیں اور یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ چاہے تو ہمیں ہماری آزادی واپس دے۔ چاہے تو ہمیں غلاموں کی منڈی میں بیچ دے۔ جن لوگوں نے اس بات پر بیعت کرنی چاہی کہ یزید قرآن اور احادیث رسولؐ کی پیروی کرے گا، انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا (۱۸) یہاں پر یہ بتانا بیجا نہ ہوگا کہ رسولؐ کی حدیث ہے کہ

جس نے مدینہ کے لوگوں کو ڈرایا اس پر خدا کی دائمی لعنت ہے۔ (۱۹)

مکہ کا محاصرہ

اس کے بعد یزید کے حکم سے فوج مکہ روانہ ہوئی۔ وہاں لوگوں نے خدا کے مقدس شہر کو قلعہ بند کرلیا۔ یہ فوج شہر میں داخل نہیں ہو سکی اس لئے انہوں نے منجنیق کا استعمال کیا۔ اور اس کی مدد سے کعبہ کو پتھروں اور جلتی لکڑیوں کا نشانہ بنایا۔ کسوہ یعنی غلاف کعبہ نذر آتش ہو گیا۔ اور مقدس کعبہ کا ایک حصہ زمین پر آ گرا۔ (۲۰)

اس طرح ہم اس دور تک آ پہنچے ہیں جہاں ہر اسلامی چیز ———
اصول دین سے مقدس عبادات تک، خانگی زندگی سے سماجی نظام تک حملہ ہو رہا تھا۔ اور انہیں برباد کیا جا رہا تھا۔

کس کے ذریعہ ——— ؟

یزید کے ذریعہ ——— جسے ان کا نگہبان و محافظ فرض کیا جاتا تھا۔

اور سب سے اہم معاملہ یہ تھا کہ ان بدعتوں میں سے کچھ چیزیں یقیناً اسلامی سمجھ کر

---

(۱۸) ایضاً، انوار النعمانیہ، تذکرہ خواص الامۃ، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۱۶۳ (۱۹) الرد علی التعصب ابن جوزی بحوالہ تذکرہ خواص الامۃ، تاریخ طبری، تاریخ روضۃ الصفا ج ۳ ص ۱۶۴
بحوالہ مختصر فوائد محمد مکی۔

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جزو اسلام بنا دی جاتیں، کیونکہ پچھلے پچاس برسوں میں لوگوں کو اس بات کا عادی بنا دیا گیا تھا کہ حاکم جو کام کرے اسے اسلام کا معیارِ حقیقی سمجھ لیا جائے۔ آج اسلام کا کہیں پتہ نہ ہوتا اگر امام حسنؑ نے اسی ذہنیت پر بریک نہ لگایا ہوتا، اور امام حسین علیہ السلام نکل کر سر پر آئے ہوئے حکومت (یعنی یزید) کے مقابلہ کے لئے سامنے نہ آگئے ہوتے۔

امام حسینؑ کے مصائب

کسی دوسرے شخص میں نہ تو اتنی ہمت تھی اور نہ کسی کو اسلام سے اتنی محبت تھی، نہ اسلام کے متعلق کسی پر اتنی ذمہ داری عائد ہوتی تھی جتنی امام حسینؑ پر تھی۔ حسینؑ رسولؐ کے نواسے تھے، علیؑ و فاطمہؑ کے لختِ جگر تھے اور امام حسنؑ کے چھوٹے بھائی تھے۔ وہ ان سب کے وارث اور جانشین تھے۔ اسلام وہ دین تھا جو ان کے نانا لیکر آئے تھے اور قائم کیا تھا۔ شروع ہی سے یہ خاندان اسلام کا بے لوث محافظ رہا۔ اسلام کے لئے اس خاندان والے ہر قربانی دے سکتے تھے۔ اور رہا جو کچھ ان کے پاس تھا یہاں تک کہ اپنی اور اپنے پیاروں کی جان تک اسلام کیلئے قربان کر چکے تھے۔

امام حسینؑ تو اس کے عادی تھے کہ اسلام کی قربان گاہ پر ہر چیز نثار کر دی جائے۔ انھوں نے اسلام کو خطرہ میں دیکھا اور اس کی حفاظت کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ سب سے بہتر موقع ہے کہ اسلام کیلئے ایک موثر ترین اور آخری قربانی پیش کر دی جائے تاکہ اسلام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہر خطرہ سے آزاد ہو جائے۔ اس لئے آپ اپنے کچھ منتخب رشتہ داروں اور صحابیوں کے ساتھ جن کی تعداد عورتوں اور بچوں سمیت ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ ہوگی کربلا آئے۔ دنیا جانتی ہے کہ کربلا میں کیا ہوا؟ اور کس طرح امام حسینؑ اور ان کے اصحاب اور ان کے اقرباء نے جن میں چھ مہینہ کا معصوم بچہ بھی شامل ہے، ۱۰ محرم الحرام ۶۱ھ کو جام شہادت نوش فرمایا؟ کس طرح انھوں نے ۷ محرم سے ۱۰ محرم تک بھوک اور پیاس کی شدت جھیلی؟ کس طرح ان کے خیموں کو

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

جلا دیا گیا اور ان کے اثاث البیت کو لوٹا گیا؟ کس طرح ان کے اہل حرم کو جن میں عورتیں ایک بیمار بیٹا اور کئی چھوٹے چھوٹے بچے تھے اسیر کیا گیا؟ اور کس طرح کوفہ اور دمشق میں ابن زیاد اور یزید کے درباروں میں پیش کیا گیا؟ کس طرح انھوں نے ایک سال تک قید کی اذیت برداشت کی اور کیسے اس کے بعد رہا ہوئے؟ یہ سب حقیقتیں بالکل آشکار ہیں۔ اور ہم یہاں ان کا تذکرہ کرنا نہیں چاہتا۔

امام حسینؑ نے امامت و سلطنت
کی علیحدگی کو آخری شکل دیدی

امام حسین علیہ السلام شہید کر دیئے گئے۔ بظاہر یزید فاتح رہا۔ لیکن صرف بظاہر۔ دراصل حسینؑ ہی تھے جو فاتح رہے۔ اور انھوں نے اپنی کامیابی کی داستان کربلا کے ریگ زار پر اپنے پاک خون سے لکھی۔ ان کی اس کامیابی کے کئی رخ تھے لیکن یہاں مجھے صرف ایک کا تذکرہ کرنا ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے دیکھا ہے یزید مسلم حکومت کا حکمران تھا۔ اور سابق کے تین خلفاء کے قائم کردہ اصول کے مطابق اس کا ہر عمل اسلام کا معیار اور مذہب کا حقیقی ترجمان سمجھا جانا چاہئے تھا۔

امام حسین علیہ السلام کے پاس ایسی کوئی سیاسی سند نہ تھی۔ لیکن وہی واحد شخصیت ایسی تھی جو یزید (سربراہ حکومت بادشاہ) کے مقابل میں آئے۔ اور ان کو باغی نہ کہا جا سکے کیونکہ ان کو خدا اور رسول کی طرف سے ہر وہ سند حاصل تھی جو ان کے بڑے بھائی امام حسنؑ کو ملی تھی۔ اور رسول مقبول کی اس حدیث نے کہ "حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں"(1) اس بات کو ظاہر کر دیا تھا کہ

(1) ذخائر العقبیٰ امام الحرمین، مسند امام احمد بن حنبل، صحیح بخاری، سنن ابن ماجہ، مستدرک، المطالب، حبیب اللہ امرتسری، صحیح ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۹۳، اسد الغابہ ابن اثیر۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

حسینؑ کا ہر کام بذات خود رسولؐ کا کام ہے

اس لئے جب لوگوں کو سانحۂ کربلا کا علم ہوا تو ان کا دل کسی طرح اس بات کو ماننے پر آمادہ نہ ہو سکا کہ حسینؑ غلطی پر ہوں گے کیونکہ حسینؑ کو غلطی پر کہنا رسول اللہؐ کو غلطی پر کہنے کے مترادف تھا۔ اس لئے یزید ساری اسلامی دنیا میں ہدف لعنت و ملامت بنا۔

اس طرح مذہب اور سیاست کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کا سلسلہ جو امام حسنؑ سے شروع ہوا شہادت امام حسینؑ پر آ کر مکمل ہوا یہ ایک مسلسل کڑی تھی۔ امام حسنؑ کی صلح اور امام حسینؑ کی جنگ ایک دوسرے کا جزو لازم ہیں۔ اور ایک کو دوسرے سے الگ کر کے صحیح طریقے سے سمجھنا ناممکن ہے۔

حدیث میں ہے کہ امام حسنؑ کے جسم کا بالائی حصہ اور امام حسینؑ کے جسم کا حصہ زیریں رسول اکرمؐ سے مشابہ تھا شاید قدرت نے بس اسی کو علامت قرار دیا تھا کہ رسولؐ کا صحیح اور پورا مذہب جاننے کے لئے ان دونوں نواسوں کی زندگی کا ایک ساتھ مطالعہ ضروری ہے۔ ان دونوں بھائیوں نے مل کر اسلام کو ہمیشہ کیلئے حکمرانوں کی من مانی حرکات سے آزاد کرا دیا۔

امام حسینؑ نے عوام کے سوچنے اور سمجھنے کی رو کو صحیح رخ پر موڑ دیا۔ حسینؑ کی شہادت کے بعد سے سیاسی طاقت کا مطلب مذہبی اقتدار نہیں رہا۔ کربلا کے بعد دنیاوی حکمرانوں کا یہ منصب نہ رہا کہ وہ اس کا اہل اسلامی قانون بن جائے۔ کوئی بھی شخص اجماع یا ما تر وگی کے ذریعہ بادشاہ ہو سکتا ہے کوئی بھی شخص قہر و ظلم کے ذریعہ تخت حکومت پر بیٹھ سکتا ہے لیکن عوام کا حاکم بن جانا اور ہے۔ مذہب کا رہنما بننا چیزے دیگر ہے۔ اول الذکر کا سرچشمہ عوام ہیں اور آخر الذکر کا منبع خدا کی طرف سے ہے۔ امام حسینؑ نے بالآخر اسلامی دنیا کی آنکھ ہمیشہ کے لئے کھول دی۔

امام حسن اور امام حسین علیہما السلام نے اسلام کو بادشاہوں کی غلامی سے نجات دلائی اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسے انحطاط و زوال سے بچا لیا۔ بادشاہ آتے رہیں گے اور جاتے رہیں گے لیکن اسلام ہمیشہ باقی رہے گا۔ اور اسلام کے ساتھ امام حسنؑ اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

امام حسین علیہ السلام کے مقدس نام بھی ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ

حضرت ابراہیمؑ منصب رسالت پر فائز ہو چکے ہیں خلت کا خلعت بھی رسالت کی زینت
بن چکا ہے اور دامن کی وسعت کو دیکھتے ہوئے فیاض ازل نے فضل و شرف کے موتی لٹائے ہیں
جو پھر قدرت ان کو ایک اہم منزلت عطا کرنا چاہتی ہے لیکن اس سلسلے میں ان کو ایک عجیب و غریب
تجربے سے گذرنا پڑتا ہے وہ مسلسل سہ روز خواب دیکھتے ہیں کہ میں اپنے اکلوتے فرزند کو خدا کی راہ میں
ذبح کر رہا ہوں تیسرے دن کے واقعات کی تصویر کشی قرآن کے پردے پر ان الفاظ میں کی گئی ہے
فلما بلغ معه السعي قال يا بني اني ارى في المنام اني اذبحك فانظر ماذا ترى قال يا ابت
افعل ما تؤمر ستجدني ان شاء الله من الصابرين (سورۂ صافات آیۃ ۱۰۲) جب اسماعیل
باپ کے ساتھ چلنے پھرنے لگے تو ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے کہا کہ بیٹا میں برابر خواب دیکھ رہا ہوں
میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں پس غور کرو تمہاری کیا رائے ہے اسماعیل نے جواب دیا کہ ابا جان آپ
جو حکم دیا جا رہا ہے اس کی تعمیل کیجئے آپ مجھے انشاء اللہ صابروں میں پائیں گے اس گفتگو سے صاف
پتہ چل جاتا ہے کہ باپ بیٹے راہ وفا میں کیسے ثابت قدم اور تعمیل حکم الٰہی میں کیسے مستقل مزاج
تھے قرآن مجید بتا رہا ہے کہ فلما اسلما وتله للجبين وناديناه ان يا ابراهيم قد
صدقت الرؤيا انا كذلك نجزي المحسنين (صافات آیۃ ۱۰۳-۱۰۵) جب دونوں
باپ بیٹے حکم خدا کے سامنے سرنگوں ہو گئے اور ابراہیمؑ نے اسماعیل کو منہ کے بل لٹایا اور چھری
پھیری تو ہم نے ان کو منادی کی کہ اے ابراہیمؑ تم نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو یونہی بدلہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

دیتے ہیں ابراہیم نے آنکھ کھولی۔ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ اسماعیل تو الگ کھڑے مسکرا رہے ہیں اور ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ ابراہیم روح فرسا تخیلات میں الجھ گئے۔ اگر میں اپنے بیٹے کو خاک و خون میں تڑپتا دیکھتا اور حکم خدا کے سامنے صابر و شاکر رہتا تو میرا مرتبہ بارگاہ الٰہی میں کتنا بلند ہو جاتا۔ افسوس کہ میں ان بلندیوں تک نہیں پہنچ سکا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ یہ قربانی بارگاہ خداوندی کے لائق نہ بھی تھی ہو اور رد کر دی گئی ہو اس وقت قرآن میں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ فرمان باری نے ان کی دستگیری کی ان ھذا لھو البلٰؤا المبین ہ وفدینٰہ بذبح عظیم (صافات آیت ۱۰۶-۱۰۷) اے ابراہیم یہ تو ایک کھلا ہوا امتحان تھا اور تم اس میں کامیاب ٹھہرے اور ہم نے اس کا فدیہ ذبح عظیم کو قرار دیا۔

بہت سی تفسیروں میں اس ذبح عظیم سے وہی دنبہ مراد لیا گیا ہے جو حضرت اسمٰعیل کے عوض ذبح ہو گیا تھا۔ (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۵۳، معالم التنزیل صفحہ ۳، در منثور جلد ۵ صفحہ ۲۸۲) شیعوں کی تفاسیر میں تفسیر صافی میں بھی تفسیر قمی کے حوالے سے ایک روایت اس مضمون کی نقل کی گئی ہے فلما عزم علی ذبحہ فداہ اللہ بذبح عظیم بکبش املح وکان یرتع قبل ذالک فی ریاض الجنۃ اربعین عاما وما خرج من رحم انثی وانما قال اللہ تعالیٰ لہ کن فکان لیفدی بہ اسمٰعیل فکل ما یذبح بمنی فھو فدیۃ لاسمٰعیل الی یوم القیامۃ ۔ جب ابراہیم نے اسماعیل کے ذبح کا ارادہ کیا تو خدا نے ان کا فدیہ ایک "ذبح عظیم" یعنی ایک خوشنما دنبہ کو قرار دیا وہ اس کے قبل چالیس سال سے جنت میں چرا کرتا تھا اور وہ کسی مادہ کے پیٹ سے باہر نہیں آیا تھا بلکہ اسماعیل کا فدیہ قرار دینے کی غرض سے خدا نے اسے اپنے ارادہ وامر سے پیدا کر دیا۔ پس جتنے جانور منیٰ میں ذبح کیے جائیں گے وہ سب اسماعیل کا فدیہ ہیں۔ اسی تفسیر میں اسی مضمون پر مشتمل کئی روایتیں درج ہیں مگر مولانا فرمان علی صاحب مرحوم و مغفور نے اپنے ترجمہ قرآن میں اس آیت کے ذیل میں یہ لکھا ہے کہ اگرچہ مفسرین نے ذبح عظیم سے بہشتی موٹا تازہ دنبہ مراد لیا ہے۔ مگر یہ بالکل عقل کے خلاف ہے کیونکہ اگرچہ وہ دنبہ بہشت کا ہو اور کیسا ہی موٹا تازہ ہو مگر ابھی

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی بہ نسبت اس کا عظیم ہونا بالکل محال ہے میرے ذہن میں تو ذبح عظیم سے امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت کے سوا دوسری چیز مراد نہیں معلوم ہوتی اسی وجہ سے جناب رسالت مآبؐ فرمایا کرتے تھے حسین منی وانا من الحسین حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں ارشد ترجمہ قرآن از مولانا فرمان علی صاحب) مولانا موصوف نے اپنی تحریر میں مفسرین سے اختلاف کیا ہے اور میں بکمال ادب واحترام موصوف سے اختلاف کی جسارت کرتا ہوں۔ اس امر کے لئے شاہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ قرآن کے آیات کی ظاہری تفسیر کچھ اور ہوتی ہے اور باطنی تاویل کچھ اور یہ بات تمام اسلامی فرقوں میں مسلم ہے کہ قرآن سات حرفوں یعنی سات سات معنی کے ساتھ نازل ہوا ہے جیسا کہ جناب جابر سے مروی ہے کہ!۔

سئلت ابا جعفرؑ عن شیء من تفسیر القرآن فاجابنی ثم سئلته ثانیا فاجابنی بجواب آخر فقلت جعلت فداک کنت اجبت فی هذه المسئلة بجواب غیر هذا قبل الیوم فقال لی یا جابر ان للقرآن بطنا وللبطن بطن وظهر وللظهر ظهر یا جابر ولیس شیء ابعد من عقول الرجال من تفسیر القرآن ان الآیة لیکون اولها فی شیء واخرها فی شیء وهو کلام متصل ینصرف علی وجوه ۔

(تفسیر صافی مقدمہ رابعہ) میں نے امام محمد باقرؑ سے کسی آیت کی تفسیر پوچھی پس آپ نے مجھے بتا دیا پھر میں نے دوبارہ دریافت کیا تو آپ نے پہلے جواب سے مختلف جواب دیا پس میں نے عرض کی کہ میں آپ پر فدا ہو جاؤں آج سے پہلے آپ نے اس سوال کا دوسرا جواب عطا فرمایا تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے جابر قرآن کا ایک باطن ہے اور اس باطن کیلئے بھی ایک باطن ہے۔ اور ایک ظاہر ہے اور ظاہر کے لئے ایک ظاہر ہے۔ اے جابر تفسیر قرآن سے زیادہ کوئی شئی لوگوں کی عقل سے دور نہیں ہے کیونکہ اکثر آیت کا ابتدائی حصہ کسی ایک کے بارے میں ہوتا ہے اور آخری حصہ کسی دوسری شئی کے بارے میں ہوتا ہے حالانکہ ظاہر میں وہ کلام بالکل مربوط ہوتا ہے اور مختلف معانی اس سے مراد لئے جاتے ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ امام نے کتنی وضاحت سے اس کی تشریح

Presented By: https://jafrilibrary.com

رادی کہ قرآن کے معنی مختلف ہوتے ہیں اور ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنے کا یہ منشا نہیں ہے کہ طنی تاویل سے انکار کر دیا جائے اور نہ باطنی مفہوم کے ماننے کا یہ مقصد ہے کہ ظاہری تفسیر کی تردید کر دی جائے اسی لئے امام رضاؑ نے ایک صحابی سے فرمایا تھا کہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو ظاہر ین کا انکار کرتے ہیں۔ اس تمہید کے بعد میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب روایتوں میں ذبح عظیم کی تفسیر ن میں دنبہ سے بھی کی گئی ہے جو اس وقت حضرت اسماعیل کے عوض ذبح ہوا تھا تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اس ظاہری تفسیر سے انکار کر بیٹھیں محض یہ امر کہ باطنی تاویل کے لحاظ سے ذبح عظیم سے شہادت حسینؑ مراد ہے اس انکار کا جواز نہیں بن سکتا جب کہ روایتوں اور اصول مذہب کی بنا پر ہم دونوں پر ایمان لانے اور اعتقاد رکھنے کے بدرجہ مساوی مکلف ہیں خود مولانا موصوف رحمہ اللہ نے اس حاشیہ کے ذرا پہلے اسی اصول پر عمل کیا ہے چنانچہ انی اری فی المنام کے ذیل میں تاویل فرماتے ہیں کہ یاد آوری کہ تم اپنے امتحان میں پورے اترے اس وقت تو ہی شتی دنبہ کو قربانی دیدیا اور ہم نے اس کا فدیہ ایک بڑی قربانی قرار دی ہے ترجمہ مقبول صفحہ
خط کشیدہ الفاظ قابل لحاظ ہیں آمنا تو مجھے بھی تسلیم ہے کہ اس دنبہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے جتنی وجہیں بیان کی گئی ہیں ان میں سے ایک دلیل بھی ایسی نہیں ہے جس سے حضرت اسماعیل کے مقابلہ میں اس کی عظمت ثابت ہو سکے مثال کے طور پر حسب ذیل توجیہیں ملاحظہ ہوں۔

نمبر۱۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ وہ ذبح کر دیا گیا اس لئے عظیم ہو گیا لیکن میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ محض ذبح ہو جانے سے وہ ذبح عظیم کیونکر بن گیا۔

نمبر۲۔ کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ اس کی عظمت تو اس حیثیت سے ہے کہ خدا نے اُسے فرزند ابراہیمؑ کے بدلے قبول کر لیا لیکن اس دلیل سے صاف ظاہر ہے کہ اس کی عظمت محض اسماعیل کا فدیہ بن جانے پر منحصر تھی اس لیے وہ اسمٰعیل سے افضل نہیں ہو سکتا۔

نمبر۳۔ یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ چونکہ وہ خدا کی طرف سے آیا تھا اس لئے عظیم ٹھہرا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

اب سوال یہ ہے کہ اگر خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی اور خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے دنبہ میں سے کسی ایک کو عظیم کہنا ہو تو آپ کس کو عظمت کا تاج پہنائیں گے۔

نمبر ۴۔ یہی سوال ان لوگوں سے بھی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وہ ہابیل کا دنبہ تھا جو جنت میں زندہ تھا اور اس وقت فدیہ اسماعیل بننے کے لئے بھیج دیا گیا تھا۔

نمبر ۵۔ اس بیان کو بہت اہمیت حاصل ہے کہ وہ جنت میں چالیس سال چر چکا تھا اور خوب موٹا تازہ ہو گیا تھا اس لئے اسے عظیم کہا گیا ہے۔ اگر قربانی کا مقصد یہ ہے کہ خدا اس گوشت و خون کو اپنے مصرف میں لائے تو بجا ہے حضرت اسماعیل کے مقابلے میں وہ ڈیل ڈول والا دنبہ بے شک عظیم کہا جا سکتا ہے لیکن اگر ایسا نہیں ہے بلکہ لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها ولکن یناله التقوی منکم (سورۃ حج) وہاں صرف دل کا تقوی اور قلب کا خلوص دیکھا جاتا ہے تو ظاہر ہے کہ اکلوتے بیٹے کے ذبح میں جتنا خلوص و تقوی کا ظاہر ہوتا ہے اس کا عشر عشیر بھی دنبہ کے ذبح میں نہیں ظاہر ہو سکتا۔ پھر بیٹا بھی وہ بیٹا جو ننانوے برس کی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا اور بشرناہ بغلام حلیم کا مصداق ہوا اور نور رسالت مآبؐ کا حامل ہو۔ حاصل کلام یہ ہے کہ جہاں تک حضرت اسماعیل کے مقابلہ میں عظمت کا سوال ہے میں مولانا فرمان علی اعلی اللہ مقامہ کے اس قول سے بالکل متفق ہوں کہ اگرچہ وہ دنبہ جنت کا ہو اور کیسا ہی موٹا تازہ ہو مگر نبی کی بہ نسبت اس کا عظیم ہونا بالکل محال ہے۔ لیکن آئیے اس مسئلے پر دوسرے زاویہ سے نگاہ ڈالیں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ان روایتوں میں جن میں دنبہ کو ذبح عظیم کہا گیا ہے حضرت اسمٰعیل کے مقابلے کا کوئی سوال ہی نہ ہو۔ اور یہ تقابل محض ہمارے ذہن کی پیداوار ہو۔ کیا عظیم سے اعظم من اسمٰعیل ہی مراد لینا ضروری ہے۔ کیا عظیم فی نفسہ یا اعظم من جمیع الحیوانات مراد لینا خلاف فصاحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان تمام روایتوں میں حضرت اسمٰعیل سے تقابل کا شائبہ بھی نہیں پایا جاتا بلکہ وہ صرف دنبہ کی فی نفسہ عظمت

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو ظاہر کرنے پر اکتفا کرتی ہیں اور یہ بتاتی ہیں کہ وہ دنبہ بغیر ماں باپ کے توسط کے محض حکم خدا وندی سے پیدا ہوا اور چالیس برس تک بہشت میں چرا اور اسے خدا نے محض اس غرض سے پیدا کیا کہ وہ حضرت اسماعیل کی جان بچانے کے مصرف میں آئے اس لحاظ سے وہ تمام جانوروں سے امتیاز رکھتا ہے اور اسی لئے اُسے عظیم کہا گیا ہے یہ تو ظاہری تفسیر تھی اور باطنی تفسیر کے لحاظ سے اس ذبح عظیم سے یقیناً امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ مراد ہے۔ علامہ عبداللہ یوسف علی نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن میں اس آیت کے متعلق جو حاشیہ لکھا ہے اس میں بھی اس امر کا اعتراف کیا ہے ان کی عبارت کا ترجمہ بخوف طول نظر انداز کرتا ہوں۔ اسی طرح مولانا فرمان علی صاحب نے جو کچھ اس سلسلہ میں لکھا ہے اسے میں اوپر نقل کر چکا ہوں ہمارے ذاکرین کرام بھی جب یہ دیکھتے ہیں کہ ذبح عظیم سے شہادت حسینؑ مراد ہے تو مزید غور و خوض سے بے نیاز ہو کر فوراً یہ ترجمہ کر بیٹھتے ہیں کہ ہم نے اسماعیل کا فدیہ ذبح حسینؑ کو قرار دیا اور اس ترجمہ کی بنیاد پر ساری مجلس تعمیر کر لی جاتی ہے اور فضائل و مصائب کے ایسے ایسے گوشے پیدا کیے جاتے ہیں کہ سنگدل سے سنگدل انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ حالانکہ اس ترجمہ میں صرف اتنی بات صحیح ہے کہ ذبح عظیم سے ذبح حسینؑ مراد ہے مگر اس بنا پر یہ کہنا کہ ہم نے اُسے ذبح اسماعیل کا فدیہ قرار دے دیا تاویل القول بما لا یرضیٰ بالقائل کی بہترین مثال ہے۔ اس ترجمہ پر پہلا اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ فدیہ ہمیشہ مفدیٰ عنہ (جس کا فدیہ دیا جائے) سے کم قیمت و کم قدر ہوتا ہے عاقلوں کا یہ شیوہ نہیں ہے کہ وہ کم قیمت شئی کے بچانے کے لئے کسی بیش قیمت چیز کو نثار کر دیں اور یہاں ذبح کا فدیہ ذبح عظیم کو یا آپ کے الفاظ میں اسماعیل کا فدیہ امام حسینؑ کو قرار دیا گیا ہے جو کسی طرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ آئمہ معصومینؑ حضرت ختمی مرتبت کے علاوہ تمام انبیاء سے اجماعاً افضل ہیں لہذا یہ ترجمہ قطعاً غلط ہے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے صلب میں اس وقت جناب رسالتمآب اور جناب سیدہ نیز تمام آئمہ معصومینؑ جن میں خود امام حسینؑ بھی شامل ہیں ودیعت تھے اور حضرت اسماعیل کا اس وقت ذبح ہو جانا تمام ودیعتوں کے ضائع ہو جانے کا سبب ہوتا اس لئے امام حسینؑ محض اسماعیل

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا فدیہ نہ بننے پائے بلکہ پورے سلسلہ کا فدیہ قرار پائے ہیں کے ایک جز وہ تو ہیں تھے اور جملہ کل پر فدا کر دینے میں کوئی عقلی قباحت نہیں ہے۔ مولوی ذیشان علی صاحب نے جو اپنے حاشیہ میں یہ لکھا ہے کہ اسی وجہ سے جناب رسالت مآب فرمایا کرتے تھے حسینؑ منی وانا من الحسین حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں، اس کا مقصد بھی غالباً یہی ہے اور انھوں نے اسی جواب کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ ایسے جوابات سے رونق مجلس تو خوب ہو جاتی ہے لیکن اصل مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

بالفرض ہم اس سوال سے قطع نظر کر لیں پھر بھی یہ بات تشنہ رہ جاتی ہے کہ جب علم و ذبح کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسماعیلؑ کے خلوص و استقامت کا کامل اظہار ہو چکا تھا اسماعیل کی جان بھی بچ چکی تھی تو پھر فدیہ پیش کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ علاوہ بریں یہ سوچنا چاہیے کہ امام حسینؑ کی شہادت واقعہ اسمٰعیل کے پہلے مقدر ہو چکی تھی اور مختلف مظاہر نے مختلف مواقع پر اس کا اظہار بھی کر دیا تھا چنانچہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ اور خود حضرت ابراہیمؑ کو اس واقعہ کے پہلے تمام واقعات کربلا بتائے جا چکے تھے پھر ان باتوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا کہ حضرت اسماعیل کے ذبح کے فدیہ میں امام حسینؑ کی شہادت مقرر کی گئی تھی کون سی حقیقت پسندی ہے۔ اب میں ناظرین کو دیر تک حالت انتظار میں رکھنا نہیں چاہتا بلکہ وہی روایت پیش کر دیتا ہوں جس کی رو سے شہادت حسینؑ ذبح عظیم کا مصداق قرار دی جاتی ہے اور واقعہ اس کا مصداق ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس روایت کا منشا کیا ہے اور لوگوں نے اسے کیا بنا لیا ہے۔

عن الفضل قال سمعت الرضاؑ یقول لما امر الله تعالیٰ ابراهیم علیه السلام ان یذبح مکان ابنه اسمٰعیل الکبش الذی انزله علیه تمنی ابراهیمؑ ان یکون قد ذبح ابنه اسمٰعیل بیده وانه لم یؤمر بذبح الکبش مکانه لیرجع الی قلبه ما یرجع الی قلب الوالد الذی یذبح اعز ولده بیده فیستحق بذلک ارفع درجات اهل الثواب علی المصائب فاوحی الله عزوجل الیه یا ابراهیم من احب خلقی الیک قال یا رب ما خلقت خلقا هو احب الی من حبیبک محمد

Presented By: https://jafrilibrary.com

صلی اللہ علیہ وآلہ فاوحی عزوجل الیہ یا ابراہیم ھو احب الیک او نفسک قال بل ھو احب الی من نفسی قال فولدہ احب الیک او ولدک قال بل ولدہ قال فذبح ولدہ ظلما علی ایدی اعدائہ اوجع لقلبک او ذبح ولدک بیدک فی طاعتی قال یا رب بل ذبحہ علی ایدی اعدائہ اوجع لقلبی قال یا ابراہیم ان طائفۃ تزعم انہا من امۃ محمدؐ ستقتل الحسینؑ ابنہ من بعدہ ظلما وعدوانا کما یذبح الکبش ویستوجبون بذالک سخطی فجزع ابراہیمؑ لذالک فتوجع قلبہ واقبل یبکی فاوحی اللہ تعالی الیہ یا ابراہیم قد فدیت جزعک علی ابنک اسماعیل لو ذبحتہ بیدک بجزعک علی الحسینؑ وقتلہ واوجبت لک ارفع درجات اہل الثواب علی المصائب وذلک قول اللہ عزوجل وفدیناہ بذبح عظیم (تفسیر صافی و بحار الانوار) فضل نے بیان کیا کہ میں نے امام رضا علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب خدا نے ابراہیم کو حکم دیا کہ اپنے بیٹے اسمٰعیل کے عوض اس دنبہ کو ذبح کریں جو بھیجا گیا تھا تو ابراہیم کو یہ حسرت ہوئی کہ کاش مجھے دنبہ کے ذبح کا حکم نہ ملتا بلکہ اپنے ہاتھ سے اسماعیل ہی کو ذبح کرتا تاکہ مجھے وہ صدمہ ہوتا جو عزیز ترین فرزند کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے سے باپ کو ہو سکتا ہے اور میں اس طرح مصیبت زدوں کے ثواب کے بلند ترین درجات کا مستحق ہو جاتا پس خدا نے وحی کی کہ اے ابراہیم میری مخلوقات میں تم کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے ابراہیم نے جواب دیا کہ پروردگارا تیری تمام مخلوقات میں مجھے تیرے حبیب محمدؐ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں ہے پس وحی ہوئی کہ وہ تمہیں زیادہ محبوب ہے یا اپنی ذات محبوب ہے کہا کہ وہ مجھے اپنی ذات سے زیادہ عزیز ہیں سوال کیا کہ پس ان کا بیٹا تمہیں محبوب ہے یا اپنا فرزند ابراہیمؑ نے جواب دیا کہ ان کا فرزند زیادہ پیارا ہے اس وقت خداوند عالم نے دریافت کیا کہ ان کے فرزند کا ظلم و ستم اٹھا کر دشمنوں کے ہاتھوں سے ذبح ہونا تمہارے دل کو زیادہ دکھ پہونچائے گا یا اپنے فرزند کا

میری اطاعت تو مرا اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ تکلیف دہ ہوگا ابراہیم نے کہا اللہ کے فرزند کا دشمنوں
کے ہاتھ سے ذبح ہونا میرے دل کو زیادہ صدمہ پہونچائے گا تب خدا نے بتایا کہ اے ابراہیم ایک گروہ
کا گمان یہ ہوگا کہ وہ امت محمدیہ سے ہیں اور وہ محمدؐ کے بعد ان کے فرزند کو ظلم و سرکشی سے اس طرح
شہید کریں گے جیسے گوسفند ذبح کیا جاتا ہے اور وہ لوگ اس فعل سے میرے عذاب کے مستحق بن
جائیں گے۔ یہ واقعہ سنکر ابراہیمؑ بے تاب ہو گئے ان کا دل رنجیدہ ہوا اور وہ رونے لگے اس
وقت خداوند عالم نے وحی کی کہ اے ابراہیم اگر تم اسمٰعیل کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرتے تو اس صورت
میں تمہیں جو صدمہ ہوتا اس کا فدیہ میں نے تمہاری اس بے تابی کو قرار دیا جو تمہیں حسینؑ اور ان کے قتل کی وجہ
سے ہوئی ہے اور میں نے تمہارے لئے اہل مصیبت کے ثواب کی بلند ترین منزل عطا کی اور یہی
مقصد ہے اس قول خداوندی کا کہ وفدیناہ بذبح عظیم۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس روایت میں کیا کہا گیا ہے اس حدیث کو پڑھئے اور اس تشریح
پر غور کیجئے کہ خدا نے ذبح اسمٰعیل کا فدیہ ذبح حسینؑ کو قرار دیا ہے ببیں تفاوت رہ از کجاست تا
بکجا۔ علامہ مجلسیؒ نے اس حدیث کو تحریر فرمانے کے بعد تشریح بھی فرمائی ہے اور سب سے پہلے
وہی فدیہ کی کمتری اور حسینؑ کی عظمت والا اعتراض لکھکر وہ جواب بھی نقل کیا ہے جو میں لکھ چکا ہوں
مگر اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ اقول لیس فی الخبر انہ فدی اسمعیل بالحسینؑ بل
فیہ انہ فدی جزع ابراھیم علی اسمعیل بجزعہ علی الحسینؑ (بحار الانوار) اس
روایت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ خدا نے حسینؑ کو اسماعیل کا فدیہ قرار دیا ہے اس لئے اس شبہ والے
اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ اس میں یہ ہے کہ خداوند عالم نے ابراہیمؑ کی اس بے قراری کا
فدیہ جو اسمٰعیل کی وجہ سے ہوتی حسینؑ پر گریہ و بے قراری کو قرار دیا پھر فرماتے ہیں۔

وظاھر ان الفداء علی ھذا لیس علی معناہ بل المراد التعویض ولما
کان اسفہ علی ما فات منہ من ثواب الجزع علی ابنہ عوضہ اللہ بما ھو
اجل واشرف واکثر ثوابا وھو الجزع علی الحسین والحاصل ان شھادۃ الحسین

Presented By: https://jafrilibrary.com

علاوہ اور کچھ نہیں ہے بقول شاعر:

بپایان آمد این دفتر حکایت ہمچنان باقی
بصد دفتر نشاید گفت حسب الحال مشتاقی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

علاوہ اور کچھ نہیں ہے بقول شاعر۔

بپایان آمد این دفتر حکایت ہمچنان باقی
بصد دفتر نشاید گفت حسب الحال مشتاقی

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ذبحِ عظیم

ارشادِ ربانی "وَفَدَیْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ" کے متعلق جتنی غلط فہمیاں مسلمانوں کے تمام فرقوں میں پھیلی ہوئی ہیں کوئی دوسری آیت شاید ہی اتنی الجھنوں کا شکار رہی ہو۔ الجواد کے سال رواں کے محرم نمبر کے لئے میں نے اسی آیہ کریمہ کو سرنامہ قرار دے کر ایک مقالہ تحریر کیا ہے اس مقالہ میں عقل و نقل، روایت اور درایت کی روشنی میں اس آیت کے تمام پہلوؤں پر تشریحی تبصرہ کرتے ہوئے اس امر کو واضح کر دیا ہے کہ امام حسینؑ کی شان اس سے اجل و ارفع ہے کہ وہ حضرت اسماعیل کا فدیہ بنیں علامہ مجلسیؒ کی تاویل کے مطابق سید الشہداء علت فدیہ ہیں خود فدیہ نہیں ہیں۔ اس آیت کا مفہوم علامہ موصوف کے نزدیک یہ ہے کہ ہم نے ذبح عظیم کے سبب اسماعیل کو فدیہ دے کر بچا لیا یعنی چونکہ نسل اسماعیل میں سید الشہداءؑ کا ظہور ہونے والا تھا اور اسمٰعیل کے ذبح ہو جانے سے اس نور کے منصہ شہود پر آنے کا ذریعہ منقطع ہو جاتا اسلئے خدا نے حضرت اسماعیل کو بچا لیا اور ان کے عوض دنبہ ذبح ہو گیا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ حضرت اسماعیل کے بعد بہت سے خون ناحق ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل کے بہت سے انبیاء ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے "وَیَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِیَاءَ بِغَیْرِ حَقٍّ" اس کا قرآنی ثبوت ہے پھر کیا وجہ ہے کہ صرف امام حسینؑ کو اس آیت کا مصداق سمجھا جائے جبکہ آیت کے الفاظ

Presented By: https://jafrilibrary.com

پر غور کرنے سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ یہاں "نفس" "خون ناحق" یا فی سبیل اللہ قتل ہونا مراد نہیں ہے بلکہ قتل کی وہ خاص صورت مراد ہے جس کو ذبح کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان شہید انبیائے کرام کے متعلق کوئی ایسی سند نہیں پیش کی جا سکتی جس سے یہ معلوم ہو کہ وہ ذبح ہوئے تھے صرف ایک حضرت یحییٰؑ اس معیار پر پورے اترتے ہیں اور اس حد تک امام حسینؑ سے وہ مشابہ بھی ہیں کہ ان کا سر بھی طشت میں رکھ کر دربار سلطانی میں پیش کیا گیا تھا۔ لیکن ادوار ان کے متعلق واقعات شہادت حسینؑ کے واقعات کے پاسنگ بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ ان کے لئے یہ الفاظ عظیم ہوں۔ دوسرے یہ کہ علامہ مجلسیؒ کے اقوال سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذبح عظیم نسل اسماعیل میں واقع ہوگا بنی اسرائیل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا ورنہ اس کی حفاظت کے لئے اسمٰعیل کو بچانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اس لئے حضرت یحییٰؑ بہرحال اس کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ آیئے اب دیکھیں کہ نسل اسماعیل میں کونسا قتل ایسا ہوا ہے جسے ذبح عظیم بھی کہا جا سکے اور اس کی عظمت بھی مسلم الثبوت ہو۔ حضرت اسماعیل کے سلسلہ نسب میں بہت آگے بڑھ کر ہمیں حضرت عبداللہ ابن عبدالمطلب کا واقعہ نظر آتا ہے جو راہ خدا میں ذبح ہونے والے تھے اور حضرت عبدالمطلب اپنی نذر پوری کرنے کے لئے ان کو ذبح کرنے پر بالکل آمادہ تھے مگر حضرت عبداللہ کی والدہ ماجدہ اور ان کے میکے والوں نے مخالفت اور مزاحمت کی اور آخر کار فدیہ کا سوال اٹھایا گیا۔ دس اونٹوں سے قرعہ اندازی شروع ہوئی اور ہر بار حضرت عبداللہ کا نام قربانی کے لئے نکلتا رہا یہاں تک کہ جب سو اونٹوں اور حضرت عبداللہ کے مابین قرعہ ڈالا گیا تو ان اونٹوں کی قربانی پر قرعہ نکلا اور حضرت عبداللہ اس طرح عین وقت پر ذبح ہونے سے بچ گئے جس طرح حضرت اسماعیل بچ گئے تھے۔ اس واقعہ کی وجہ سے شریعت اسلام نے قتل خطا کی دیت سو اونٹ مقرر کی ہے۔

بہرحال حضرت اسماعیل اور ان کے بعد حضرت عبداللہ یہ دونوں حضرات ذبح ہونے کے لئے بالکل آمادہ ہو گئے تھے مگر قدرت نے انہیں بہت سے مصالح کی بنا پر بچا لیا۔ اسی لئے رسالتمآب فرمایا کرتے تھے "انا ابن الذبیحین" "میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں" اب

Presented By: https://jafrilibrary.com

واقعہ کے بعد نسل اسماعیل میں اگر کوئی واقعہ ایسا ہوا ہے جسے ذبح عظیم کہا جا سکے اور جو اس لفظ کا مصداق حقیقی ہو تو وہ امام حسینؑ کی شہادت عظمیٰ ہے یہ حکمت الٰہی قابل غور ہے کہ باوجودیکہ امام حسینؑ کے جسم اقدس پر اتنی کثرت سے کاری زخم لگ چکے تھے کہ معمولی حالت میں ایسی صدمات کی وجہ سے روح قفس عنصری سے پرواز کر جاتی لیکن امام حسینؑ کے جسم و جان کا رشتہ اُس وقت تک منقطع نہیں ہوا جب تک کہ اس پیشین گوئی سے حرف بحرف مطابقت نہ ہوئی یہاں تک کہ شمر ملعون نے وہ بے ادبانہ سلوک کیا جس کی وجہ سے ارض و سما میں تلاطم برپا ہو گیا۔ اور جبرئیل امین نے مابین ہوا آواز فریاد بلند کی الا قد قتل الحسین بکربلا آگاہ ہو جاؤ کہ حسینؑ کربلا میں ذبح کر دیئے گئے بہرکیف میں اس مضمون میں ذبح اسمٰعیل اور شہادت حسینؑ کے واقعات کا سرسری طور سے موازنہ کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ خداوند عالم نے شہادت حسینؑ کو ذبح عظیم کے معزز و ممتاز و عظیم بالشان خطاب سے کیوں سرفراز فرمایا ہے اور یہ کہ واقعات شہادت و حالات ذبح امام حسینؑ کو اس خطاب کا مستحق حقیقی ظاہر کرتے ہیں یا نہیں میں یہ جانتا ہوں کہ اگر کوئی صاحب قلم اس موضوع پر بالتفصیل لکھنا چاہے تو سیکڑوں دفاتر سیاہ کرنے کے بعد بھی یہی کہہ کر اعتراف عجز کرنے پر مجبور ہو جائے گا:

بپایاں آمد این دفتر حکایت ہمچناں باقی
بصد دفتر نشاید گفت حسب الحال مشتاقی

لیکن اس کے باوجود میں نے خامہ فرسائی کی جرأت کی ہے۔ سمجھتا ہوں کہ اگر میری تحریر سے ذبح عظیم کے متعلق حقائق کا کما حقہ اظہار نہ ہو سکا تو کیا ہوگا۔ کم از کم میری جرأت والہانہ کا ایک تحریری ثبوت تو فراہم ہو جائے گا۔ بہرحال میں اس مضمون کو انہیں عنوانات تک محدود رکھوں گا جو حضرت اسمٰعیل اور امام حسینؑ میں بلحاظ نام ہی سہی مشترک ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اطمینان قلب، دل فراغ خاطر کے اسباب جس قدر کم ہوتے جائیں گے اذیت روحانی اور تکلیف جسمانی کے شدائد جس قدر زیادہ ہوتے جائیں گے اسی قدر ذبح کی عظمت بڑھتی جائے گی۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

ذبح بجائے خود ایک عظیم ترین اذیت ہے اور اس کے علاوہ دوسری اذیتوں کا اضافہ اس کی عظمت کو بلند سے بلند تر کرتا جائے گا۔ آیئے ہم اس نظریہ کی روشنی میں دونوں حادثوں پر ازاول تا آخر ایک اجمالی نگاہ ڈال لیں۔

(۱) **علت ذبح**:- حضرت اسمٰعیل خدا کے حکم سے ذبح کئے جارہے تھے جس کا ان کو علم بھی تھا "افعل ما تؤمر" ہے دعوی پر گواہ ہے کہ انھوں نے خود اجازت بھی دے دی تھی اس لئے ان کا قتل ظلم پر مبنی نہ تھا اور نہ انھیں مظلوم کہا جاسکتا ہے اس کے برخلاف امام حسینؑ کی شہادت وہ ظلم عظیم تھی جس کی مثال ابتدائے آفرینش سے قیامت تک نہیں مل سکتی۔ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیل کو خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے ذبح کرنے والے تھے اور "انا کذلک نجزی المحسنین" سے ان کو سند قبول بھی مل گئی۔ اس کے مقابلہ میں قاتلین حسینؑ یزید کا تقرب حاصل کرنے کیلئے حسینؑ کے خشک گلے پر خنجر چلا رہے تھے ان کو کوئی پرواہ نہیں تھی کہ ہم اس جرم کے ارتکاب سے عذاب الیم اور سخط عظیم کے مستوجب ہو جائیں گے۔ انھوں نے حسینؑ کو ذبح کر دیا خدا کی ناراضی مول لی رسول کا جگر چاک کیا سیدہ کے دل کو زخمی کیا۔ اسلام کی بنیاد میں رخنہ ڈالا۔ انسانیت کے چہرہ کو داغدار کر دیا تہذیب تمدن کے پرزے اڑا دیئے آدمیت کو رسوا کر ڈالا اور ملائکہ کے خیال "اتجعل فیہا من یفسد فیہا و یسفک الدماء" پر خون ناحق بہا کر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

(۲) **ذابح**:- حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے والے ان کے پدر بزرگوار تھے جنکی شفقت و محبت کے اظہار کے لئے ان کی انسانیت کا طرۂ ابوت و خلت سے قطع نظر کرتے ہوئے اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت اسمٰعیل ان کی ۹۰ برس کی دعاؤں کا واحد ثمرہ تھے حضرت اسماعیل اس وقت تک ان کے اکلوتے فرزند تھے انہی سے ان کی ساری تمنائیں وابستہ تھیں۔ عصائے پیری تھے تو وہی۔ نور بصارت تھے تو وہی۔ قوت قلب تھے تو وہی اور حاصل زندگی تھے تو وہی۔ ایسی صورت میں حضرت ابراہیمؑ چھری پھیرنے میں جس نرمی

Presented By: https://jafrilibrary.com

وشفقت سے کام لینا تھا اسے ہر صاحب دل سمجھ سکتا ہے۔ اس کے برخلاف حسینؑ کو ذبح کرنے والے وہ لوگ تھے جن کے دلوں میں رحم وشفقت کی جگہ قساوت وشقاوت آنکھوں میں لحاظ و مروت کی جگہ بے غیرتی و بے حیائی اور زبانوں میں نرمی و ملاطفت کے بجائے سختی و درشتی گویا بلوجہ اتم تھی وہ عقل سے جاہل تھے اور بے آبرو تھے، دشمن اخلاق تھے ان کی نگاہوں میں انسانیت کا مفہوم سیم وزر کی چمک دمک میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور اسی چمک دمک سے ان کی نگاہیں اتنی خیرہ ہو چکی تھیں کہ ان کو ششماہہ بچے کو ہدف پیکاں بنانے میں بھی کوئی باک نہ تھا ایسے سخت سرشت سنگ نہاد اور سخت اخلاق لوگوں سے کسی رحم و مروت کی توقع نرم ترین الفاظ میں حماقت و بے خبری سے تعبیر کی جا سکتی ہے۔ واقعات شاہد ہیں کہ انھوں نے حسینؑ کو صرف ذبح کرنے پر اکتفا نہیں کی بلکہ انسانی دماغ جتنی اذیت رسانیوں کا تصور کر سکتا ہے اُن سب کو انھوں نے عملی جامہ پہنا دیا۔ ظاہر ہے کہ اس حیثیت سے بھی عظمت ذبح حسینؑ ہی کے حصہ میں آتی ہے۔

(۳) **آلۂ ذبح**، حکم شریعت یہ ہے کہ ذبح کرنے سے پہلے آلۂ ذبح کو خوب تیز کر لیا جائے تاکہ مذبوح کو کم سے کم اذیت پہونچے۔ اس کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ کی وہ شفقت پدری جس کا ذکر تذکرہ ہو چکا ہے اس کی قوی ضمانت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے چھری کو تیز کر لیا ہوگا لیکن کربلا میں جہاں دوسرے اصول اخلاق وانسانیت طاق نسیاں کی زینت بنائے گئے تھے اسی طرح امامؑ کو ذبح کرنے کے لئے جو خنجر استعمال کیا گیا تھا وہ اس قدر کند تھا کہ بروایت مشہور بارہ ضربتوں میں سر اقدس جسم اطہر سے جدا ہو سکا اسکے علاوہ دوسرا پہلو حسینؑ کی عظمت کا یہ ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اگر ذبح ہو جاتے تو ان کے ذبح میں ایک ہی حربہ استعمال کیا جاتا اور ایک ہی زخم ان کے بدن پر لگتا لیکن حسینؑ کے قتل کرنے کیلئے کون سا حربہ تھا جو سیکڑوں بار استعمال نہیں کیا گیا۔ تلواریں، نیزے، تیر، پیکان، گرز، خنجر، پتھر، جلتی ہوئی لکڑیاں، طعن و تعریض مختصر یہ کہ جسم و روح کو زخمی کرنے کے لئے جتنے آلے ہوسکتے

تک ایجاد ہو چکے تھے وہ سب کے سب حسینؑ کے لیے استعمال کیے گئے اور اتنی کثرت سے کہ امامؑ کا جسم اقدس زخموں سے چور چور ہو گیا تھا اور بروایت مشہور انیس سو یا ہزار زخم صرف سامنے کے حصے پر لگے تھے۔

(۴) **طریقۂ ذبح**: حضرت اسمٰعیلؑ کے متعلق قرآن مجید کہتا ہے کہ "وتلّه للجبين" ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو جبین کے بل لٹایا (جبین پیشانی کے دونوں اطراف کو کہتے ہیں) اسی لئے ملا محسن فیضؒ نے اس کی تشریح یوں کی ہے صرعه علی شقه۔ تفسیر صافی میں اسمٰعیلؑ کو کروٹ کے بل لٹایا "فوقع جبينه على الارض" پس ان کی پیشانی کا کنارہ زمین پر پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو اس طریقہ سے لٹایا ہوگا جیسے دنبہ کو لٹاتے ہیں تاکہ چھری حلق پر آسانی سے پھر سکے اور ذبح کرنے میں سہولت ہو لیکن امام حسینؑ کو جس طریقہ سے ذبح کیا گیا کسی زبان میں طاقت ہے کہ اسے بیان کر سکے اور کسی قلم میں اتنی قدرت ہے کہ اس کی تصویر کشی کر سکے۔ صرف اتنا اشارہ کر دینا کافی ہے کہ "الذی ذبح من القفا" آپ کا مخصوص لقب ہو کر رہ گیا ہے اور اس طریقہ سے سر گردن کی جدائی میں جتنی اذیت ہو سکتی ہے اس کا تصور بھی ناممکن ہے۔

(۵) **استقبالِ موت کی کیفیت**: حضرت اسمٰعیلؑ نے حکم ذبح کو جس میں ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے مراتب عالیہ اور مدارج اخرویہ کی ترقی بلندی مضمر تھی قبول تو کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود اسے مصیبت ہی سمجھتے تھے ورنہ "ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین" کہہ کر اپنے صبر کا اعلان نہ فرماتے جو مصیبت کے مواقع کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے مقابلہ میں امام حسینؑ اور ان کے ساتھی اس قتل و ذبح کو جو نہ تو حکم خدا سے وارد ہوا تھا اور نہ کسی قصاص وغیرہ پر مبنی تھا محض خوشنودی خدا کی خاطر اور اپنی حقانیت کی آسودگی کی بنا پر ایک رحمت سمجھ رہے تھے جیسا کہ حسب ذیل روایت اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وكان الحسين وبعض من معه من خصائصه تشرق الوانهم وتهدى

Presented By: https://jafrilibrary.com

حاکم کا حکم یہ تھا کہ پانی بشر پئیں — گھوڑے پئیں سوار پئیں اور شتر پئیں
کافر ملک نہیں تو زنم سخت کیجیو — پر فاطمہ کے لال کو پانی نہ دیجیو

حالانکہ یہ نہر اسی پیاسے کی مادر گرامی کے مہر میں حق تعالیٰ نے عطا کی تھی۔

بود نہر وام در مہر سیراب وی بکید — حاتم رقم طراز آب سلیمان کربلا

وہاں حضرت ہاجرہ نے بالوں میں کنگھی کی تھی یہاں ان گیسوؤں میں جنھیں کبھی سیدہ سنوارا کرتی تھیں ریگ صحرا اٹ گئی تھی وہاں لباس ہائے فاخرہ پہنائے گئے تھے یہاں وقت رخصت بہن سے رخت کہنہ طلب کیا جا رہا ہے تاکہ بعد قتل اس کی بوسیدگی اُسے ظالموں کی دست برد سے محفوظ رکھ سکے۔

(۷) **وقت ذبح کا ماحول**: حضرت اسمٰعیل بالکل مطمئن دل اور آسودہ خاطر کے ساتھ ذبح ہونے کے لئے گئے تھے۔ ان کے دل پر اقربا و انصار کی فرقت کے داغ نہ تھے ان کو یہ صدمہ نہ تھا کہ میں اپنے ساتھیوں کی لاشیں دفن نہ کر سکا۔ ان کو یہ خدشہ نہ تھا کہ معلوم نہیں میرے بعد میری لاش دفن ہوگی یا نہیں ان کے چاروں طرف دشمنوں کا نرغہ نہ تھا جن سے بعد قتل کسی بے حرمتی کا اندیشہ ہوتا ان کو یہ خیال نہ تھا کہ پتہ نہیں میرے اس جسم سے کیا سلوک کیا جائے گا۔ وہ ابھی کمسن تھے نہ ان کے اہل و عیال تھے نہ بیوی بچے نہ بہنیں نہ بھائی نہ ساتھی نہ رفیق وہ ان تعلقات سے ابھی بالکل بیگانہ تھے وہ مطمئن تھے باپ کے ساتھ گھر سے آئے تھے گھر میں صرف ماں تھیں جن کے متعلق اعتماد تھا کہ باپ انھیں تسلی و تشفی دینے کے لئے موجود ہیں یہ بھی یقین تھا کہ ان کی لاش عزت و احترام کے ساتھ دفن کر دی جائے گی لیکن کیا امام حسینؑ کو بھی یہی اطمینان تھا؟ کیا ان کو بھی اپنے گذشتہ حالات کے لحاظ سے ایسی ہی آسودہ خاطری نصیب تھی؟ کیا ان کو بھی اپنے بعد پیش آنے والے واقعات کی طرف سے ایسا ہی سکون قلب میسر تھا؟ ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے عزا و انصار ان کے جگر کے ٹکڑے، ان کے بازوؤں کی قوت ان کی ہمت

جوارحھم و تسکن نفوسھم (المعدیث معانی الاخبار بحوالہ بحار الانوار) حسینؑ اور انکے بعض مخصوص ساتھیوں کی یہ حالت تھی کہ جیسے جیسے مصیبت پڑتی جاتی تھی: ویسے ویسے انکا رنگ چمکتا جاتا تھا اعضاء و جوارح سے اطمینان ہویدا ہوجاتا تھا اور نفس سکون کی منزلیں طے کرتا جاتا تھا یہ تو مخصوص ساتھیوں کا ذکر ہے اگر بالعموم تمام اصحاب و اقربا کا حال دیکھنا ہو تو ایک دوسری روایت کے یہ فقرات جس میں شب عاشور کی گفتگو مندرج ہے ملاحظہ فرمائیے۔

فقال انکم تقتلون غدا کلکم ولا یفلت منکم رجل قالوا الحمد للہ الذی شرفنا بالقتل معک (خرائج بحوالہ بحار الانوار) امام نے فرمایا کہ تم سب کے سب کل قتل کر دیئے جاؤ گے اور کوئی شخص باقی نہ بچے گا سب نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں آپ کے ساتھ قتل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ اس ثبات قلب اور بشاشت قتل کی بنا پر ہم مجبور ہیں کہ حسینؑ کے واقعہ کو عظیم ہی نہیں بلکہ عظیم ترین کہیں ساری تاریخ عالم اس خصوصیت کا جواب پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۶) **مذبوح کی حالت:** شریعت کا یہ حکم ہے کہ قربانی سے پہلے ذبیح کو اچھی طرح سیر و سیراب کر دیا جائے اس کے علاوہ حضرت ابراہیمؑ خود بھی حضرت اسماعیلؑ کے لئے آخری مرتبہ دنیاوی آرام و امکانات مہیا کر دینا چاہتے تھے اس لئے ان کو گھر سے چلتے وقت اچھی طرح سیر و سیراب کر دیا تھا حضرت ہاجرہ کو حکم دیا کہ انھیں نہلا دھلا کر لباس فاخرہ پہنا دو۔ بالوں میں کنگھی کر دو۔ آنکھوں میں سرمہ لگا دو۔ الغرض حضرت اسمٰعیلؑ کو اس کا موقع ملا کہ ذبح ہونے سے پہلے آسائش و آرائش کی طرف سے مطمئن ہو جائیں مگر افسوس صد افسوس کہ ذبح نینوا اور اس کے بچے اسکے اہل حرم اسکے ساتھی اور اس کے مہمان آسائش و آرائش کا کیا ذکر کہ حیات انسانی کے بنیادی عنصر یعنی پانی تک سے محروم تھے کوفیوں نے ایسی مہمانی کی کہ تین دن تک ایک قطرہ آب کے لئے ترسایا اور خیموں سے العطش العطش کی صدا بلند ہو رہی تھیں اور ادھر

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے سہارے دم توڑ چکے تھے اور وہ انھیں ابدی نیند سونے کے لئے ایک تختہ لٹا چکے تھے اب کون جانے ان لاشوں کے ساتھ کیا سلوک ہو کون جانے میری لاش کب دفن ہو۔ ؟ وہ مسلم امامت جو بنیاد فضیلت تھا اگر گستاخی نہ ہو تو یہ کہوں کہ اس وقت سب سے بڑی اذیت کا سبب تھا ان کی نگاہیں یہ دیکھ رہی ہوں گی کہ میرے بعد خیموں میں آگ لگا دی جائے گی زینب وام کلثوم کے سروں سے چادریں چھین لی جائیں گی۔ بیمار فرزند کے گلے میں طوق خاردار پہنایا جائے گا اس قائد عالم کو ساربانی کا منصب تفویض کیا جائے گا۔ بارہ گلے ایک ریسمان میں باندھے جائیں گے میرے اہل حرم بے مقنع و چادر شتران بے کجاوہ پر شہر بشہر پھرائے جائیں گے انھیں بازار کوفہ و شام میں تماشائے عالم بنایا جائے گا۔ انھیں مجلس شراب میں پیش کیا جائے گا۔ انھیں قید خانہ میں مقید کر دیا جائے گا۔ آنسوؤں کی سزا دی جائے گی۔ نالہ نکالنے پر تیر ستم ہوتے جائیں گے ان کو ہدف ملامت بنایا جائے گا۔ ان کو سخت کلمات سنائے جائیں گے اور اس کے علاوہ اور بہتیرے مصائب ایسے ٹوٹ پڑیں گے جن کا تصور ہی ایک انتہائی مستقل مزاج انسان کو اپنے موقف سے متزلزل کر دینے کے لئے کافی ہے لیکن حسینؑ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی نہ موت سے ڈرے نہ اس کی طرف بڑھتے ہوئے جھجکے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسی صورت حال اور ایسے ماحول میں موت کا خندہ پیشانی سے استقبال کرنا صرف حسینؑ کا کام تھا۔ درحقیقت حضرت اسماعیل کے واقعات اور ماحول کو حسینؑ کے واقعات اور ماحول سے کوئی ایسی نسبت ہی نہیں ہے کہ واقعی تقابل کیا جا سکے۔

(۸) **نتیجہ وثمرۂ ذبح**۔ ان مقدمات و واقعات کے بعد اگر ہم اس امر پر غور کریں کہ نتیجہ اور فائدہ کے اعتبار سے واقعہ اسمٰعیل اور شہادت حسینؑ میں کس کو عظمت حاصل ہے تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ اسمٰعیل کا ذبح ناتمام اگر وقوع پذیر ہو جاتا تو بھی اس سے زیادہ کسی اہمیت کا حامل نہ ہوتا کہ اس کی وجہ سے ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کے ذاتی شرف و اعزاز اور خصوصیت

Presented By: https://jafrilibrary.com

وامتیاز میں بے انتہا اضافہ ہوجاتا اور بارگاہ الٰہی میں ان کی عظمت ومنزلت حد قیاس وگمان سے برتر ہوجاتی یعنی اس کے فائدہ کا حلقہ اثر صرف دو افراد تک محدود رہتا اس کے مقابلہ میں امام حسینؑ کا ذبح ایک عظیم الشان اور ہمہ گیر اثرات کا حامل ہے اس میں شک نہیں کہ اس شہادت کی وجہ سے امام حسینؑ کے درجات میں بھی اضافہ ہوا مگر یہ اس کا صرف ایک پہلو ہے دوسرے پہلو پر آپ نگاہ ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس ذبح کے مفید اثرات سے تمام انسانیت متاثر ہے اور اس کے ثمرات سے سارا عالم مستفید ہو رہا ہے۔ یہ ذبح اسلام کی روح کا فریاد پر لبیک کے مرادف تھا اسلام کا پیڑ خشکی میں ڈوبنے والا تھا حسینؑ نے اپنے خون کے دھارے میں اسے منزل کی طرف رواں دواں کر دیا۔ انسانیت کا شجر بار سموم شیطنت سے خشک ہو چلا تھا حسینؑ نے اسے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے خون جگر سے سیراب کر کے اس طرح شاداب کر دیا کہ اب تا قیامت اس کی پژمردگی کا امکان نہیں ہے۔ ذبح حسینؑ کے نتیجہ میں جو فوائد حاصل ہوئے ہیں وہ صرف حسینؑ یا آپ کے ساتھیوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ وہ ساری دنیائے انسانیت کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہیں۔

علاوہ بریں ذبح اسمٰعیل سے جس فائدہ کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ تو آمادگی ذبح ہی سے حاصل ہو گیا۔ دونوں باپ بیٹے ذبح کرنے اور ہونے پر آمادہ ہو گئے تمام مقدمات فراہم ہو گئے اور ان کے استقلال اور انقیاد و تسلیم کا کما حقہ مظاہرہ ہو گیا اور اسی لئے خداوند عالم نے آمادگی ذبح کے بعد ذبح کو منسوخ کر کے قد صدقت الرؤیا کہہ کر اس امر کا اعلان کر دیا کہ ہمیں جو کچھ مطلوب تھا وہ مل گیا۔ اب اگر واقعی ذبح کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دیتے تو یہ امر لاحاصل ہوگا۔ یعنی نگاہ باریک بین میں ذبح سے کوئی ایسا فائدہ وابستہ نہ تھا جو تکمیل ذبح ہی پر موقوف ہو۔ صاف الفاظ میں یوں کہہ دوں کہ ذبح بجائے خود بالکل بے فائدہ تھا جو کچھ فائدہ مقصود تھا وہ صرف آمادگی ذبح سے وابستہ تھا اور بس۔ اس کے مقابلہ میں کربلا کے ذبح عظیم کے فوائد اس ذبح کی تکمیل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتے تھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

اجتماعی قربانی

راہ خدا میں باہمی اشتراک و تعاون کیساتھ مصیبت جھیلنے کا عزم ، حق کی حفاظت و تبلیغ کیلئے اجتماعی حیثیت سے آرام و آسائش کو خیرباد کہہ دینے ، جان و مال کو لٹا دینے ، اور عزت و ناموس کو نثار کر دینے کا تصور دنیائے مذہب میں حضرت ابراہیم کے پہلے اجنبی سا تھا مذہبیات کی تاریخ کا نگاہ غائر سے مطالعہ کرنے پر یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ذبح اسمٰعیل کا واقعہ پہلا واقعہ تھا جس میں کسی نبی کے گھر والے اس کے مقصد کی تکمیل کیلئے اس کے اشارہ پر سربکف ہو گئے ہوں ۔ اس کے قبل جتنے انبیاء گذرے تھے ان میں سے مشہور انبیاء تین تھے ۔ (۱) حضرت آدم (۲) حضرت ادریس (۳) حضرت نوح علیہم السلام ۔ ان کے علاوہ ہم عصروں میں حضرت لوط علیہ السلام کا اسم گرامی ملتا ہے ۔

حضرت آدم کے سامنے قربانی کا تو سوال ہی نہ تھا ۔ البتہ ان کو اپنی اولاد کی تربیت میں تا بمقدور جد و جہد کرنی تھی لیکن اس منزل میں بھی وہ تقریباً تنہا تھے ۔ ان کی اولاد نے بھی ان کے ساتھ ویسا تعاون نہیں کیا جس کی اس سادہ ماحول اور ابتدائی معاشرت میں توقع کی جا سکتی تھی ۔ قابیل کی جسارت قتل اس عدم تعاون کا واضح ثبوت ہے ۔ حضرت حوا نے بھی کوئی قابل ذکر جد و جہد اور قربانی پیش نہیں کی ۔ کم از کم ہمارے پاس اس کی اطلاع کے ذرائع موجود نہیں ہیں ۔

حضرت ادریس بھی اُس صفت خوان تبلیغ میں بالکل یکہ و تنہا تھے ۔ ان کے گھر والوں کے اشتراک کا کوئی واضح یا غیر واضح ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا ۔

اب حضرت نوح کا زمانہ آیا ۔ ان کے سامنے ایک بگڑی ہوئی قوم کو سنوارنے کا

Presented By: https://jafrilibrary.com

بنی اسرائیل ہی تک محدود رہے۔

رسالت مآب صلعم کے دور اقدس میں تعاون و اشتراک کی عمارت ایک دربیہ اور بلند ہوئی اور معاونین مذہب و سرفروشان ملت میں ہم کو صرف رسول کے گھر والے ہی نہیں، صرف ان کے قبیلہ والے ہی نہیں بلکہ دوسرے قبیلے کے بھی بے شمار انسان نظر آتے ہیں۔ بنی امیہ اور بنی ثقیف کے علاوہ عرب کا شاید ہی کوئی قبیلہ بچا ہو جس کے نمائندوں نے خواہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے پھیلانے اور اس کے مستحکم کرنے کیلئے جان و مال سے تعاون نہ کیا ہو۔

لیکن میری اس تحریر کا یہ مقصد نہیں ہے کہ میں رسول کے تمام پاس بیٹھنے والوں کو معاون رسول ثابت کروں۔ یقیناً یہ میرے لیے بہت فخر کا مقام ہوتا اگر واقعات مجھے ایسا کہنے کا موقع دیتے میں تمام مذاہب عالم کے سامنے مباہات کرتا کہ دیکھو میرا رسول وہ تھا کہ اس کی صحبت سے فیض پانے والے، اس کے انوار ہدایت سے روشنی حاصل کرنے والے اور اس کے جلوۂ راہ نما کا پرتو دیکھنے والے ایسے تھے کہ ان میں سے ہر ایک شاہد حق کا پرستار بنے معرفت کا متوالا اور تحفظ کی راہ میں دنیا کی ہر شئی کو حقیر سمجھنے والا اور حکم الٰہی کے سامنے جان و مال اور عزت و آبرو کو نثار کر دینے والا بن گیا۔ لیکن میں اگر ایسا کہوں تو میرا ضمیر مجھے جھٹلائے گا۔ تاریخیں انگشت نمائی کریں گی۔ واقعات متعدد زیر لب کیسا تھ سامنے آجائیں گے۔ اور میرے منہ سوائے سر جھکا لینے کے اور کوئی چارہ کار نہ رہے گا۔

یقیناً رسول قربانیوں کی عمارت کو جہاں تک بلند کر گئے تھے اس کے بعد بھی منزل باقی تھی کہ جتنے ساتھی ہوں، جتنے رفیق ہوں وہ سب کے سب ایک نظریہ اور ایک معیار کے ہوں۔ لیکن ابھی اس منزل کی تعمیر کیلئے رسول کے بعد نصف صدی درکار تھی۔ اور کربلا کے میدان کی ضرورت تھی۔

آخر کار وہ دن بھی آگیا جب "اجتماعی قربانی" کا حقیقی اور مکمل مفہوم اپنی پوری طاقت دنیا

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جانے والا تھا۔ حسینؑ کربلا کے میدان میں آئے اور اپنے ساتھ بوڑھے، جوان، ادھیڑ، بچے، عورت، مرد، اپنے پرائے، عربی، عجمی، ہر صنف اور ہر عمر کے لوگوں کو لائے۔ باپ، بیٹے، چچا، بھتیجے، ماموں، بھانجے، بھائی، بہن، شوہر، زوجہ، اہل خاندان، اہل قبیلہ، اہل مذہب، غرض کون سا ایسا تعلق ہے جس کا ایک نہ ایک مظہر کربلا میں موجود نہ تھا۔ سب آئے اور ایک ہی سوز دروں کو سینے میں چھپائے آئے، سب آئے اور ایک ہی جذبۂ قربانی سے سرشار آئے۔ حسینؑ کے ساتھیوں نے اپنے قلوب کو کسی نامعلوم مقناطیسی کشش کے ذریعہ حسینؑ کے دل سے وابستہ کرلیا تھا اور اسی لئے حسینؑ کے دل کی ہر دھڑکن ان کے سینہ میں تلاطم برپا کر دیتی تھی۔ انھوں نے اپنی نگاہوں کو حسینؑ کی نگاہ کا آئینہ بنا لیا تھا۔ اسی لئے ان کی نگاہ کا مرکز وہی تھا جو حسینؑ کا نقطۂ نظر تھا۔ انھوں نے اپنے تخیلات کی عنان حسینؑ کے ہاتھ میں دیدی تھی اور وہی سوچتے تھے جو مطابق منشائے حسینؑ ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنے افعال و کردار حسینؑ کے افعال و کردار کے تابع کر دیئے تھے اور وہی کرتے تھے جو حسینؑ کرتے تھے۔

ابراہیم نے اسمٰعیل کو غور و فکر کا موقع دیا تھا۔ حسینؑ نے بھی اپنے ساتھیوں کے سامنے اس معرکے کے انجام کی تفصیلات پیش کر دی تھیں۔ لیکن جواب کی نوعیتیں مختلف تھیں۔ اسمٰعیل نے ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین کہہ کر اس گمان کا موقع دیا کہ وہ اس قربانی کو مصیبت سمجھتے تھے لیکن حسینؑ کے ساتھیوں کے جوابات پڑھیے تو احساس ہوگا کہ وہ اس قربانی کو نعمت عظمیٰ سمجھتے تھے۔ ان کے دل میں راہ خدا میں مرمٹنے کی امنگ تھی۔ حق پر سر کٹا دینے کا ولولہ تھا۔

اثنائے سفر میں امام حسین علیہ السلام ایک منزل پر تشریف فرما تھے کہ آپ پر غنودگی طاری ہوگئی جب بیدار ہوئے تو زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری تھا۔ حضرت علی اکبر نے سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا میں نے ایک ہاتف کو کہتے سنا ہے کہ انتم تسرعون والمنایا تسرع بکم الی الجنۃ تم جلد جلد جا رہے ہو اور موت تمھیں جنت کی طرف

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

لے جانے میں جلدی کر رہی ہے۔ حضرت علی اکبرؑ نے پوچھا یا ابت السنا علی الحق بابا جان کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا بلی یا بنی بیٹا قسم خدا کی ہم حق پر ہیں۔ جب علی اکبرؑ نے اس تیقن مزید و اطمینان ہو کے بعد جو جواب دیا ہے وہ ایک بار تو مردہ دلوں میں بھی خون شجاعت دوڑا دینے کیلئے کافی ہے یا ابت اذا لا نبالی بالموت محقین بابا جان! اب ہمیں حق پر ہوتے ہوئے مرنے کی ذرہ بھر پرواہ نہیں ہے۔

شب عاشور جب امام حسین علیہ السلام نے سب کو اپنی بیعت سے آزاد کر دیا ہے اور زہیر قین، حضرت عباسؑ، مسلم بن عوسجہ اور بہت سے دوسرے اصحاب و اقرباء نے تمام حاضرین کی وکالت کرتے ہوئے اپنے ارادۂ نصرت کے استحکام کا پُر زور الفاظ میں اعلان فرمایا ہے اس وقت آپ نے فرمایا کہ انکم تقتلون غدا کلکم ولا یفلت منکم احد۔ تم سب کے سب کل قتل کر دیئے جاؤ گے اور تم میں سے کوئی نہ بچے گا۔ اس وقت جوش مسرت و بشاشت کے ساتھ ان حضرات نے کہا ہے کہ الحمد للہ الذی شرفنا بالقتل معک اس خدا کا شکر ہے جس نے ہمیں آپ کے ساتھ قتل ہونے کا شرف عطا فرمایا۔ وہ موت کی تاریخ میں بے نظیر ہے خیر یہ تو ایک عام تذکرہ بڑوں اور سن رسیدوں کا ذکر تھا اب میں اس کمسن بچہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں جس کا سن مشکل حضرت اسمٰعیل کے برابر ہی ہوگا۔ یعنی حضرت قاسمؑ جو ابھی بمشکل تیرہ چودہ برس کے ہوں گے۔ جب شب عاشور امامؑ نے فرداً فرداً ہر ایک کو مژدۂ شہادت سنایا اور حضرت قاسمؑ کا نام عمداً نہ لیا تو ان پر بے چینی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہو گئی اور اپنے متعلق امامؑ سے دریافت فرمایا۔ امامؑ نے جواب دینے کے بجائے خود ایک سوال کیا کہ یا بنی کیف الموت عندک؟ بیٹا موت تمہارے نزدیک کیسی ہے؟ اس بچے نے جو جواب دیا ہے اس کا موازنہ حضرت اسمٰعیل کے جواب سے کیجئے۔ اس بچے نے اس سوال پر فوراً کہا کہ یا عم احلیٰ من العسل چچا جان شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ بچے کے منہ سے اس جواب کی مٹھاس اور شیرینی کا ذائقہ صاحبانِ ذوق ہی کر سکتے ہیں۔ ماننا پڑے گا کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

کربلا میں جسطرح اجتماعی قربانی کے لحاظ کی وسعت عالمگیر ہوگئی تھی اسی طرح جذبۂ قربانی کے معیار میں بھی اتنی بلندی آگئی تھی جس سے بالاتر عروج کا تصور عقلاً نا ممکن ہے۔

بہرحال اس بلند معیار اور اس عالمگیر وسعت کے ساتھ حسینؑ اور ان کے ساتھی کربلا کے میدان میں اپنی قربانیاں پیش کرنے آئے اور اس ہم آہنگی اور یکجہتی کے ساتھ سب نے اپنے قول و قرار کو پورا کیا کہ خود حسینؑ نے اس حقیقت کا اعتراف کیا۔ شب عاشور کا وہ مشہور جملہ یاد کیجئے کہ انی لا اعلم اصحابا اوفی ولا خیرا من اصحابی ولا اھل بیت ابر و اوصل من اھل بیتی فجزاکم اللہ عنی خیرا۔ بیشک میں نہیں جانتا کہ کسی کے ساتھی میرے اصحاب سے زیادہ وفا شعار اور بہتر ہوں کسی کے اہلبیت میرے اہلبیت سے زیادہ نیکوکار اور صلۂ رحم کرنیوالے رہے ہوں بس خدا انہیں میری طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔"

کیا یہ جملہ اس بات کا اعلان نہیں کرتا کہ ابتک قربانیوں کی جتنی منزلیں تعمیر ہو چکی تھیں ان میں یہ سب سے بلند منزل تھی اور واقعات بتا رہے ہیں کہ آخری منزل بھی تھی حضرت اسمٰعیل نے جس صحیفۂ قربانی کا دیباچہ میدان منیٰ میں اپنے تسلیم و رضا سے لکھا تھا اس کو خاتمہ صحرائے کربلا میں حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے اپنے خون سے تحریر کیا۔ اس ابتدا کی یہ انتہا کتنی عظیم الشان کتنی ولولہ انگیز اور کتنی اثر خیز تھی۔ زمانہ ان حقائق کو محسوس کرتا ہے اور نہ چاہتے ہوئے بھی اعتراف کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ عشق الٰہی کی راہ میں ان اجتماعی قربانیوں کے متعلق اقبالؔ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ ؎

نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

Presented By: https://jafrilibrary.com

واقعہ کربلا کی پیشین گوئیاں

قدیم کتابوں سے

جو واقعہ جتنا ہی عظیم ہوتا ہے اسی قدر لائق ذکر ہوتا ہے۔ واقعہ کربلا کی عظمت کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ نہ صرف انسانوں نے اور نہ صرف جنوں اور فرشتوں نے ہمیشہ اس کا ذکر کیا بلکہ خود خالق عالم نے مسلسل ہر زمانہ میں اس کا ذکر فرمایا۔ اور نہ صرف واقعہ کے بعد اس کا ذکر قائم رکھا بلکہ وقوع واقعہ کے قبل بھی۔ اور نہ صرف قبل وقوع واقعہ بلکہ قبل ولادت سید الشہداء بھی۔ اور نہ صرف قبل ولادت سید الشہداء بلکہ قبل خلقت آدم بھی اس کا ذکر رب العالمین نے اپنے برگزیدہ بندوں سے کیا۔ اور ان کو ان واقعات کی خبر دی۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ شہادت حسینؑ بارگاہ احدیت میں اتنی مہتم بالشان قربانی ہے جس کا بار بار تذکرہ کرنا اس کو انتہائی مرغوب اور محبوب ہے۔ ایسی صورت میں جو لوگ اس ذکر مصیبت کو تازہ رکھتے ہیں۔ وہ خدا کی منشاء کے مطابق اس کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر گامزن ہیں۔ اور اس تذکرہ کی مخالفت کرنے والا سنت خداوندی کی مخالفت کرتا ہے۔

میں اس مضمون میں مختصر طریقے سے اہل ہنود، مجوس، یہود اور نصاریٰ کی کتابوں سے صرف ان پیشین گوئیوں کو نقل کر رہا ہوں جو واقعات کربلا سے متعلق ہیں۔ اور چونکہ ان پیشین گوئیوں کی تصدیق خود واقعات نے کر دی اس لئے ان کی صداقت میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بھی قدرت الٰہیہ کا ایک نمونہ ہے کہ باوجودیکہ بعد کے آنے والوں نے ان کتابوں میں جہاں تک ممکن ہوسکا دل کھول کر تحریفیں کیں۔ ان کی صورت بالکل مسخ کر دی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اب

ان کتابوں میں حقیقت برائے نام ہی باقی رہ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ان کتابوں کو منسوخ کر کے وہ آخری کتاب خدا کو بھیجنی پڑی جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس نے لی۔ لیکن باوجود ان تمام تحریفوں کے وہ بشارتیں اور پیشین گوئیاں جو اس آخری نبی اور اس کی آل سے متعلق تھیں اپنی اصل ہیئت میں باقی رہ گئیں تاکہ اگر کوئی ان کتابوں پر بھی کھلے دل سے غور کرے تو آخری رہنما تک پہنچ جائے۔

ہندوؤں کی کتابوں میں شہادت حسینؑ کا ذکر

ہندوؤں کی ایک قدیم کتاب ہے جس کا نام بھوشیہ پران ہے۔ اس کا ترجمہ مراۃ المخلوقات کے نام سے مولوی عبدالرحمٰن صاحب چشتی نے اردو میں کیا۔ موصوف علمائے اہلسنت میں جلیل القدر بزرگ تھے اور سنسکرت سے خوب واقف تھے۔ موصوف اس کتاب کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہندوؤں کی وہ کتابیں جن میں اگلے وقتوں کا احوال لکھا ہے جو جنوں اور زمین کے رہنے والے فرشتوں کے زمانہ میں لکھی گئی ہیں۔ وہ کتابیں میں نے بہت سی پڑھیں۔ ان کتابوں میں میں نے بہت تلاش کیا تو مجھ کو ایک کتاب ملی جس میں بشست کی زبانی باتیں لکھی ہیں اور اس کے اتر کھنڈ میں پیدائش اور زندگی حضرت آدم علیہ السلام کی اور ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کی اولاد پاک کی صاف صاف بیان کی ہے۔ مہادیو نے ان باتوں کو اپنی بیوی پاربتی سے کیلاش کے پہاڑ پر بیان کیا تھا۔ وہ بشست منی پہاڑ کے نیچے عبادت میں مشغول تھے۔ چونکہ مہادیو سے بہت محبت رکھتے تھے، وہ ان باتوں کو ذرا ذرا سمجھتے جاتے تھے۔

اس کتاب میں حضرت آدمؑ کی خلقت اور ہابیل و قابیل کے واقعہ سے لیکر قیامت تک کے حالات میں حضرت خاتم النبیین صلعم کے حالات اور نام و نسب کی پوری تشریح ہے۔ حضرت عبداللہ کی بزرگی بیان کرتے ہوئے رسالتمآب صلعم کا حلیہ بھی بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مہادیو جی فرماتے ہیں۔

... ذمہ پر جا ہو ان کی قوم کے لوگ کریں گے وہ نہ کریں۔ شمر اور اپنی قوم سے کہیں گے کہ مجھ کو اس قادر وحدہ لاشریک لہ کا یہی حکم ہے کہ اس طرح کا بے معنی پوجا مت کرنا اور میں سوا اللہ کی ذات پاک کے اور کسی طرف رجوع نہیں کرتا ہوں، تم بھی تابعداری کرو، ان باتوں سے ان کی ساری قوم ان سے جدا ہو جائے گی۔

اے پارتی! مہامت دینی مجمع ساری عبادتوں کو اور اگلی شریعت کو موقوف کر کے اپنی شریعت کی راہ اس وقت کی ساری مخلوقات کو سکھلا دیں گے۔ اور یہی تلاش کریں گے کہ سارے عالم کو اپنی طرح کا کر لیں گے۔ آہستہ آہستہ بے شمار لوگ ان کے دین میں آویں گے۔ اور ان میں سے بہت لوگ اللہ تک پہونچیں گے۔ اور جس طرح کہ ہمارے مجمع میں سا لکھ یعنی سنہ لکھنے میں اسی طرح کلجگ کے زمانے کے آخر تک سنہ مہامت کے لکھیں گے۔

اے پارتی! مہامت کی بیوی سے جو بیٹا پیدا ہوگا اس بڑے قادر کے حکم سے ریگنہ قہر یعنی روح فرشتہ جس کا نام رکدور ہے ان کی جان کو نکال کر آسمان پر لے جائے گا جم یعنی روح نکالنے والے فرشتہ کا ہاتھ ان لڑکے کی جان پاک پر نہیں پہنچے گا۔ بعد اس کے وہ قادر جس کی طرح کا کوئی نہیں وہ مہامت کو ایک بیٹی دے گا جو ہزار بیٹوں سے بہتر ہوگی۔ اور نہایت خوبصورت اور بے مثال ہوگی۔ اور شرک بھی اس میں نہیں مہامت دوست ہوگی۔ کبھی اس کی زبان سے جھوٹ نہ نکلے گا۔ اور سب چھوٹے بڑے گناہ سے وہ محفوظ ہوگی۔ اور باپ کے وسیلہ سے اللہ کی نزدیکی ہو جائے گی۔

وہ بڑا قادر مہامت کی بیٹی کو دو بیٹے نیک بخت عنایت فرمائے گا۔ دونوں حسن اور جمال والے اور دونوں اللہ کے پیارے ہوں گے۔ اور بہت زور والے اور اللہ کے پہچاننے والے اور ہمت والے اور شجاعت یعنی بہادری والے اور سب نیک کاموں میں بے مثال ہوں گے۔ اور وہ قادر کہ اس کی طرح کا کوئی نہیں ہے وہ ان کے بعد کوئی بشر اس طرح کا کھلا اور چھپے کی دین والا پیدا نہیں کرے گا۔ اور وہی مہامت کے بیٹے ان کے جانشین ہوں گے

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور اس سے محبت [illegible] ہوگی۔ اور وہ [illegible] اپنی کج دلیلوں سے لوگوں کو عبادت کے دین میں داخل [illegible] کریں گے۔ اور عبادت اپنی ساری قوم سے [illegible] اپنی چوٹی سے بھی [illegible] گے۔ [illegible] عبادت کے دین میں داخل ہوں گے۔ اور کوئی کام اپنے [illegible] خوشی کے واسطے ذکر [illegible] گے۔ اور سب قول اور فعل ان کے اس بڑے قادر کی مرضی کے موافق ہوں گے۔ اور [illegible] امر کے واسطے تلاش کریں گے"

[illegible] بیان کرنے کے بعد امام حسینؑ کی شہادت [illegible] مثلاً تمرہ [illegible] اہل بیت پر بعد رسولؐ ڈھائے گئے [illegible] فرماتے ہیں۔

"[illegible] کے مرنے کے بعد چند سال گذریں گے کہ [illegible] ظلم کرکے دنیا کی خاطر ان کو [illegible] اور ان کے [illegible] ان کے دل میں عبادت کی [illegible] تمام میں عبادت [illegible] لوگ بھی ان کی ہمراہی قبول کریں گے [illegible] کام [illegible] اختیار کریں گے [illegible] نفس [illegible] عبادت کے [illegible] گے [illegible] لوگ بہت ہوں گے اور سارے جہان میں [illegible]

[illegible] علیہ السلام کے [illegible] جناب [illegible] بلکہ گوپال پوری [illegible] سے نقل کیا گیا ہے۔

مجوس کی کتاب میں واقعہ کربلا کا ذکر

زرتشت یا زردشت مجوسیوں کے پیغمبر گذرے ہیں۔ ان کے جانشین "حکیم جاماسپ" تھے یہ گشتاسپ بادشاہ کے زمانے میں تھے (یا دشاہ مذکور تھے) ان سے فرمائش کی گئی کہ آئندہ ہونے والے واقعات کو بالاختصار لکھ دیں چنانچہ انھوں نے جو کتاب لکھی وہ "جاماسپ نامہ" کے نام سے مشہور ہے اور ملا واحدی صاحب ایڈیٹر "نظام المشائخ" دہلی نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ جاماسپ فرماتے ہیں:-

"پھر فوراً ایک قران پڑے گا (یعنی چند ستارے اکٹھا ہوں گے) جس میں اولاد ہاشم سے ایک مرد بزرگ پیدا ہوگا جو قد میں میانہ ہوگا۔ اور رنگ میں گندم گوں ہوگا۔ خوبصورت، خوش کلام، سحر بیان، دعوائے نبوت کرے گا، تلوار اس کی برہان ہوگی۔ اپنے دین کی زنجیر بیعت سے لوگوں کے گلے میں ڈالے گا۔ اس کا مذہب ساتوں ولایت میں جائے گا۔ اسے صنف نازک سے بہت محبت ہوگی۔ اس کی اولاد نرینہ زندہ نہ رہے گی۔ البتہ لڑکی سے نام چلے گا۔"

اس کے بعد دین اسلام کے غلبہ کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

"اس کی وفات کے کچھ روز بعد خداوند ستیارگان برج ثور میں پہنچے گا اس کے اثر سے اس کے دین میں خلل پڑ جائے گا، اس کی اولاد قتل کی جائے گی، اس کے لواحقین کو نقصان پہنچیں گے۔"

اس کے بعد ولادت خاتم النبیینؐ کے علامات (آتش کدہ کا سرد ہو جانا۔ دریائے ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ) ذکر کرنے کے بعد پھر فرماتے ہیں۔

"اس نبی کی وفات کے بعد ستارے خانہ خاکی اور برج ثور میں جمع ہوں گے اور خداوند طالع زہرہ ہوگا اور صاحب قران زحل اور چاند آٹھویں خانہ میں، زہرہ سورج کے ساتھ گیارہویں خانہ میں مریخ ساتویں گھر میں، اس وقت اس کی قوم میں تفرقہ پڑ جائے گا۔ اور دین ملک گیری کا وسیلہ بننے لگے گا۔ لوگ اس کے داماد سے لڑیں گے اور بہت خون خرابہ

ہوگا۔ اس کے داماد کے دو بیٹے ہوں گے ایک کو زہر پلا کر مارا جائے گا۔ دوسرے کی مع اس کے بہترین ساتھیوں کے بیابان میں شہادت ہوگی۔ ان مخالفین اولاد نبیؐ اور مفسدین کا سربراہ بیحد لاغر جسم اور معمر ہوگا۔ یہ زمانہ زحل کی حکومت کا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ جو حق کی طرفداری کرے اور حق حقدار کو دلوانا چاہے وہی برباد و ہلاک ہو جائے۔

توریت میں یوم عاشور غم منانے کا حکم

حضرت موسیٰؑ کے دور سے کئی سو برس تک یہودیوں کا سال رجب سے شروع ہوتا تھا اور محرم ان کا ساتواں مہینہ پڑتا تھا۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے توریت کی کتاب احبار کے باب ۲۳ کی حسب ذیل آیتیں ملاحظہ فرمایئے۔

"پھر خداوند نے موسیٰؑ کو خطاب کرکے فرمایا۔ ساتویں مہینہ میں بھی اور اس کے دسویں روز کفارہ دینے کا دن ہوگا۔ تمہاری مقدس جماعت ہوگی۔ تم اس دن کوئی کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارے کا دن ہے کہ تم اپنے خدا کے آگے اپنے لئے کفارہ دو۔ جو کوئی انسان کہ عین اس دن میں غمگین نہ ہو جائے گا۔ اور جو انسان یعنی اس دن میں کوئی کام کرے گا میں اس انسان کو اس کی قوم میں سے فنا کر دوں گا۔ تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ یہ تمہارے سارے گھروں میں تمہارے قرنوں کیلئے قانون ابدی ہوگا۔ یہ تمہارے لئے سبت آرام کرنے کے لئے ہوگا۔ تم آپ کو غمگین بناؤ۔ تم اس مہینے کے نویں دن کی شام سے دوسری شام تک اپنے آرام کا وقت مان لیجیو۔"

غور کرنا چاہئے کہ جب قبل واقعہ کربلا ہی خدا یہودیوں تک کو یہ حکم دے رہا ہے کہ نویں محرم کی شام سے عاشور کی شام تک غم کریں۔ اور کوئی دنیاوی کام نہ کریں۔ اور جو اس دن غمگین نہ ہوگا وہ اپنی قوم سے کٹ جائے گا۔ تو اب جبکہ وہ واقعہ ظہور پذیر ہو بھی گیا۔ تو کیا امت محمدیہ پر امت موسیٰؑ سے زیادہ ذمہ داریاں عزائے حسینؑ کے سلسلے میں عاید نہیں ہو جاتی ہیں۔ اور کیا اس دن غم نہ کرنے والے اپنی قوم سے کٹ نہیں جائیں گے۔ خواہ بقول مہا دیوجی کے وہ ظاہر میں مسلمانوں کے دوست داری کیوں نہ بنتے ہوں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

پرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے اور جو سارے جہان کو دغا دیتا ہے وہ زمین پر گرا دیا گیا (مغلوب ہوا) اور اس کے فرشتے بھی اس کے ساتھ گرا دیئے گئے۔ پھر میں نے ایک بڑی آواز کو آسمان سے یہ کہتے سنا کہ اب نجات اور قدرت اور ہمارے خدا کی سلطنت آئی اور اس کے مسیح کا اختیار بھی کیونکہ ہمارے بھائیوں اور انھوں نے برہ کے لہو کے سبب (امام حسین ذبح عظیم کی شہادت کے سبب) اور اپنی گواہی کی بات (تصدیق نبوت) کے باعث اس کو جیت لیا۔ اور انھوں نے اپنی جانوں کو مرتے دم تک عزیز نہ جانا (تبلیغ دین میں شہادت پر کمربستہ ہو گئے) الی آخر الباب۔

بارہویں باب میں مزید پیشین گوئیوں کے بعد تیرہواں باب شروع ہوتا ہے جس میں بنی امیہ کا حال درج ہے۔ اس میں عبدالملک بن مروان بن الحکم (جس نے دوبارہ بنی امیہ کی سلطنت کو مستحکم کیا) کو ایک حیوان سے تشبیہ دی ہے جس کے دس سینگ اور سات سر ہیں۔ سترہویں باب میں اس کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ساتوں سر سات بادشاہ ہیں، اور وہ دس سینگ بھی دس بادشاہ ہیں، گویا سب مل کر سترہ بادشاہ ہوئے، اور وہ حیوان آٹھواں بادشاہ ہے جو ساتوں سے پیدا ہوا ہے۔ اب ملاحظہ کیجئے کہ عبدالملک کے قبل سات بادشاہ گذرے تھے اور عبدالملک کی سلطنت ان گذشتہ سلطنتوں کا نتیجہ تھی ورنہ اس کا کہیں پتہ بھی نہ چلتا، علاوہ بریں وہ ساتویں بادشاہ یعنی مروان بن الحکم سے پیدا ہوا تھا، اور خود آٹھواں بادشاہ تھا، اور مروان کے بعد عبدالملک کو ملا کر حسب ذیل دس بادشاہ ہوتے ہیں۔ عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک، سلیمان بن عبدالملک، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، ہشام بن عبدالملک، ولید بن یزید بن عبدالملک، یزید بن ولید بن عبدالملک، ابراہیم بن ولید بن عبدالملک، مروان الحمار۔ لہٰذا یہ تشبیہ اور اس کی تشریح دونوں بالکل اسی خاندان پر منطبق ہوتی ہیں۔ مزید برآں اسی تیرہویں باب کے آخر میں یہ جملہ ہے کہ "حکمت کا یہ موقع ہے جو سمجھ رکھتا ہے وہ اس حیوان کا عدد گن لے کیونکہ وہ آدمی کا عدد ہے اور اس کا عدد چھ سو چھیاسٹھ ہے" مندرجہ ذیل حساب سے واضح ہو جائے گا کہ یہ عدد بھی عبدالملک ہی کے نام کا ہے:-

Presented By: https://jafrilibrary.com

عبد ۔ الملک ۔ بن ۔ مروان ۔ بن ۔ حکم = میزان ۷۲۶
۷۶ ۱۲۱ ۵۲ ۲۹۷ ۵۲ ۱۲۸

بہرحال زیر بحث باب کے فقرات بقدر ضرورت نقل کر رہا ہوں ۔

اور میں نے ایک حیوان کو (عبدالملک کو) سمندر (دریائے کفر) میں سے نکلتے ہوئے دیکھا، اس کے دس سینگ (بعد میں آنے والے دس اموی بادشاہ) اور سات سر تھے (پہلے گذرے ہوئے بادشاہ) اور اس کی سینگوں پر دس تاج (وہ سب بادشاہ تھے) اور اس کے سروں پر کفر کے نام تھے (خدائی، افترائی اور گناہ کے واقعات لکھے ہوئے تھے) اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کی سی تھی ۔ اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا اور درندوں کے صفات رذیلہ کا جامع تھا) اور اس اژدہا نے (قریش نے) اپنی قدرت اور اپنا تخت اور بڑا اختیار اسے دیدیا اور میں نے اس کے سروں میں سے ایک پر گویا زخم کاری لگا ہوا دیکھا (یعنی خلیفۂ ثالث مارے گئے اور سلطنت بنی امیہ سے نکل گئی) مگر اس کا زخم اچھا ہو گیا (سلطنت پھر بنی امیہ میں پلٹ آئی اور معاویہ بادشاہ ہوگئے) اور ساری دنیا تعجب کرتی ہوئی اس حیوان کے پیچھے ہولی ۔ اور چونکہ اس اژدہا نے اپنا اختیار اس حیوان کو دیدیا تھا اس لئے انھوں نے اژدہا کی پرستش کی (جاہلیت کے رسوم کی طرف پلٹ گئے) اور اس حیوان کی بھی یہ کہکر پرستش کی کہ اس حیوان کی مانند کون ہے ۔ کون اس سے لڑ سکتا ہے ۔ اور بڑے بول بولنے اور کفر بکنے کے لئے اسے منہ دیا گیا (عبدالملک کے کفریات اور بنی امیہ کی بدکاریاں اور امیرالمومنینؑ پر سب و شتم مشہور چیزیں ہیں) اور اس نے خدا کی نسبت کفر بکنے کے لئے منہ کھولا کہ اس کے نام اور اس کے خیمہ یعنی آسمان کے رہنے والوں (اہل بیتؑ) کی نسبت کفر بکے اور اسے یہ اختیار دیا گیا کہ مقدسوں سے لڑے اور ان پر غالب آئے اور اسے ہر قبیلہ اور امت اور اہل زبان اور قوم پر اختیار دیا گیا ۔

اور زمین کے وہ سب رہنے والے جن کے نام اس برّہ (امام حسین علیہ السلام) کی کتاب حیات (فہرست ایمان) میں لکھے نہیں گئے جو بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہوا ہے (جس کی شہادت کی خبر شہادت کے قبل آدم سے خاتم تک ہر ایک کو دی جاتی رہی ہے اور ہر ایک برگزیدہ بندہ خدا

Presented By: https://jafrilibrary.com

بنی مروان اس پر رو رہا ہے) اس حیوان کی پرستش کریں گے۔ (وہ سب لوگ جو حسینؑ پر ایمان نہیں رکھتے عبدالملک اور بنی امیہ کی پیروی کریں گے) جس کے کان ہوں وہ سنے جس کو قید ہونے والی ہے وہ قید میں چلے گا جو کوئی تلوار سے قتل کریگا وہ ضرور تلوار سے قتل کیا جائے گا۔ مقدسوں کے صبر اور ایمان کا یہی موقع ہے"

اس کے بعد حجاج بن یوسف اور اس کے مظالم کی تفصیل بیان ہے۔ الیٰ غیر ذالک۔

ان چاروں قدیم مذاہب کی کتابوں میں شہادت حسینؑ کا ذکر عظمت اور محبت کے ساتھ اور ان کے قاتلوں کا ذکر نفرین اور دشمنی کے ساتھ آتا ہے۔ ایک خاص بات قابل غور یہ ہے کہ جہاں جہاں پیغمبر خدا کی رسالت اور بعثت کا ذکر ہے وہاں حسینؑ کی شہادت کا تذکرہ ضرور ملتا ہے۔ اور یہ ہونا ہی تھی۔ دونوں کے ارشاد کے مطابق شہادت حسینؑ ہی رسولؐ کے دین کے قیام اور استحکام کا باعث ہے۔ اور یہ شاعری نہیں بلکہ محض اظہار حقیقت ہے جس کا حق ان برگزیدگان الٰہی نے کامل طریقے سے ادا کر دیا ہے۔ کاش ان کے پیرو ان کی تعلیمات پر غور کر کے صراط مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔ اور کاش اہل اسلام شہادت حسینؑ کی عظمت کو صحیح معنوں میں پہچان لیں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

شہادتِ حسینؑ کیوں جاودانی ہو گئی

(نوٹ:۔ یہ تقریر ۱۹۸۷ء میں شب عاشور کو نیروبی کینیا ریڈیو سے نشر کی گئی)

ابتدائے آفرینش سے آج تک دنیا میں بے شمار غمناک حوادث رونما ہوئے ہیں۔ لیکن مصائب و آلام کی ان تمام داستانوں میں کربلا کے واقعات اس طرح ممتاز نظر آتے ہیں جیسے ستاروں کے جھرمٹ میں چاند۔ فطرت انسانی اس کا تقاضا کرتی ہے کہ خوشی کے تذکرے ہمیشہ ہوتے رہیں اور غم انگیز یادیں جلد از جلد صفحۂ دل سے محو کر دی جائیں۔ لیکن کربلا کے خونیں المیہ پر فطرت کے اس قانون کا کوئی بس نہ چل سکا آج تیرہ صدیوں سے زیادہ مدت گزری کہ ہر سال یہ غم اس طرح تازہ ہوتا رہتا ہے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔

یقیناً یہ بات حیرت انگیز ہے۔ لیکن اگر ہم غور کریں تو بآسانی یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ فطرت کے قوانین کی گرفت یہاں آ کر کیوں بیکار ہو جاتی ہے۔ کسی قربانی کی عظمت اور پائیداری اس کے مقصد کی عظمت اور پائیداری پر منحصر ہے۔ کچھ قربانیاں دنیاوی مقاصد کے لئے پیش کی جاتی ہیں اور ایسی قربانیاں انسان کو پستی کی طرف کھینچ لے جاتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعاً (اللہ نے زمین کی تمام چیزوں کو تمہارے لئے پیدا کیا ہے) اگر ہم ان دنیاوی چیزوں کو اپنا خادم قرار دینے کی بجائے خود اپنی زندگی کو ان کی خدمت میں فنا کر دیں تو ایسی قربانی حامل عظمت ہونے کے بجائے قابل ملامت ہو گی کیونکہ جو چیزیں ہماری خدمت کے لئے پیدا کی گئی تھیں اور ہم سے پست تھیں ہم نے اپنی زندگی کو ان سے بھی پست سمجھ لیا۔ انسان کی عظمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ دنیاوی چیزوں کو ذریعۂ زندگی سمجھے مقصدِ زندگی نہ بنائے۔ اسلامی زبان میں یہ لا الہ کی منزل ہے۔ اور یہاں پہنچ کر انسان یہ سمجھتا ہے کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ پوری کائنات اجتماعی طور پر بھی ایک انسان کی قیمت نہیں بن سکتی۔ انسان کی زندگی کا مقصد کائنات سے بلند ہونا چاہیئے اور ایسی ہستی صرف خالق کائنات کی ہے۔ لا الٰہ کے بعد یہ الا اللہ کی منزل ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیئے۔ قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین۔ مقصد یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کا اصول یہ بناؤ کہ تمہاری تمام عبادتیں اور مناسک اور حیات وموت سب کچھ اللہ کے لئے ہو جو رب العالمین ہے۔ مختصر یہ کہ تمام کائنات انسان کے لئے ہے اور انسان رب العالمین کے لئے ہے۔

یہ دنیا فانی ہے یہاں ہر چیز کو زوال ہے اگر ان فانی چیزوں کے لئے کوئی ایثار کیا جائے گا۔ کوئی قربانی پیش کی جائے گی تو وہ قربانی بھی فانی ہوگی۔ اور چند دنوں میں اس کا تذکرہ مٹ جائے گا اس کے برخلاف خالق کائنات کو فنا نہیں۔ وہ ازلی اور ابدی ہے لہذا جو قربانی اس کی راہ میں پیش کی جائے گی۔ وہ بھی بقا کا لباس پہن لے گی اور اس کا ذکر بھی ابدی ہو جائے گا۔ اس کی یاد بھی ہمیشہ دلوں میں تازہ رہے گی۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مردہ ہرگز نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں) حسین کی غم انگیز یادوں کے زندہ رہنے کا سبب یہی ہے کہ حسینؑ نے اللہ کو مقصد زندگی بنایا اور اللہ ہی کی راہ میں قربانیاں، عدیم النظیر قربانیاں پیش کیں اور اس کے صلے میں اللہ نے ذکر حسینؑ کو بھی ابدیت کا تاج پہنا دیا۔

حسینؑ نے یہ قربانی کیوں پیش کی تھی اسے تو حسین علیہ السلام کی زبانی سنئے۔ مدینہ سے روانگی کے وقت اپنے بھائی محمد حنفیہ کو جو وصیت نامہ امامؑ نے لکھ کر دیا تھا اس کے چند فقرات یہ ہیں کہ:۔

"میں کبر و نخوت کی وجہ سے یا دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے کے لئے مدینہ نہیں چھوڑ رہا ہوں بلکہ خلق خدا کے حالات کو درست کرنے کے لئے نکل رہا ہوں تاکہ اچھی باتوں کا حکم

Presented By: https://jafrilibrary.com

دوں اور برے کاموں سے لوگوں کو باز رکھوں اور اپنے نانا رسول خدا اور اپنے پدر بزرگوار امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ کی سیرت پر قائم رہوں۔

اس واقعہ کی ابتدا ۶۰ھ میں ہوئی جبکہ ماہ رجب میں یزید تخت سلطنت پر بیٹھا یزید کی تخت نشینی انسانیت اور اسلام کے لئے زہر ہلاہل تھی تمام مورخین متفق ہیں کہ یزید کی سیرت کا کوئی پہلو اصولِ انسانیت اور احکام اسلامی سے میل نہیں کھاتا ہے نہ اللہ پر ایمان تھا نہ رسول اللہ پر اعتقاد تھا۔ وہ قیامت کا منکر تھا نماز اور نمازیوں کا مضحکہ اڑاتا تھا۔ سر دربار شراب کے دور چلتے رہتے تھے۔ شطرنج اور جوا اس کے لئے واجبات میں سے تھے۔ سوتیلی مائیں، بہنیں اس کے لئے حلال تھیں وہ تین سال بادشاہ رہا اور اس مختصر سے وقفے میں اس نے پہلے سال کربلا میں رسولؐ کے خاندان کو تہ تیغ کر کے شقاوت قلب اور درندہ صفتی کے وہ مظاہرے کیے جن کو چشم فلک نے کبھی نہیں دیکھا تھا اور جن کی یاد آج ہم آپ منا رہے ہیں۔ دوسرے سال مدینہ منورہ پر حملہ کرا کے اہل مدینہ کی جان و مال عزت و آبرو اپنے فوجیوں کے لئے مباح کر دی۔ سینکڑوں صحابہ رسول اور حافظان قرآن تہ تیغ ہو گئے۔ مسجد نبوی میں تین دن تک نماز نہ ہو سکی کیونکہ اسے یزید کے فوجی اصطبل کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ ہزاروں عورتوں کی عزت برباد کی گئی اور اہل مدینہ کو اس بیعت پر مجبور کیا گیا کہ ہم یزید کے غلام ہیں۔ وہ چاہے تو ہمیں بیچ دے چاہے تو آزاد کر دے۔ تیسرے سال مکہ معظمہ پر حملہ کر کے شہر کا محاصرہ کیا گیا منجنیق سے خانہ کعبہ پر آگ برسائی گئی ابھی یہ محاصرہ جاری ہی تھا کہ یزید دمشق میں مر گیا۔

یہ تھا یزید کی سیرت کا ایک ہلکا سا خاکہ اگر زمانہ کا انقلاب اور حالات کی نیرنگی تو دیکھئے کہ ایسا شخص اور حسینؑ سے بیعت طلب کرے!

حسینؑ کون تھے؟ علیؑ اور زہراؑ کے جگر بند اور قرآن کے الفاظ میں رسول اسلام کے فرزند وہ گناہوں سے دور اور طہارت نفس و عمل کی بلند ترین منزل پر فائز تھے۔ ان کی محبت اور مودت مسلمانوں کے لئے فرض عین قرار دی گئی تھی۔ رسول کی حدیثوں کے مطابق حسینؑ

Presented By: https://jafrilibrary.com

رسولؐ سے تھے اور رسولؐ حسینؑ سے تھے۔ دوسرے الفاظ میں حسینؑ کا ہر قول رسولؐ کا قول اور حسینؑ کا ہر عمل رسولؐ کا عمل تھا۔ یزید کو حسینؑ سے بیعت لینے کی فکر اسی لئے تھی۔ کہ وہ سمجھتا تھا، کہ اگر حسینؑ اس کی بیعت کرلیں گے تو اس کے ہر عقیدہ اور عمل پر رسولؐ اسلام کی مہر تصدیق ثبت ہو جائے گی۔ حسینؑ بھی اس کو خوب سمجھتے تھے۔ انھوں نے بیعت سے انکار کیا۔ اور اس کے نتیجے میں مصیبتوں کے جو پہاڑ ان پر توڑے گئے ان کو کمال استقلال اور ثبات عزم کے ساتھ ہنسی خوشی برداشت کرلیا۔

مدینہ چھوڑنا پڑا۔ نانا کے روضہ، ماں کی لحد اور بھائی کے مزار سے الگ ہوئے۔ مکہ میں آکر پناہ لی وہاں بھی پناہ نہ مل سکی کیونکہ یزید نے تیس آدمی حاجیوں کے بھیس میں بھیجے تھے۔ کہ اگر طواف کے عالم میں بھی حسینؑ کو پاؤ تو قتل کر دو۔ مجبوراً حسینؑ نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ حج سے ایک دن پہلے مکہ چھوڑا۔ عراق کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں یزید کی فوج سد راہ ہوئی یہ فوج ایک ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ جب یہ لوگ امامؑ کے قافلہ تک پہنچے تو سب کے سب پیاس سے جاں بلب تھے۔ سواروں کی حالت شدت تشنگی سے غیر تھی۔ گھوڑے زبانیں باہر نکالے تھے۔ یہ دشمن کا لشکر تھا۔ لیکن صاحب خلق عظیم کے فرزند کو گوارا نہ ہوا کہ انھیں پیاس سے مرنے دیں۔ آپ نے صرف سواروں کو نہیں بلکہ جانوروں کو بھی سیراب کرنے کا حکم دیا اور خود بہ نفس نفیس اس کا اہتمام فرمایا۔

دشمن کی اسی فوج کے ساتھ امامؑ ۲ محرم کو کربلا پہنچے۔ یہاں یزید کے گورنر ابن زیاد کی بھیجی ہوئی فوجیں پے در پے پہنچنے لگیں اور چند دنوں میں کم از کم تیس ہزار کا لشکر ان چند مظلوموں کا خون بہانے کے لئے اکٹھا ہو گیا۔ جن میں بوڑھے بچے عورت مرد مل کر سو ڈیڑھ سو سے زیادہ نہ تھے حسینؑ کے خیمے تو پہلے ہی سے دریا سے دور ہٹا دیئے گئے تھے ساتویں محرم سے ان پر مکمل بندش آب کر دی گئی۔ آٹھویں محرم سے حسینؑ کے بچوں کی العطش العطش کی آوازیں دشت کربلا میں گونجنے لگیں لیکن وہ حسینؑ جنھوں نے دشمنوں کو بھی سیراب کر دیا تھا آج اپنے بچوں اور ساتھیوں کی پیاس بجھانے پر قادر نہ تھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

نویں محرم آئی۔ دوپہر کے بعد یزیدیوں کے سپہ سالار عمر بن سعد نے حسینی قافلہ پر حملہ کرنے کے لئے فوج آگے بڑھائی۔ امام حسین علیہ السلام نے عبادت الٰہی کے لئے جنگ میں ایک شب کا وقفہ چاہا۔ عاشورہ کی شب آئی۔ حسینی خیموں میں تلاوت قرآن تھی، دعائیں تھیں، مناجاتیں تھیں اور نمازیں تھیں۔ واقعہ نگاروں نے لکھا ہے لھم دوی کدوی النحل ان کی مناجاتیں اور دعائیں اس طرح گونج رہی تھیں جیسے شہد کی مکھیوں کی آوازیں ہوں۔

ان عبادتوں کے درمیان امام حسین علیہ السلام نے تمام اصحاب و اقارب کو جمع کرکے ایک خطبہ پڑھا جس کا ماحصل یہ تھا کہ یزیدیوں کو میرے علاوہ دوسرے سے کوئی پرخاش نہیں ہے۔ اس لئے تم لوگ اپنی جانیں نہ گنواؤ۔ میں اپنی بیعت تم سے ہٹالیتا ہوں جس کا جہاں جی چاہے چلا جائے۔ طرح طرح سے امام نے ان کو سمجھایا کہ کسی صورت سے وہ لوگ امام کو چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں یہاں تک کہ آخر میں چراغ بھی گل کر دیا۔ اور کہا کہ اب اس اندھیرے میں جس کا جی چاہے با اطمینان چلا جائے۔ اس کے جواب میں مجمع سے ایک شور گریہ بلند ہوا مختلف حضرات نے مختلف طرح امام کو اپنی وفاداری اور جاں نثاری کا یقین دلایا۔ الفاظ مختلف تھے آوازیں مختلف تھیں لیکن مقصد سب کا یہی تھا کہ مولا! یہ تو ایک مرتبہ کا مارا جانا ہے اور پھر سعادت ابدی ہے اور ہم ہیں اگر ہم ستر مرتبہ قتل کئے جائیں ہماری لاشیں جلا دی جائیں راکھ ہوا میں اڑا دی جائے اور پھر زندہ ہوں تو آپ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں گے۔

امام نے اصحاب و اقارب کو قتل کی آزادی عطا کرکے وہی فریضہ انجام دیا جو ابراہیم خلیل اللہ نے اسمٰعیل سے مشورہ لے کر انجام دیا تھا۔ ابراہیم اپنے فرزند کو بتائے بغیر ان کو قربان کر سکتے تھے لیکن ایسی حالت میں وہ تنہا ابراہیم کا کارنامہ ہوتا اسمٰعیل کا اس میں کوئی حصہ نہ ہوتا۔ ابراہیم نے اپنے بیٹے سے رائے لے کر اور بیٹے نے ذبح پر آمادگی ظاہر کرکے اسے خلیل و ذبیح کا مشترکہ شاہکار بنا دیا۔ بعینہ اسی طرح امام حسین علیہ السلام نے اپنی طرف سے سب کو چلے جانے کی اجازت دے کر اور اصحاب نے آزادانہ طور پر اپنی جانوں کو نثار کرکے

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا عزم ظاہر کر کے کربلا کے شاہکار کو ایثار، قربانی، ضبطِ نفس اور استقامت علی الحق کا ایک مشترکہ شاہکار بنا دیا۔ اسی لئے اقبالؔ نے کہا ہے۔ ؎

نہایت اس کی حسینؑ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

صبح عاشور محرم تھی قیامت کی سحر۔ عمر سعد نے پہلا تیر چلا کر جنگ کی ابتدا کی۔ پہلے حسینؑ کے اصحاب نے جانیں نثار کیں۔ زوال آفتاب کے بعد بنی ہاشم (یا زیادہ صحیح لفظوں میں ابی طالب) کی باری آئی۔ عقیل کی نسل دنیا سے مٹ گئی۔ زینبؑ کے لال خون میں لال ہو گئے۔ قاسمؑ کی لاش گھوڑوں سے پامال ہوئی۔ علیؑ کے فرزندوں نے دادِ شجاعت دی۔ بچوں کے لئے پانی لانے کی کوشش میں عباسؑ کے دونوں ہاتھ قطع ہوئے اور علیؑ کا شیر فرات کی ترائی پر قبضہ کر کے سو گیا۔ شبیہ رسولؐ علی اکبرؑ میدان میں آئے۔ علیؑ کی شجاعت کا نقشہ نگاہوں میں پھر گیا۔ آخر سینے پر برچھی لگی اور رسولؐ کی پارہ پارہ تصویر خون میں آلودہ ہو کر کربلا کی خاک میں مل گئی۔

اب علی اصغرؑ نے باپ کے استغاثہ کی آواز سن کر اپنے کو جھولے سے گرا دیا۔ چھ مہینے کے بچے کی تشنگی حسینؑ سے نہ دیکھی گئی۔ اپنی عبا کے دامن کے سایہ میں بچے کو میدان میں لائے اور اس کے لئے پانی مانگا۔ پانی کے بدلے حرملہ کے تیر سے بچے کی پیاس بجھائی گئی۔ اس تیر سے علی اصغرؑ کا گلا اور حسینؑ کا بازو ہی نہیں بلکہ فاطمہؑ کا دل بھی چھد گیا۔

اب حسینؑ فوجِ یزید پر ایک سیلِ گراں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ یہ حملے ایسے کئے کہ دشمن کے لشکر میں کمی محسوس ہونے لگی۔ عصر کا وقت قریب آیا۔ حسینؑ زخموں سے چور چور ہو چکے تھے۔ خون بہہ جانے سے کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے لئے تلوار روکی۔ دشمنوں نے چاروں طرف سے تیر اور پتھر برسانے شروع کئے۔ آخر وہ وقت آ گیا کہ ؎

سوار دوش پیمبر ز صدر زین افتاد
اگر غلط نہ کنم عرش بر زمین افتاد

Presented By: https://jafrilibrary.com

شمر نے قساوت قلبی کا وہ ثبوت دیا کہ آسمان و زمین میں ایک تہلکہ برپا ہو گیا۔ ایک آواز فضاؤں میں گونجی الا قتل الحسین بکربلا الا ذبح الحسین بکربلا۔ دنیا حسینؑ سے خالی ہو گئی شہادت حسینؑ کے بعد اشقیا نے اہل حرم کو لوٹنا شروع کر دیا۔ خیمے جلا دیئے گئے۔ رسولؐ زادیوں کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں۔ حسینؑ کے بیمار فرزند کو اسیر کر کے طوق و زنجیر میں جکڑ دیا گیا۔

اب وہ قیامت کی شام آئی جسے شام غریباں کہتے ہیں۔ کل رات کو اہل حرم کی حفاظت کے لئے حسینؑ موجود تھے، عباسؑ و علی اکبرؑ موجود تھے۔ اصحاب اور انصار موجود تھے۔ آج کوئی نہیں رہا حسینؑ کے بعد اس لٹے ہوئے قافلہ کی ذمہ داری اور اسلام کی حفاظت کا بار زینبؑ کے سر پر تھا اور زینبؑ نے اس فریضہ کو اس حسن و خوبی سے انجام دیا کہ دنیا انہیں شریکۃ الحسین کہنے لگی۔

حسینؑ کی یہ ظاہری شکست دراصل عظیم الشان فتح تھی۔ دیکھئے یزید امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے بیعت کا طالب تھا۔ حسینؑ تو شہید ہو گئے لیکن حسینؑ کے جانشین علی ابن الحسین بیماری کی حالت میں یزید کے سامنے طوق و زنجیر میں مقید ہو کر پیش ہوئے تو یزید کو ہمت نہ ہوئی کہ ان سے بیعت کا سوال کرے۔ یزید اور یزیدیوں کو اپنا موقف چھوڑنا پڑا۔ حسینؑ اور حسینؑ والے اپنے موقف پر قائم رہے۔ یزید کی شکست اور حسینؑ کی فتح کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ شاید اسی لئے میر انیس مرحوم نے امام علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے کہ

اس دبدبے سے زیر کیا روم و شام کو

حکم جہاد پھر نہ ہوا تو امام کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

اصولِ خلافت پر شہادتِ حسینی کا اثر

اگلی امتوں میں خلفائے رسول کا تقرر نصِ الٰہی پر موقوف تھا۔ قرآنی قصص و حکایات اور کتب قدیمہ سے کم از کم یہی ثابت ہوتا ہے۔ اصولاً اس امت کے لیے بھی یہی طریقہ کار جاری رہنا چاہیے۔ سنۃ اللّٰہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللّٰہ تبدیلا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے چنانچہ وربک یخلق ما یشاء و یختار کا اعلان خلق اور انتخاب کی ذمہ داریوں کو صرف ذات باری سے مخصوص رکھتا ہے۔ اور ما کان لھم الخیرۃ کی نصِ محکم ارباب حل و عقد کو خلافت میں لب کشائی کی بھی اجازت نہیں دیتی۔

اسی بنا پر رسالت مآب صلعم نے غدیر خم میں حکم بلغ ما انزل الیک من ربک کی تعمیل کرتے ہوئے ہزاروں افراد کے روبرو، امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔ اور من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ کے غیر مبہم اعلان نے کسی واقعی شک و شبہہ کی گنجائش باقی نہ رکھی یہاں تک کہ وہ افراد بھی جن کے دل میں مستقبل کے متعلق کچھ نا روا منصوبے پرورش پا رہے تھے بخ بخ لک یا علی لقد اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ کہنے پر مجبور ہو گئے۔

لیکن حیاتِ نبوی کا یہ اظہارِ انقیاد و تسلیم رسول کی آنکھ بند ہوتے ہی ذاتی مصالح کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اور وصی رسول کے ہاتھوں سے عنانِ اقتدار چھین لینے کی دیرینہ تمنا کے پورا کرنے کا وقت آ گیا۔ ادھر علی بن ابی طالب تجہیز و تکفین کے اہتمام میں مشغول تھے اور ادھر سقیفۂ بنی ساعدہ میں چند برخود غلط افراد نے خلافت کے لیے ہنگامہ برپا کر دیا اور بہت سے ناگفتنی حوادث کے بعد حضرت عمر کی دراز دستی نے حضرت ابوبکر کے سر پر دستارِ خلافت رکھ دی

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور اس طرح ایک قدیم اور مستند اصول یعنی "نصِ الٰہی" کے مقابلے میں "فرضی اجماع" کا خود ساختہ اصول عوام کے اوپر مسلط کر دیا گیا۔

اب حضرت ابوبکر کی وفات کا وقت قریب آیا۔ آپ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے اصول کے مطابق حضرت عمر کو اپنی خالی جگہ پر جلوہ افروز دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر وہ

بات وہ آن پڑی تھی کہ بن آئے نہ بنے

مشکل یہ تھی کہ حضرت عمر کے فظ غلیظ القلب (تند خو سخت مزاج) ہونے کی وجہ سے اجماع کا حربہ یہاں کارگر ہوتا ہوا نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے دو سال چند مہینے بعد ہی اصول اجماع کو پس پشت ڈال کر خلیفۂ سابق نے وصیت نامہ کے ذریعہ حضرت عمر کو جانشین بنا دیا۔

اور اب یہ کہا جانے لگا کہ اجماع کے ساتھ ساتھ خلیفۂ سابق کی وصیت بھی استحقاق خلافت کا مستند معیار ہے۔

بہرحال اس پر کچھ مدت گذری یہاں تک کہ حضرت عمر زخمی ہوئے اور زندگی کے لمحات کا طول اختصار پذیر ہوا۔ پہلے کی طرح اب بھی اجماع کا انعقاد خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اَلا ان بیعۃ ابی بکر کانت فلتۃ وقی اللہ المسلمین من شرھا۔ (آگاہ ہو جاؤ کہ ابوبکر کی بیعت اچانک بے سوچے

عہ کوئی صاحب "نصِ الٰہی" اور "خلیفۂ سابق کی وصیت" کو ہم معنی نہ سمجھیں کیونکہ خلیفۂ سابق کی وصیت کی بنا پر خلیفہ بننے والے کی بنیاد خلافت محض یہی وصیت ہوتی ہے۔ خلیفۂ سابق تنہا اپنے حکم سے امت اسلامیہ کو خلیفہ مابعد کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیتا ہے اور اس طرح انتخاب خلیفہ کی ساری ذمہ داری و تمام اختیارات خلیفۂ سابق کی ذات میں سمٹ کر مجتمع ہو جاتے ہیں۔ خدا اور رسول کو اس سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگرچہ "نصِ الٰہی" کا انکشاف بھی رسول یا امام سابق کے قول پر منحصر ہے لیکن انتخاب کے اصل اختیارات اور حقیقی ذمہ داریاں ذات خداوندی سے مخصوص ہوتی ہیں۔ اور رسول یا امام سابق اس معاملہ میں محض ایک کاشف یا مخبر کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ فرق دونوں کے باہمی امتیاز کے لیے بہت کافی ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے جو واقع ہو گئی مگر خدا نے مسلمانوں کو اس کے شر سے بچا لیا۔ قول حضرت عمرؓ کے اعلان میں یہ کہا گیا مد نظر تھی کہیں ایسا نہ ہو کہ رسولؐ کا سفر کیا ہوا عمل کامیاب ہو جائے۔ کچھ دوسری مصلحتیں ایسی تھیں جنھیں حضرت عمر سمجھے ہوئے تھے کہ موصوف خود کسی کے لیے وصیت بھی کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے سب سے بڑھی ہوئی قوت محترم نے ایک نیا ڈھنگ نکالا۔ اب کے بار چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی ترتیب دی گئی۔ کہنے کو تو اس میں حضرت علی کو بھی شامل کر لیا گیا مگر ایسی محکم حفاظتی تدبیر اختیار کر لی گئیں کہ حضرت عمر کے ہم خیال افراد کے علاوہ دوسرا کامیاب نہ ہو سکے۔

اس واقعہ نے جہاں حضرت عثمان کو خلافت بخشی وہاں امت کو ایک تازہ اصول خلافت بھی عطا فرمایا۔ اور اجماع و وصیت کے ساتھ "شوریٰ" بھی ایک "معیار" بن گیا۔

چونکہ تیسرے دور کے خاتمہ پر امت اسلامیہ نے ہر ناجائز دباؤ کا طوق گردن سے اتار پھینکا تھا اور خلیفہ مقتول اپنے بعد کے لیے کوئی حسب منشا انتظام نہ کر سکے تھے۔ اس لیے تمام مسلمانوں نے بالاتفاق رسول کے منتخب کیے ہوئے جانشین کے آستانہ پر جبین نیاز خم کر دی۔ مگر اس طویل مدت میں طبیعتیں بدل چکی تھیں اور حق نواز خلافت باطل پرست افراد کے لیے جان گداز شکنجہ ثابت ہوئی اور اس سے گلو خلاصی کے لیے اولاً طلحہ و زبیر نے حضرت عائشہ کو ہمراہ لے کر جمل کا فتنہ برپا کیا پھر امیر معاویہ نے صفین کے اسٹیج پر خونی ڈرامہ کھیلا۔

جو لوگ امیر المومنین علی بن ابی طالب کو نص الٰہی کے مطابق وصی رسول سمجھتے تھے ان کے نزدیک تو ہر وہ شخص واجب القتل تھا جو خلیفہ برحق سے سرتابی کر کے بغاوت کا مجرم ہو لیکن جن لوگوں کے خیال میں اس خلافت کی بنیاد "اجماع" پر تھی ان کے لیے یہ جنگیں بہت صبر آزما ثابت ہوئیں کیونکہ اس سے ان کے عقیدے۔ الصحابۃ کلھم عدول عہ اور مشہور حدیث "اصحابی" عہ

عہ صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

عہ حدیث یہ ہے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

کالنجوم یا مقو اقتلاں یہ تو اھتلا یہ تو پکاری ضرب لگی تھی۔ بہرحال اس کے "مداوا" کے لیے "علاج بالمثل" کے اصول کے مطابق ایک اور "حدیث" حاصل کی گئی اذا بویع الخلیفتان فاقتلوا الآخر منھما یعنی اگر ایک وقت میں دو مدعیان خلافت سے بیعت کر لی جائے تو جس کی بیعت مؤخر ہو اس سے جنگ کرو۔ (مرآۃ التحقیق)

غور فرمایئے کہ ان جنگوں نے ایک اور نیا فساد ومولا ترتیب دیا۔

امیر المومنینؑ کی شہادت کے بعد امام حسن علیہ السلام "بذریعہ نص" منصب امامت پر فائز ہوئے۔ افسران فوج کو امیر معاویہ کی سازشوں نے اپنا "صید زبوں" بنا لیا اور مجبوراً امام حسنؑ کو امیر معاویہ سے صلح کرنی پڑی۔ FACTUM VALET جو کچھ ہو گیا وہ کیا جائز ہو در مناسب ہے کے مطابق وہی امیر معاویہ، جو اذا بویع الخلیفتان الخ کے ذریعہ واجب القتل قرار دیئے گئے تھے اب خلیفہ برحق تھے۔ ان کی ہر فریب سیاست سے حاصل کی ہوئی خلافت کو جائز قرار دینے کے لیے "قہر و غلبہ" کو حصول خلافت کا چوتھا جائز ذریعہ فرض کر لیا گیا۔

(۲)

برطانیہ کے "دستور حکومت" BRITISH CONSTITUTION کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بہت سی چیزوں کے متعلق کوئی تحریری تفصیل موجود نہیں ہے گزشتہ زمانے سے جو رواج چلا آتا ہے وہی آئندہ کی حکومتوں کے لئے دستور العمل بن گیا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ خود وزیر اعظم کے عہدہ اور اس کے فرائض و اختیارات کے متعلق اس میں کوئی تشریح نہیں ہے اور سلطنت برطانیہ کا یہ محور محض روایات کے سہارے قائم ہے اسی لیے اسے "غیر مکتوب دستور" UNWRITTEN CONSTITUTION کہتے ہیں اور علمائے تمدن اسے اپنی قسم کا واحد نمونہ سمجھتے ہیں۔ مگر شاید انھیں یہ نہیں معلوم کہ تیرہ سو برس پہلے سواد اعظم بھی اصول خلافت کی تعیین میں نہ صرف غیر تحریری" بلکہ "غیر فیصل شدہ دستور" UNSETTLED CONSTITUTION کا بھی

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہدایت ہے بلکہ اس کا وزن ہلکا کر دیا جاتا اور اس کو سیاسی رنگ دے کر اس کی مذہبی اور الٰہی حیثیت کو فنا کر دیا جاتا۔

اور اگر ان دونوں صورتوں میں شہادت کے بجائے فتح حاصل ہوتی اور یہ حضرات خلافت ظاہری کا نظم و نسق اپنے ہاتھوں میں لینے میں کامیاب ہو جاتے تو یہ در اصل سب سے بڑی ناکامی ہوتی اس لئے کہ عوام اس صورت میں ان کی خلافت کی بنیاد "قہر و غلبہ" کو قرار دیتے۔ وہ یہ بھول جاتے کہ رسول اللہ نے ان کے لئے نص فرمائی تھی۔ وہ تو وقتی سبب کو دیکھتے۔ اس طرح اگر ایک باطل اصول کو مٹایا جاتا تو دوسرا خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کر دیا جاتا اور یہ بہت بڑا حادثہ ہوتا۔

اس لئے ان حضرات نے اپنی رضامندی کا شبہ دور کرنے کے لئے زبانی احتجاج تو جاری رکھا مگر کسی عملی اور فوری اقدام کی طرف توجہ بھی نہ کی۔

باطل کے مقابلہ میں مشیت الٰہیہ کا طرز عمل یہ ہے کہ اس سے انتقام لینے میں جلدی نہ کی جائے بلکہ مواقع پیدا کیے جائیں۔ مہلتیں دی جائیں۔ توقف سے کام لیا جائے یہاں تک کہ جب باطل اپنے پورے شباب پر پہنچ جائے اور ایسی منزل پر آ جائے جہاں سے اُلٹے پیروں حق کی طرف واپسی کا امکان بھی ختم ہو جائے اس وقت اسے یک بیک ایسی ٹھوکر لگائی جائے کہ ساری بنیاد منہدم ہو کر رہ جائے اور اُسے نگاہ عبرت بین کے لیے تماشا بنا دیا جائے لا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین۔

اس کی مصلحت یہ ہے کہ باطل ابتدائی دور میں حق سے اس طرح مشابہ ہوتا ہے کہ ظاہر بین نگاہیں دونوں کے حقیقی تفرقہ کو محسوس ہی نہیں کر سکتیں۔ انما سمیت الشبھۃ شبھۃ لانھا تشبہ الحق[1]۔ شبہہ کو شبہہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حق کے "مشابہ" ہوتا ہے اور اس

---

[1] نہج البلاغۃ

Presented By: https://jafrilibrary.com

دور میں اس کی بیخ کنی چنداں مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ اس لئے مشیت الٰہیہ اس وقت کا انتظار کرتی ہے جب باطل کا عروج اس کی ظاہری ہیئت کو بھی حق سے ممتاز کر دے۔ لیمیز اللّٰہ الخبیث من الطیب و یجعل الخبیث بعضہ علی بعض فیرکمہ جمیعا فیجعلہ فی جھنم تاکہ خدا خبیث کو طیب سے جدا کر دے اور خبیث کو ایک کے اوپر ایک ڈھیر کر کے سب کو جہنم میں جھونک دے۔

ماتشآؤن الا ان یشآء اللّٰہ کے مطابق رسول کے مقرر کئے ہوئے خلفائے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا حضرت ابو بکر و عمر و غیرہ اپنے کو اسلام کا پیرو کہتے تھے اور ایک حد تک اس کے ظاہری رسوم کی پابندی بھی کرتے تھے۔ اس دور میں باطل پوری طرح حق سے جدا نہ ہو سکا تھا اور امیر المومنین علیہ السلام کو اس وقت کا انتظار کرنا پڑا جب باطل کے چہرے سے یہ گہری نقاب اٹھ جائے۔ امام حسن علیہ السلام نے بھی اسی انتظار میں صلح کی زندگی گذاری اور امام حسین علیہ السلام بھی اسی بنا پر دس سال تک خاموش رہے یہاں تک کہ معاویہ کے بعد تخت خلافت یزید کے قدموں سے ملوث ہوا اور وہ وقت آ گیا جس کے لئے اب تک خلفائے رسول صبر و سکون کے ساتھ منتظر تھے۔

۴

کربلا کی جنگ پر اصول خلافت کے زاویہ سے نظر ڈالو تو تم دیکھو گے کہ ایک طرف یزید ہے اور اس کی پشت پر اجماع کی بھیڑ یا دھسان ہے شوریٰ کی شوریدہ پشتیاں ہیں، نامزدگی کی پاسداریاں ہیں اور قہر و غلبہ کی چیرہ دستیاں ہیں۔

دوسری طرف حسینؑ ہیں جو امامت کے مدعی ہیں مگر ان کی پشت پناہی کے لئے ان خود ساختہ فارمولوں کے بجائے صرف "نص رسولؐ" ہے ان کے ہمراہی ان کی بیعت کا قلادہ گردن میں ڈالے ہوئے ہیں مگر یہ بیعت ارباب اجماع کے اصول کے مطابق "بیعت سابقہ" بھی نہیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی جا سکتی تاکہ اذا بویع الخلیفتان الخ کے مطابق یزید سے برسرِ پیکار ہونا جائز قرار دیا جا سکے۔

اب ذرا حقیقت کے آئینہ میں فریقین کے خد و خال پر نظر ڈالو۔

تم دیکھو گے کہ حسین اگرچہ ان تمام فرضی دلائل سے غیر مسلح ہیں مگر خدا و رسول کے ارشادات گرامی کے مطابق ان کی ذات تمام عالمِ اسلامی کے لئے یکساں واجب التعظیم اور مستحق تکریم ہے۔ آیہ تطہیر ان کے اعمال کی طہارت پر گواہ ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا۔ آیہ مباہلہ نے نص کر دی ہے کہ وہ فرزندِ رسول ہیں۔ فقل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم الخ۔ آیہ مودت ان کی محبت کو فرضِ عین کہتی ہے۔ قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ۔ ان کا اقدام رسول کا اقدام ہے۔ حسین منی وانا من الحسین۔ یہ رسول کے پھول ہیں۔ ھما ریحانتای۔ یہ جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ الحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔ اور سب سے آخر میں رسول کا یہ قول ان کی امامت پر نصِ جلی ہے۔ ھما امامان قاما او قعدا۔ اس کے برخلاف یزید اگرچہ بظاہر اصول خلیفۃ المسلمین ہے مگر اس کی بدکرداریاں شہرۂ آفاق ہیں۔ اس کی سیاہ کاریوں کی طویل فہرست میں سے خاندانِ نبوت کی بربادی سے قطع نظر کرتے ہوئے چند چیزیں بطور مثال پیش کش ناظرین ہیں۔ (۱) وہ فرشتوں کے آنے اور وحی کے نزول کا منکر ہے۔ (۲) رسول اکرم صلعم کی نبوت کو حصولِ سلطنت کا ایک ڈھونگ سمجھتا ہے۔ (۳) علی الاعلان شراب پیتا ہے۔ (۴) شطرنج اور لہو و لعب پر فریفتہ ہے۔ (۵) رقص و سرود کا عاشق ہے۔ (۶) محرمات کے ساتھ زنا کرتا ہے۔ (۷) نماز کے ساتھ تمسخر کا عادی ہے۔ (۸) کتوں اور بندروں سے کھیلتا ہے۔ (۹) اس نے مکہ معظمہ کی حرمت خاک میں ملا دی۔ (۱۰) خانۂ کعبہ پر آتش باری کی جس سے اس کے پردے جل گئے اور عمارت کو نقصان شدید پہونچا۔ (۱۱) حرمِ رسول کی بے حرمتی کی۔ (۱۲) مسجدِ نبوی کو اصطبل اور مزبلہ بنا دیا۔ (۱۳) کئی

Presented By: https://jafrilibrary.com

سو صحابہ کو شہید کیا۔(۱۴) اس کے فوجیوں کے قیام مدینہ کے بعد ایک ہزار حرامی بچے پیدا ہوئے ان تمام جرائم کے تذکرے تاریخوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

حسین اپنی اس عدیم المثال شخصیت کے ساتھ یزید کے مقابلہ میں صف آرا ہوئے اور اپنے اس اقدام سے انہوں نے غافل مسلمانوں کی آنکھوں پر سے پردے ہٹا دیئے۔ اگرچہ اصول کا تقاضا یہ تھا کہ یزید کو خلفائے ثلاثہ سے زیادہ شایان خلافت سمجھا جائے مگر واقعیت یہ تھی کہ اسے خلیفہ سمجھنا تو درکنار انسان سمجھنے میں بھی تامل کرنا چاہیئے۔

رسول اسلام کی حدیث ہے جو فریقین کے نزدیک مستند ہے۔ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ۔ جو اپنے زمانہ کے امام کو پہچانے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرا۔ اگر یزید کے مقابلے میں امامت کے دعوی کے ساتھ جنگ کرنے اور شہید ہو جانے کے بعد بھی حسینؑ نہ صرف مستحق جنت بلکہ "سردار جوانان جنت" ہو سکتے ہیں تو اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ یزید ہرگز اپنے زمانہ کا امام نہیں تھا۔ اور چونکہ اس وقت دعوی امامت و خلافت حسینؑ اور یزید میں منحصر تھا اس لئے لامحالہ یزید کا عدم استحقاق حسینؑ کی امامت کی قطعی دلیل بن جائے گا۔

مگر مشکل یہ ہے کہ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ یزید کی خلافت جیسا کہ میں بار بار کہتا آیا ہوں، اجماع و شوریٰ، نامزدگی و قہر و غلبہ کی مجموعی بنیاد پر قائم تھی اور حسین اپنی امامت کو "منصوص من اللہ" سمجھتے تھے۔ اس لیے حسین کی یہ کامیابی محض حسین کی ذاتی کامیابی نہیں کہی جا سکتی۔ یہ درحقیقت "نص الٰہی" کی فتح تھی۔ کس کے اوپر؟ اجماع پر، شوریٰ پر، نامزدگی پر اور قہر و غلبہ پر۔ عاشور کے روز حسین کی جنگ اور شہادت نے ان تمام طاغوتی ہتھکنڈوں کو شکست دیکر "نص الٰہی" کے قرآنی اصول کی حقانیت ہمیشہ کے لیے واضح کر دی۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔

دور یزید کے کاسہ لیسوں کی بات اور ہے۔ آج تمام عالم اسلامی سرنگوں ہے کہ حسینؑ

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے اپنی قربانی سے اسلام کی مردہ رگوں میں خون تازہ دوڑا دیا اور یزید نے تو قولاً و عملاً سے منعہ درگور کر دینے میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا تھا آج لفظ "یزید" گالی کے مترادف ہے اور حسین کا اسم گرامی اپنی پوری عظمت کے ساتھ دنیائے انسانیت پر چھا گیا ہے۔ اور امام حسین کے ساتھ ساتھ دنیا ان اصولوں کے سامنے بھی سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہے جن کی بقا کے لیے شہادت حسینؑ ظہور میں آئی۔ فقط۔

نوٹ

اس مقالہ کی حیثیت تمام تر "کلامی" ہے تاریخی واقعات محض "تمہید" اور پس منظر کی حیثیت سے ذکر کئے گئے ہیں اس لئے حتی الامکان طویل سے طویل واقعات کو کم سے کم الفاظ میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور اسی سلسلہ میں اصل ماخذ کی عبارتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے تاریخی شہرت پر بنا کرتے ہوئے حوالہ جات بھی حذف کر دیئے گئے ہیں لیکن اگر کسی تحقیق پسند بزرگ کو شوق ہو تو تفصیل کے لئے میری کتاب "امامت" ملاحظہ فرمائیں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

عزاداری اور بدعت

عاشور کے دن یزیدی لشکر میں فتح وظفر کے شادیانے بج رہے تھے اور خیام حسینی سے گریہ وبکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں مگر جلد ہی دنیا کی نگاہوں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ یزید اپنے تمام بے پناہ مادی وسائل صرف کر دینے کے بعد بھی حسین کو شکست دینے میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ یزیدیت نہ تو حسین کی عظمت آگیں یاد کو دلوں سے چھین سکی اور نہ ان کے تقدس مآب نام کو زبانوں سے محو کر سکی۔ سلام علی من مزاره فی قلوب من والاه۔ سلام ہو اس کشتۂ ستم پر جس کا مزار اس کے محبوں کے دلوں میں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ دور یزید سے لیکر عصر حاضر تک ہر قرن اور ہر صدی میں ایک منظم سازش کے ماتحت ریشہ دوانیاں کی جاتی رہی ہیں کہ حسین کا ذکر زبانوں پر نہ آنے پائے مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ نام روز بروز روشن سے روشن تر ہوتا جا رہا ہے۔ اور حسینی عقیدت کی شعائیں مہر عالمتاب کی کرنوں کی طرح ہر مذہب وملت کے افراد کو اپنے دامن میں سمیٹتی جا رہی ہیں۔

یریدون لیطفؤا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو کره الکافرون

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ نور خدا کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں اور خدا تو اپنے نور کو پورا کرکے رہے گا چاہے کافروں کو ناگوار ہی کیوں نہ گذرے ؎

موت کے سیلاب میں ہر خشک و تر بہہ جائے گا
ہاں مگر نام حسین ابن علی رہ جائے گا

ادھر کچھ زمانے سے فرقہ وارانہ فسادات کے سیلاب نے مخالفت عزاداری کے شعلوں کو سرد کر دیا تھا مگر بعض رسائل کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امن کے پلٹتے ہی اس چنگاری کو پھر دامن ہوس کی ہوا دیکر اتحاد اسلامی کے خرمن کو خاکستر بنانے کی سعی کی جا رہی ہے "اور مقتضائے طبیعت"

Presented By: https://jafrilibrary.com

تعزیہ داری کو بدعت کہکر اسلامی جذبات پر "نیش زنی" شروع کر دی گئی ہے۔

یہ مخالفین عزاداری عوام کو یہ کہکر بہکاتے ہیں کہ، رونا بدعت، تعزیہ بدعت، علم بدعت، مجلس بدعت، ماتم بدعت، یہ بدعت، وہ بدعت، غرض تعصب کی عینک لگانے کے بعد ان کو مراسم عزا میں ہر طرف بدعت ہی بدعت نظر آتی ہے اور بدعتوں کے اس ہنگامے سے ان پر ایسا ہول طاری ہو جاتا ہے کہ وہ محرم آنے سے پہلے ہی "اختلاجی دوروں" میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور دیہاتوں کی سیر کو نکل جاتے ہیں۔

میں صاحبان ذوق کو اولاً اس امر پر غور کرنے کی دعوت دیتا ہوں کہ اگر عزاداری بدعت ہو جب بھی اس کو "حلقہ احترام" سے خارج کر کے "دائرہ تحرم" میں کیونکر داخل کیا جا سکتا ہے۔

بدعت کس کو کہتے ہیں

بدعت کی تعریف علی العموم یہ کی جاتی ہے کہ البدعة بالکسر الحدث فی الدین بعد الاکمال او ما استحدث بعد النبی صلعم من الاھواء والاعمال" بدعت دین کی تکمیل کے بعد کسی نئی چیز کے پیدا کرنے کو یا رسالت مآب صلعم کے بعد نئے عقائد و اعمال کی ایجاد کو کہتے ہیں۔ (قاموس)
اسی طرح مجمع البحرین میں ہے کہ "مالم یکن فی زمنہ صلعم فھو بدعة" جو چیز رسول کے زمانہ میں نہیں تھی وہ بدعت ہے۔

اس تعریف کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف عزاداری ہی نہیں بلکہ جتنے علوم و فنون اسلام کی بقا کے ضامن ہیں سب کے سب "بدعت" کا تمغہ لگائے ہوئے نظر آئیں گے۔

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب بدعت ہے۔ قرآن مجید کو اعراب اور نقطوں سے آراستہ کرنا بدعت ہے اسے خط نسخ میں تحریر کرنا بدعت ہے۔ تفاسیر کو کتابی ملبوس پہنانا بدعت ہے۔ احادیث کو نئے انداز سے جمع کرنا بدعت ہے۔ راویوں کی جرح و تعدیل کے لئے فن رجال کا ایجاد کرنا بدعت ہے۔ روایتوں کو پرکھنے کے لئے فن درایت سے مدد لینا بدعت ہے، فقہی کتابوں کی تدوین بدعت ہے۔ علم کلام کی درس و تدریس بدعت ہے۔ اب اور آگے چلئے اجماع

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے ذریعہ خلفاء کا انتخاب بدعت ہے۔ شوریٰ کر کے دینی رہبر کا تعین بدعت ہے نماز تراویح بدعت ہے۔ قیاس سے مسائل کا پیدا کرنا بدعت ہے۔ بیت المال کا قائم کرنا بدعت ہے۔ جرائم کے تجسس کے لئے راتوں کو درہ لیکر گشت کرنا بدعت ہے۔ اور حد تو یہ ہے کہ شیروانی پائجامہ پہننا بدعت ہے اور کاغذی نوٹ کے ذریعہ لین دین بدعت ہے۔ اگر آپ یہی معیار قائم کرلیں کہ جو کچھ رسول کے زمانہ میں نہیں تھا وہ بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے تو ہمیں کہنے دیجئے کہ ؎

این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

اگر بدعت ہونے کی وجہ سے عزاداری قابل ترک ہے تو اس کے ساتھ ہی سنہ ہجری کے استعمال کو خیرباد کہہ دینا چاہئے، ہر قسم کی دینی تعلیم پر خط نسخ پھیر دینا چاہئے۔ حد تو یہ ہے کہ "تلاوت قرآن" سے بھی دستکش ہو جانا چاہئے اور "سنگ آمد و سخت آمد" یہ کہ خلفاء ثلاثہ کی خلافت کو بھی مبنی بر بدعت کہہ کر "چمنستان سنیت" کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا چاہئے کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالها من قرار۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

ان تمام مصائب کا سرچشمہ اور ان سب خرابیوں کا منبع صرف اتنی سی بات ہے کہ سواد اعظم کے علماء نے عوام کی ذہنیتوں کو مسخ کر کے یہ عقیدہ ان کے ذہن نشین کر دیا ہے کہ کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ فی النار۔ ہر نئی بات گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانا جہنم ہے۔ حالانکہ ہر نئے طرز عمل اور ہر ایجاد کے حرام ہونے کا نظریہ ہی یکسر مہمل اور غلط ہے۔ فریقین کی مسلمہ حدیث ہے کہ الاشیاء مطلقۃ مالم یرد علیک امر و نهی۔ ہر چیز جائز ہے جب تک تیرے پاس کوئی امر یا نہی نہ پہونچے۔ اسی طرح فرمایا ہے کہ کل شیٔ مطلق حتی یرد فیہ نهی۔ جب تک ممانعت نہ وارد ہو ہر شے جائز ہے۔ اس لئے بہتر طریقۂ عمل تو یہ تھا کہ عزاداری کو "بدعت" کہہ کر عوام کو بہکانے سے پہلے یہ غور کر لیا جاتا کہ "یہ بدعت کسی نہی کے تحت میں آتی بھی ہے یا نہیں؟"

Presented By: https://jafrilibrary.com

اگر کسی شرعی دلیل کے ذریعہ اسے نواہی کی صف میں لا کر کھڑا کر دینا ممکن ہو تو بے شک اس سے اجتناب کی نمائش دین اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہوگی "فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ" لیکن اگر ایسا نہ کر سکو اور تم ہرگز نہیں کر سکتے تو اس آگ سے ڈرو جس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ نفس امارہ کا "صید زبوں" بن کر رسول کی مقدس تعلیمات پر کند چھری پھیرنے سے کہیں بہتر ہے کہ انسان خودکشی کر لے۔

اہل سنت کے جلیل القدر پیشوا امام عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں تحریر فرماتے ہیں:۔

ثم ان المعروف بین الجمھور تقسیم البدعۃ الی الاقسام الخمسۃ فالواجبۃ منھا نظم ادلۃ المتکلمین للرد علی الملاحدۃ والمبتدعین والمندوبۃ تصنیف کتب العلم وبناء المدارس والرباط من المباحۃ البسط فی الوان الاطعمۃ وقیل اتخاذ المناھل ومن المکروھۃ التنعم فی الملابس والماکل بما لایؤدی الی الاسراف المحرام ومن المحرمۃ قتال اھل الحق البغی علی الامام وکل ماخالف الشریعۃ ودلت علی تحریمہ الادلۃ (باب الاقتداء بسنن الرسول)

حاصل عبارت یہ ہے کہ جمہور میں یہ بات مشہور ہے کہ بدعت کی تقسیم پانچوں احکام شرعیہ پر کیجاتی ہے واجب بدعت کی مثال علم کلام کی تدوین ہے۔ مستحب بدعت علمی کتب کی تصنیف اور مدارس کا قائم کرنا ہے۔ مباح بدعتوں میں نئے نئے کھانے داخل ہیں، مکروہ بدعت یہ کہ کھانے پہننے میں اتنی فراخی اور تنعم سے کام لیا جائے، جو اسراف کی حد تک نہ پہونچے، اور حرام بدعت اہل حق کے قول کے مطابق امام سے بغاوت کرنا ہے اور ہر مخالف شریعت چیز جس کی تحریم پر دلیلیں دلالت کریں۔

علماء شیعہ نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے چنانچہ شہید ثانی علیہ الرحمۃ شرح لمعہ بحث اذان

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں فرماتے ہیں کہ تذنیقال ان مطلق البدعة لیس بمحرم بل ربما قسمها بعضهم الی الاحکام الخمسة۔ کہا جاتا ہے کہ مطلق بدعت حرام نہیں ہے بلکہ بعض لوگوں نے اسے احکام خمسہ کی طرف منقسم کیا ہے۔

ان تشریحات کے بعد کون با فہم یہ کہہ سکتا ہے کہ کل بدعة ضلالہ کے دائرۂ نفاذ میں ایسی نو ایجاد چیزیں بھی داخل ہیں جو وجوب یا استحباب یا اباحت کی منزل میں ہیں۔ انھیں اسباب کے پیش نظر شہید اول علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ "محدثات الامور بعد عهد رسول الله اقسام لا یطلق اسم البدعة عندنا الا علی ماهو محرم" "عہد رسول کے بعد پیدا ہونے والے امور کی کئی قسمیں ہیں۔ ہمارے نزدیک "بدعت" کا اطلاق صرف انھیں چیزوں پر ہوتا ہے جو حرام ہیں۔

اب تو واضح ہو گیا کہ معیار حلت و حرمت یہ نہیں ہے کہ فلاں کام رسول کے زمانہ میں ہوتا تھا یا نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ منشائے الٰہی کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے یا نہیں۔

مراسم عزاداری مطابق منشائے الٰہی ہیں

مراسم عزا کی حقیقت کیا ہے؟ مختصر لفظوں میں یوں سمجھایا جا سکتا ہے کہ

"واقعہ کربلا کی غیر فانی یادگار قائم کرنے اور اس عظیم الشان المیہ پر اپنے جذبات اندوہ و غم کے ظاہر کرنے کو عزاداری کہتے ہیں"۔ اب ہمیں غور کرنا ہے کہ سلف صالحین کے واقعات کی یاد کو تازہ رکھنا منشائے الٰہی کے مطابق ہے یا نہیں؟ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ خداوند عالم نے اپنے احکام کے ذریعہ ہمیں پابند کر دیا ہے کہ ہم ہمیشہ مقربان خدا کو یاد کرتے رہیں اور ان کے کارناموں کو اپنے پیش نظر رکھیں ہم پنج وقتہ نمازوں میں کم از کم دس مرتبہ یہ دعا کرتے ہیں کہ اهدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیهم (خدایا! ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت کر ان لوگوں کے راستہ کی جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں) غور طلب امر یہ ہے کہ ہم جب تک مقربان بارگاہ الٰہی کے کارناموں کی تعظیم نہ کریں اور ان کی قربانیوں کو اپنے پیش نظر نہ رکھیں اس وقت تک ہماری

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ دعا اپنے حقیقی مفہوم سے کیونکر آشنا ہو سکتی ہے۔

اچھا اور آگے بڑھئے اور اسلام کے ایک دوسرے رکن اعظم یعنی حج کے اجزائے ترکیبیہ پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھیں گے کہ مناسک حج میں از اول تا آخر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے واقعات کے مکمل چربے اور صحیح خاکے نمایاں ہیں۔

"صفا اور مروہ کے درمیان" سعی کیوں واجب قرار دی گئی؟ اس کی علت یہی تو ہے کہ حضرت ہاجرہ اپنے کمسن بچے کے لئے پانی کی تلاش میں انھیں پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ دوڑی تھیں۔ اور یہی وجہ تو ہے کہ قرآن مجید نے ہمالیہ اور پامیر جیسے سر بفلک کوہستانوں کو چھوڑ کر انھیں چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کو "شعائر اللہ" کہا اور ان کی تعظیم کو تقویٰ کی علامت قرار دیدیا۔

آج "آب زمزم" حاجیوں کا سب سے بڑا تحفہ سمجھا جاتا ہے۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کی عظمت کا سبب محض یہ امر نہیں ہے یہ چشمہ حضرت اسمٰعیل کی تشنگی دور کرنے کے لئے حکم خدا سے ظاہر ہوا تھا۔

آٹھویں ذی الحجہ کو "یوم ترویہ" اسی لئے تو کہتے ہیں کہ اس دن حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا تھا کہ فرزند کو ذبح کر رہے ہیں اور دن بھر اسی کے متعلق "تروی" یعنی غور و فکر کرتے رہے تھے۔

نویں ذی الحجہ کو "یوم عرفہ" کہنے کا سبب یہی تو ہے کہ اس دن حضرت ابراہیم کو ذبح فرزند کے حکم کا "عرفان" حاصل ہوا تھا۔ ان دونوں تاریخوں کے مناسک حج انھیں واقعات کی یادگار میں جاری کئے گئے ہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو منیٰ میں قربانی کرنا حج کا ایک اہم فریضہ ہے۔ تاریخ کے اوراق بتاتے ہیں کہ اس کا راز کیا ہے؟

اسی دن اور اسی مقام پر حضرت ابراہیم نے حضرت اسمٰعیل کو راہ خدا میں اپنے ہاتھوں سے ذبح کرنا چاہا تھا۔ اگرچہ کاتب لوح محو و اثبات نے اس قربانی کے لئے اسمٰعیل کے بجائے ایک

Presented By: https://jafrilibrary.com

"ذبح عظیم" کو منتخب کر لیا اور اسمٰعیل کو بچا لیا مگر قرآن مجید نے اس کی یاد تازہ رکھی اور قربانی کے تمام جانوروں کو شعائر اللہ میں داخل کر لیا ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔

ان واقعات سے یہ ظاہر ہو گیا کہ واقعات گزشتہ کی یادگار قائم کرنا خداوند عالم کی سنت قدیمہ اور عادت جاریہ ہے۔ ہاں شرط یہ ہے کہ وہ واقعات خاصان خدا سے وابستہ ہوں۔

اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا حسینؑ مقرب بارگاہ الٰہی نہ تھے؟ کیا ان کے واقعات حد سے زیادہ اہمیت کے حامل نہ تھے؟ خدارا انصاف کرو جب اسمٰعیل کے "ناتمام ذبح" کی یادگار خدا کو اس قدر محبوب ہے کہ اسے رکن اسلام قرار دے دیا تو کیا اس "ذبح عظیم" کی یادگار اسے پسند نہ ہوگی جس کے حوادث کے مقابلہ میں حضرت اسمٰعیل کی روداد پاسنگ کی حیثیت بھی نہیں رکھتی۔ اگر دوسرے اسلامی فرقوں کی طرح ہمارا مذہب بھی رسول کے بعد شریعت میں ترمیم و تنسیخ پر عامل ہوتا تو یاد رکھئے عزائے حسینی وہ اہمیت رکھتی تھی کہ اسے حج کی طرح حد وجوب میں داخل کر لیا جاتا لیکن اب بھی کم از کم اس کے مطابق منشائے خداوندی ہونے سے تو انکار نہیں کیا جا سکتا سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ یادگار قائم کرنا خدا کی قدیم سنت ہے اور خدا کے طریقوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اگر ہم واقعات کربلا کے مناظر نگاہ خلائق کے سامنے پیش کرتے ہیں اور اپنے رنج و الم کو تازہ رکھنے کے لیے سال بہ سال اس کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں تو اس پر کیا اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ ہم وہی کرتے ہیں جس پر کارپردازان مشیت کو عامل دیکھتے ہیں۔

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ "فصل غم" مناتے ہیں وہ ابراہیم و اسمٰعیل کے واقعات

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی یادگار کو اوقات کی خدائی زنجیر کا پابند دیکھیں اور سر جھکا لیں۔

(۲)

عزائے حسینؑ بدعت نہیں ہے

اب میں یہ ظاہر کردوں کہ عزائے حسینؑ "محدثات بعد النبی" میں داخل ہی نہیں ہے، بلکہ خود ذات اقدس ختمی مرتبت نے اسے جاری فرمایا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی کی یہ روایت ملاحظہ فرمایئے جو انھوں نے امام شعبی کی سند سے نیز مسند احمد بن حنبل کے حوالے سے ذکر فرمائی ہے۔

قال (علی علیہ السلام) دخلت علی النبی صلعم ذات یوم دعیناہ تفیضان قلت یا نبی اللّٰہ اغضبك احد ماشان عینیك تفیضان قال بل قام من عندی جبرئیل قبل فحدثنی ان الحسین یقتل بشط الفرات قال فقال جبرئیل هل لك الی ان اشمك من تربته قال قلت نعم فمد یدیه فقبض قبضةً من تراب فاعطانیها فلم املك عینی ان فاضتا۔

یعنی امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ میں ایک روز رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے میں نے عرض کی "یا رسول اللہ" کیا کسی نے آپ کو غضبناک کردیا ہے؟ آپ کی آنکھیں کیوں اشکبار ہیں؟ رسالت مآب نے فرمایا کہ ابھی کچھ دیر پہلے جبرئیل نے مجھ سے بیان کیا کہ حسینؑ فرات کے کنارے قتل کیا جائے گا جبرئیل نے مجھ سے پوچھا کہ آپ چاہتے ہیں کہ وہاں کی خاک آپ کے سونگھنے کے لئے لادوں؟ میں نے کہا کہ ہاں پس جبرئیل نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے پس ایک مٹھی خاک مجھے دی جس کی وجہ سے میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہوگئے۔

اس روایت نے یہ بتایا کہ حسینؑ کے مصائب پر رونا نہ صرف جائز بلکہ رسالت مآب کی سنت ہے۔ "وما اتاکم الرسول فخذوہ" کے مطابق ہمارے لئے واجب الاتباع ہے۔ رسول نے صلعم اپنے جگر گوشہ کی خبر شہادت سن کر قبل شہادت اس قدر بیتاب ہوگئے تھے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

غور کرو کہ اگر بعد واقعہ کربلا رسول زندہ ہوتے تو آپ کا کیا حال ہوتا اور اپنے فرزند کی عزاداری میں آپ کس قدر اہتمام فرماتے۔

اس واقعہ میں یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ باوجودیکہ رسول اللہ صلعم کو حسینؑ سے ناقابل بیان محبت تھی اور حسین رسول کی نظر کے سامنے بذات خود موجود بھی تھے اور آپ کو خبر شہادت بھی سنائی گئی لیکن جذبات غم میں مزید شدت پیدا کرنے کے لیے رسول کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مقتل حسینی کی خاک منگوا کر سونگھیں "فقبض قبضة من تراب فاعطانيها فلم املك عيني ان فاضتا"۔ یہ جملہ بتا رہا ہے کہ اگر ہم بھی اپنے جذبات غم واندوہ کو برانگیختہ کرنے کے لئے مشک و علم تابوت و تعزیہ طوق و زنجیر جھولے اور تیر کو اپنے پیش نظر رکھیں تو وہ "لكم في رسول الله اسوة حسنة" کے بالکل مطابق اور سنت پیغمبری کے عین موافق ہوگا۔ حسین کی شہادت کے قبل خاک مقتل کے علاوہ اور کوئی سامان غم انگیز موجود نہ تھا اس لئے جبرئیل نے اسی پر اکتفا فرمائی۔ اب بعد شہادت جب کہ ہمیں واقعات کربلا کی تمام تفصیلات معلوم ہیں اور ان کی تصویر کشی بھی ممکن ہے تو ہم کیوں نہ ان سب کا مظاہرہ کر کے ان واقعات کا تا حد امکان تفصیلی تصور کریں اور ذات رسالت کو اس کے ذبح عظیم کا زیادہ سے زیادہ پرسہ دیں۔

اگرچہ اس روایت سے عزائے حسینی کے ساتھ ساتھ تمام منسوبات حسینیہ کا جواز بھی اجمالاً ثابت ہوگیا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ چند اہم ارکان عزا کا جواز بالاختصار عہد رسالت کے واقعات سے ثابت کر دوں۔ شعر

تا سیہ روئے شود ہر کہ در و غش باشد

نوحہ و مجلس

مدارج النبوۃ اور معارج النبوۃ نیز دوسری کتابوں میں یہ واقعہ مندرج ہے کہ رسالت مآب صلعم کسی کے لئے اتنا نہیں روئے جتنا حضرت حمزہ کے لئے روئے تھے۔ آپ ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے، گریہ فرمایا اور زور سے روئے یہاں تک کہ بیہوش ہوگئے فرماتے تھے کہ "يا حمزة، يا عم رسول الله، يا اسد الله واسد رسوله يا حمزة، يا فاعل الخيرات"

Presented By: https://jafrilibrary.com

یا حمزۃ، یا کاشف الکربات، یا حمزۃ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ" اے حمزہ، اے پیغمبر خدا کے چچا، اے خدا اور اس کے رسول کے شیر درندہ، اے حمزہ، اے نیکیوں کے بجالانے والے، اے حمزہ، اے مصیبتوں کے دور کرنے والے اے حمزہ، اے پیغمبر خدا کے چہرے سے دشمنوں کو ہٹانے والے۔" رسالت مآب صلعم کے یہ متبرک الفاظ نوحہ اور بین کے جواز کو علی الاعلان ظاہر کر رہے ہیں۔

لمن القی السمع وھو شھید۔ اس شخص کے لئے جو کان لگا کر توجہ سے سنے۔

پھر جب مدینہ کی عورتیں شہدائے احد پر رونے لگیں اور حضرت حمزہ کے گھر سے رونے کی آواز سمع مبارک تک نہ پہونچی تو آپ نے بکمال حسرت فرمایا کہ "لکن عمی حمزۃ فلا بواکی لہ" لیکن میرے چچا حمزہ کے لئے کوئی رونے والی عورت نہیں ہے۔ انصار نے یہ سن کر اپنی عورتوں کو حمزہ کے گھر بھیج دیا انھوں نے وہاں پہونچکر صف ماتم بچھائی اور گریہ وزاری میں مشغول ہوگئیں جب حضرت اقدس ختمی مرتبت نے ان کے رونے کی آواز سنی تو ان کے حق میں دعا فرمائی کہ خدا تم سے اور تمہاری اولاد سے اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو۔

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ شہدائے راہ خدا کے لئے مجلس عزا کا برپا کرنا اور بہت سے آدمیوں کا مل کر بلند آواز سے گریہ کرنا نہ صرف جائز بلکہ موجب سرور حضرت رسالت ہے۔ وکفی بہ شھیدا

اس مسلم الثبوت واقعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عمر کی اس روایت کو ملاحظہ فرمائیے کہ "رسالت مآب نے فرمایا ہے کہ ان المیت لیعذب ببکاء الحی علیہ" زندہ افراد کے رونے کی وجہ سے میت پر عذاب ہوتا ہے" اگر اس امر سے قطع نظر کر لیا جائے کہ رسالت مآب نے حضرت حمزہ پر عورتوں کے رونے کی تمنا خود ظاہر فرمائی تھی اور رونے والیوں کو دعائے خیر سے یاد فرمایا تھا جب بھی اس کا کیا علاج ہے کہ قرآن مجید خود "لا تزر وازرۃ وزر اخری" (کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کا اعلان کر کے اس کی زد پر آمادہ ہے۔ اب اس روایت کے پہلو بہ پہلو ام المومنین عائشہ جیسی جلیلۃ القدر محدثہ کا یہ بیان بھی ملاحظہ فرمائیے۔

عن عمرۃ بنت عبد الرحمٰن انہا قالت سمعت عائشۃ وذکر لہا ان عبداللہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

بن عمر یقول ان المیت لیعذب ببکاء الحی علیہ تقول یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی او اخطاء انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یہودیۃ یبکی علیہا فقال انہم لیبکون علیہا وانہا لتعذب فی قبرہا متفق علیہ (مشکوۃ باب البکاء علی المیت) ماحاصل روایت یہ ہے کہ حضرت عائشہ کے سامنے حضرت عبد اللہ بن عمر کا یہ قول نقل کیا گیا کہ زندوں کے رونے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ خدا انھیں بخشے انھوں نے (عمداً) دروغ گوئی نہیں کی ہے بلکہ وہ یا تو بھول گئے ہیں یا سمجھنے میں غلطی کی ہے اصل واقعہ صرف اتنا ہے کہ ایک یہودیہ پر اس کے اقارب رو رہے تھے رسالت مآب ادھر سے گذرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ لوگ اس کے لئے رو رہے ہیں حالانکہ وہ اپنی قبر میں عذاب الٰہی میں گرفتار ہے۔ (یہ روایت متفق علیہ ہے)

اس بیان کو دیکھنے کے بعد اگر ہم حضرت ابن عمر کی دیانت، وثاقت اور صحت روایت کو معرض بحث میں نہ لائیں جب بھی اتنا کہے بغیر تو نہیں رہ سکتے کہ ؂

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

تابوت وتعزیہ تعزیہ بنانے اور اس کی تعظیم کرنے کو "بت پرستی" کہا جاتا ہے۔ حالانکہ بیجان اشیاء کی شبیہ کو بت کہنا ہی عقل و دانش کا حیرت انگیز مظاہرہ ہے اور وہ بھی ان لوگوں کی زبان سے جن کی روایتیں جاندار کی شبیہ بنانے کو بھی مستحسن ثابت کرتی ہیں حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ کنت العب بالبنات عند النبی وکانت لی صواحب یلعبن معی فکان رسول اللہ اذا دخل ینقمعن منہ فیسربھن الی یلعبن معی (مشکوۃ المصابیح جامع الاصول بجمع بین الصحیحین) میں رسالت مآب کے پاس بیٹھکر گڑیا کھیلا کرتی تھی اور میری چند سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں جب رسالت مآب تشریف لاتے تھے تو وہ چھپ جاتی تھیں پس رسول انھیں میرے ساتھ کھیلنے کے لیے پھر بھیجدیا کرتے تھے۔ محدث دہلوی اس روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "در تصویرات نبات رخصتے ہست" گڑیا بنانے اور کھیلنے کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

اجازت دی گئی ہے۔

بہرحال اس تذکرے کو چھوڑیے۔ قبر کی نقل بنا کر اس کی تعظیم کرنے کی ہدایت زبان رسالت سے سننا چاہتے ہوں تو اس روایت کو ملاحظہ فرمایئے۔

ان رجلاً من الاصحاب جاء الی النبی صلعم فقال یا رسول اللہ انی حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة والحور العین فامرہ النبی صلعم ان یقبل رجل الام وجبهة الاب قال یا رسول اللہ ان لم یکن ابوان فقال قبل قبرهما فقال ان لم اعلم قبرهما قال خط خطین فاحدهما قبر الام والآخر قبر الاب فقبلهما ولا تحنث فی یمینک (کفایۃ الشعبی)

ایک صحابی نے رسالت مآب سے عرض کیا کہ میں نے جنت کی چوکھٹ اور حور العین کا بوسہ لینے کی قسم کھائی ہے، رسالت مآب نے اس کو حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کا بوسہ لے۔ اس نے عرض کیا کہ اگر ماں باپ زندہ نہ ہوں تو کیا کروں ارشاد ہوا کہ ان کی قبر کا بوسہ لے اس نے پھر سوال کیا کہ اگر مجھے ان کی قبر بھی نہ معلوم ہو تو کیا حکم ہے۔ رسالت مآب صلعم نے ارشاد فرمایا کہ دو خط کھینچ۔ ایک کو ماں کی قبر فرض کر لے دوسرے کو باپ کی قبر سمجھ لے اور دونوں کو بوسہ دے اور قسم میں جھوٹا نہ بن۔

یہ روایت تو اتنی مفصل ہے کہ کسی قسم کے تبصرہ کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

ماتم | عہد رسالت میں رسم ماتم کے متعلق کوئی روایت پیش کرنے سے میں فی الحال قاصر ہوں اسے میں اپنی کوتاہ نظری پر محمول کروں گا لیکن حسب ذیل واقعہ میرے اثبات مدعا کے لئے بہت کافی ہے۔

ان المتوکل امر ان یقام الموضع الذی وقف فیہ الناس للصلوۃ علی الامام احمد فبلغ مقام الفی الف وخمس مائة الف ووقع الماتم فی اربعة اصناف فی المسلمین والیهود والنصاری والمجوس (حیوۃ الحیوان دمیری)

Presented By: https://jafrilibrary.com

یعنی متوکل نے حکم دیا کہ جس مقام پر امام احمد بن حنبل کے جنازہ پر نماز پڑھی گئی تھی وہاں ماتم برپا کیا جائے۔ پس وہاں ۲۵ لاکھ آدمیوں کا مجمع ہو گیا اور مسلمان، یہودی، عیسائی، مجوسی چار مذہب والوں نے ان کا ماتم کیا۔

یہ وہی متوکل ہے جس نے فرزند رسول کے مرقد انور کا نشان تک مٹا دینا چاہا تھا مگر آج وہ امام احمد بن حنبل کی عقیدت میں ایسا سرشار ہے کہ ان کے ماتم کا اہتمام خود کرتا ہے اور اس کی سرپرستی میں چار فرقے ان کا سوگ مناتے ہیں یہاں تک کہ ماتمیوں کی تعداد پچیس لاکھ تک پہونچ جاتی ہے اور اس وقت کسی کو لب کشائی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ماتم بدعت ہے بلکہ تاریخوں میں اس کے لئے فخر آمیز انداز بیان اختیار کیا جاتا ہے۔

لیکن آپ یہ نہ سمجھیں کہ ماتم حسینؑ کے ذکر میں بھی چہرے کی یہی بشاشت اور قلم کی یہی روانی قائم رہے گی۔ علامہ سیوطی تاریخ الخلفاء میں خلیفہ مطیع کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ واقمن المأتم علی الحسین وھذا اول یوم نیح علیہ ببغداد واستمرت ھذہ البدعۃ سنین۔ یعنی عورتوں نے حسینؑ پر ماتم برپا کیا اور یہ پہلا دن تھا کہ حسینؑ پر بغداد میں نوحہ کیا گیا اور یہ بدعت کئی سال تک جاری رہی۔" افسوس کہ ان عمائدین اسلام کی نظر میں فرزند رسول کی عزت امام احمد بن حنبل کے برابر بھی نہیں تھی۔ ؎

تفو بر تو، اے چرخ گرداں، تفو

آخر میں مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ امتداد زمانہ ہر درد کی دوا اور ہر غم کی تسلی بن جاتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حسینؑ کا غم آج تیرہ سو برس گذر جانے کے بعد بھی اسی طرح تازہ ہے۔ اور یہ امر اس حقیقت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ عزائے حسینؑ کو الٰہی تائید حاصل ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

عزاداریِ سید الشہداء

اسلامی نقطۂ نظر سے

۲۴؍جون ۱۹۸۵ء کے "رضاکار" میں "مرزا احمد علی لاہوری کفایت حسین، محمد اسمٰعیل، محمد بشیر اور جملہ اکابرین مذہب اہل تشیع کے نام صدر و مبلغ تحریک تنظیم اہل سنت پاکستان حضرت علامہ مولانا دوست محمد قریشی کی کھلی چٹھی" کے عنوان سے عزاداری کے متعلق سات سوالات شائع ہوئے ہیں۔ تحریک تنظیم اہل سنت کے آداب شرافت اور معیار اخلاق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ اپنے نام کے ساتھ تو حضرت علامہ اور مولانا سب کچھ بقلم خود لکھا جا رہا ہے اور علمائے شیعہ کے نام کے ساتھ "صاحب" جیسا عام اخلاقی لفظ بھی لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ "اپنے منہ میاں مٹھو" کی اس سے واضح تر مثال ملنی مشکل ہے۔ بہرحال میرا شمار "اکابرین مذہب اہل تشیع" میں تو نہ کبھی تھا نہ آئندہ اس کی ہوس ہے اور جو اکابر ہیں وہ ایسے مہمل اعتراضات کو سن کر آیۂ قرآن واذا مروا باللغو مروا کراما (جب وہ لوگ کسی لغو کی طرف سے گذرتے ہیں تو بزرگی کے ساتھ گذر جاتے ہیں) پر عمل کرتے ہوئے ؎

جواب جاہلاں باشد خموشی

کے مطابق توجہ بھی نہ کریں تو مناسب ہے۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ ایسے مزخرفات کو بغیر جواب چھوڑ دینا ان مبلغین تحریک تنظیم اہل سنت کی جراتوں میں اضافہ کا سبب ہوگا اس لئے ان کے تمام سوالات کے مختصر تحقیقی جوابات قلمبند کر رہا ہوں ؎

تا سیہ روئے شود ہر کہ در و غش باشد

Presented By: https://jafrilibrary.com

"حضرت علامہ مولانا دوست محمد قریشی" کے الفاظ یہ ہیں۔ "واضح فرمایئے۔

(۱) کہ کیا موجودہ طور پر مراسم عزاداری آئینہ کذائیہ دربایں طور وطریق) مذہبی حیثیت سے فرض ہے یا سنت ہے یا مستحب یا بدعت۔

(۲) اگر فرض ہے تو آیت مع رکوع و سورہ تحریر کیجئے۔ اور اگر سنت ہے تو فرمایئے کہ سنت رسول ہے یا سنت ائمہ۔

(۳) اگر سنت رسول ہے تو سنت قولی ہے یا فعلی۔

(۴) اگر سنت قولی ہے تو ثابت کیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سینہ کوبی، زنجیر زنی، ماتمی جلوس، سیاہ لباس، گھوڑا نکالنے کا کہیں حکم فرمایا۔

(۵) اگر سنت فعلی ہے تو کیا حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی یاد میں ایسا کیا۔

(۶) اگر سنت ائمہ ہے تو ثابت کیجئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات کی وفات کے بعد آپ کی یادگار بہیئت کذائیہ تعزیہ بنایا اور ماتم کیا۔

(۷) کیا سیدنا حسینؑ کی شہادت کے بعد کسی امام نے ایسے اعمال کا ارتکاب کیا۔ اگر کیا ہے تو اپنی کتابوں سے اس کا ثبوت بہم پہنچائیں اور ایک ایک حدیث کے مقابلے میں ایک ایک سو انعام لیں ورنہ اعلان کر دیں کہ موجودہ طرز پر عزاداری یقیناً خلاف شرع ہے اور بدعت ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

منتظر جواب:۔ فقیر دوست محمد قریشی عفی عنہ"

ان میں سب سے زیادہ اہم پہلا سوال ہے اور میں دوست محمد صاحب قریشی کی تسکین قلب اور تشفی خاطر کے لیے فی الحال بیان لیتا ہوں کہ عزاداری بدعت ہے۔ اب تو آپ خوش ہو گئے ہوں گے کہ ایک شیعہ نے عزاداری کا بدعت

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہونا تسلیم کرلیا لیکن ذرا خوش ہونے سے پہلے عقل و خرد کو مجتمع کر کے اس جواب کی تفصیل بھی سن لیجئے۔

اگر عزاداری بدعت ہے؟

دراصل آپ جیسے کٹھ ملا لوگ عوام کو یہی کہہ کر بھڑکاتے ہیں کہ عزاداری بدعت ہے تعزیہ بدعت ہے۔ علم بدعت ہے مجلس بدعت ہے۔ رونا بدعت ہے یہ بدعت ہے۔ اور وہ بدعت ہے غرض جہالت اور تعصب کی عینک لگا لینے کے بعد آپ حضرات کو ہر جگہ اور ہر طرف بدعت ہی بدعت نظر آتی ہے اور بدعتوں کے اس ہنگامہ سے آپ پر ایسا ہول طاری ہو جاتا ہے کہ آپ حضرات اختلاجی "دوروں" میں مبتلا ہو کر محرم کے قبل ہی سے دیہاتوں کی سیر کو نکل جاتے ہیں اور سیدھے سادے عوام کی گمراہی میں شیطان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اور ان کے سامنے یہ دلیل رکھتے ہیں کہ چونکہ عزاداری کے رسوم رسول اللہ کے بعد جاری ہوئے ہیں لہٰذا یہ بدعت ہیں اور یقیناً خلاف شرع ہیں یہی آپ لوگوں کی وہ مایہ ناز دلیل ہے جس کے بل پر آپ یزید، متوکل، غزالی اور قاضی ابن عربی کے منصوبوں کو پورا کر کے حسین کا نام مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں اور اسی دلیل کے استحکام کی نیت سے آپ نے بعد کے چھ سوالات تحریر فرمائے ہیں کہ اگر ان باتوں کا جواب نفی میں ملے تو آپ یہ اعلان کر سکیں کہ جب رسول یا امام نے ان کاموں کو نہیں کیا تو یہ یقیناً خلاف شرع ہیں اور بدعت ہیں اور میں آپ کو یہی جتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر عزاداری حسینؑ کو بالفرض رسول کے بعد کی ایجاد مان بھی لیا جائے جب بھی اس کو "حلقہ احترام" سے نکال "دائرہ تحریم" میں داخل نہیں کیا جا سکتا اور حرام یا خلاف شریعت نہیں کہا جا سکتا!

"بدعت" کے لغوی معنی "نئی چیز" کے ہیں چنانچہ صراح جلد ثانی (باب العین فصل البا) میں ہے کہ "بداعۃ نو پیدا آوردن رسمے در دین بعد از اکمال"
حضرات اہل سنت کی مشہور کتاب "مجمع البحرین" میں ہے کہ ما لم یکن فی زمنہ صلعم فہو بدعۃ (جو کچھ رسول صلعم کے زمانہ میں نہیں تھا وہ بدعت ہے)

Presented By: https://jafrilibrary.com

مشہور لغت کی کتاب قاموس میں ہے کہ البدعۃ بالکسر الحدث فی الدین بعد الاکمال اوما استحدث بعد النبی صلعم من الاھواء والاعمال (بدعت تکمیل دین کے بعد نئی چیز کا پیدا کرنا یا رسول صلعم کے بعد جو عقاید یا اعمال جاری ہوئے ہیں)

میں بہ کمال کشادہ دلی بدعت کی ان تمام تعریفات کو مان لیتا ہوں لیکن مشکل یہ ہے کہ ان تعریفات کو مان لینے کے بعد نہ صرف عزاداری بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اسلام کے تمام ارکان کو بھی خیرباد کہہ دینا پڑتا ہے کیونکہ:-

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب خلیفہ ثالث حضرت عثمان کی قائم کردہ ہے اس لئے اس ترتیب کے مطابق قرآن پڑھنا بدعت ہے قرآن مجید پر اعراب حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے بعد لگائے گئے ہیں اور نقطے حجاج بن یوسف کے زمانے میں لگائے گئے ہیں اس لئے اعراب دار اور نقطہ دار قرآن رکھنا اور پڑھنا بدعت ہے۔ رسول کے زمانے میں قرآن خط کوفی میں لکھا جاتا تھا اس لئے اس کو خط نسخ یا نستعلیق میں (جس میں اب قرآن لکھا جاتا ہے) لکھنا اور پڑھنا بدعت ہے قرآن کے تیس پارے اور سات منزلیں قاریوں نے اپنی سہولت کیلئے بہت بعد میں قائم کی ہیں لہذا پارہ یا منزل کی پابندی کرتے ہوئے قرآن چھاپنا۔ لکھنا۔ پڑھنا یا اس کے مطابق حوالہ دینا بدعت ہے۔ قرآن کا ترجمہ دوسری زبانوں میں بہت بعد میں شروع ہوا ہے۔ لہذا قرآن کا ترجمہ کرنا یا پڑھنا یا مترجم قرآن رکھنا بدعت ہے۔

چونکہ حضرت عمر وغیرہ احادیث کی تدوین کے سخت مخالف تھے۔ اس لئے اہل سنت میں حدیثوں کی تدوین خلافت راشدہ کے بعد عہد بنی امیہ میں ہوئی ہے لہذا حدیث کی کتابوں کا مرتب کرنا یا ان کو فصل فصل اور باب باب پر تقسیم کرنا یا راویوں یا مضامین کے مطابق ترتیب دینا بدعت ہے۔ حدیث کی جانچ کے لئے راویوں کی جرح و تعدیل کی غرض سے علم رجال تو بہت بعد میں مدون ہوا ہے اس لئے اس علم کی تعلیم حاصل کرنا یا اس کے مطابق عمل کرنا بدعت ہے۔

قرآن کی تفسیریں تو حدیث کی کتابوں کے بعد بھی مدون ہوئی ہیں حالانکہ احمد بن حنبل جیسا

Presented By: https://jafrilibrary.com

جلیل القدر امام اہل سنت اس کا سخت مخالف تھا اس لئے قرآن کی تفسیر لکھنا اور پڑھنا دونوں بدعت ہیں۔

فقہی مسائل کو اپنی عقل اور رائے کے مطابق گھڑ لینا تو دوسری صدی ہجری میں علامہ ابو حنیفہ کی ذات سے شروع ہوا ہے اس لئے ان کی تمام شریعت اور مسائل بدعت ہیں۔ خلافت عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں جب فلسفہ یونان کا چرچا ہوا اور کفر و الحاد بڑھنے لگا تو مسلمانوں کو دین کی حفاظت کے لئے علمائے اسلام نے فلسفیانہ دلیلوں سے اسلامی عقلیہ اور اصول دین کو ثابت کرنا شروع کیا اور اس طرح جو علم پیدا ہوا۔ اس کو علم کلام کہتے ہیں۔ یہ اسلامی علوم میں سب سے جدید علم ہے لہذا اسلامی اصول کو علم کلام کی دلیلوں یعنی عقلی دلیلوں سے ثابت کرنا یقیناً خلاف شرع اور بدعت ہے:

چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری (باب الاقتداء بسنن الرسول) میں علامہ ابن حجر عسقلانی رقمطراز ہیں۔

وما احدث تدوین الحدیث ثم تفسیر القرآن ثم تدوین المسائل الفقہیۃ المولدۃ عن الرأی المحض ثم تدوین ما یتعلق باعمال القلوب فاما الاول فانکرہ عمر وابو موسی وطایفۃ ورخص فیہ الاکثر واما الثانی فانکرہ الامام احمد وطایفۃ یسیرۃ وکذا اشتد انکار احمد للذی بعدہ وما احدث ایضا تدوین القول فی اصول الدیانات واشتد انکار السلف لذالک کابی حنیفۃ وابی یوسف والشافعی۔

ترجمہ: رسول کے بعد پیدا ہونے والی چیزوں میں حدیثوں کی تدوین اور ترتیب ہے اس کے بعد قرآن کی تفسیر ہے اس کے بعد صرف عقل سے پیدا کئے جانے والے فقہی اور شرعی مسائل ہیں پھر اعمال قلبیہ تصوف کی تدوین ہے پس حدیثوں کی تدوین کے مخالف حضرت

Presented By: https://jafrilibrary.com

عمر اور ابو موسیٰ اشعری اور ایک گروہ تھا۔ اور اکثر لوگوں نے اس کی اجازت دی ہے اور تفسیر قرآن کے مخالف امام احمد بن حنبل اور ایک جماعت ہے اور اسی طرح امام احمد بن حنبل قیاس سے مسائل گڑھنے کے شدید مخالف تھے

اور نئی چیزوں میں علم کلام ہے اور سلف اس کے شدید مخالف تھے۔ مثلاً امام ابو حنیفہ ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہ ـــ انتھی۔

یہ تو اسلامی علوم کا حال ہوا اب روزمرہ کی معاشرت (جس کو کوئی شخص احکام فطلے بے نیاز نہیں سمجھتا) کا حال ملاحظہ ہو۔

شیروانی اور ہندو پاکستان کی مختلف وضع اور ڈیزائن کی ٹوپیاں عہد رسول میں نہ تھیں لہٰذا ان کا پہننا بدعت ہے۔ پلاؤ۔ زردہ۔ قورمہ اور مرغ مسلم جن کی طمع میں مریدوں کو اوٹ پٹانگ پر آنے سے روکا جاتا ہے عہد رسول کے بہت بعد کی پیداوار ہیں اور رسول نے تو یقیناً کبھی استعمال نہیں کیا اس لئے ان کا استعمال فرمانا اور کام و دہن کی لذت حاصل کرنا بدعت ہے۔ لین دین کے لئے کاغذی سکوں (نوٹوں) کا استعمال عہد رسول میں کبھی نہیں ہوا۔ لہٰذا نوٹوں سے لین دین کرنا بدعت ہے۔ رسول اللہ کے دور میں خشکی پر بے جان سواریوں سے کبھی راستہ طے نہیں کیا گیا لہٰذا ریل موٹر اور سائیکل پر سفر کرنا بدعت ہے۔

لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا حضرات اہل سنّت ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول نے اپنے بعد خلافت کے لئے کوئی حکم نہیں دیا اسی لئے اجماع وغیرہ کی ضرورت محسوس ہوئی ظاہر ہے کہ وہ اجماع جس سے حضرت ابو بکر کی خلافت ثابت کی جاتی ہے، وہ نامزدگی جس سے حضرت عمر کی خلافت قائم کی جاتی ہے، وہ شوریٰ جس کے مطابق حضرت عثمان کو خلیفہ سمجھا جاتا ہے، اور وہ قہر و غلبہ جس کے ذریعہ معاویہ تخت نشین خلافت ہوا، غرض تمام اصول خلافت رسول کے بعد کی پیداوار ہیں اس لئے یقیناً خلاف شرع اور بدعت ہیں، لہٰذا ان لوگوں کی خلافت مجسم بدعت ہے لہٰذا اگر رسول کے بعد کی پیداوار مان لینے کی وجہ سے عزاداری قابل ترک اور ناجائز

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور بدعت ہے تو پہلے موجودہ تمام قرآنوں کو حضرت عثمان کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے جلا دیجئے اور رسول کے عہد کی ترتیب کے مطابق خط کوفی میں لکھ کر رائج کیجئے اور جب تک ویسا قرآن مرتب نہیں ہوتا اس قرآن کو جو ترتیب سے لیکر اعراب اور نقطہ تک بدعت میں ڈوبا ہوا ہے چھوڑ دیجئے تفسیر دیں حدیثوں اور دوسری عقائد کی کتابوں کو دریا برد کر دیجئے علم رجال اور علم کلام سے کام لینا چھوڑ دیجئے۔ بجز عربی لباس کے دوسرا لباس پہننا حرام قرار دے دیجئے۔ کھانے پینے میں ان تمام چیزوں سے اجتناب کیجئے جنھیں رسول نے کبھی استعمال نہ کیا ہو۔ کاغذی نوٹوں کو سانپ بچھو سمجھ کر الگ رکھئے اور یہ سب کچھ کر لینے کے بعد جب اسلامی علوم اور دنیاوی لذائذ دونوں سے آپ بے لگاؤ ہو جائیں تو "چمنستان خلافت" کو "مبنی بر بدعت" کہہ کر بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیجئے اور ان خلفا سے قطعی بیزاری کا اعلان کر دیجئے جن کی خلافت کی بنیادیں بدعت پر تھیں کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالھا من قرار۔ اگر آپ اپنے درد اسلامی کی نمائش میں سچے ہیں تو پہلے اس طرح سنیت کو خیرباد کہہ لیجئے اس کے بعد ہم سے بھی عزاداری کے متعلق آپ فرمائش کا حق رکھتے ہیں۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ماہم بر باد رفتہ باشد

اب اس کا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیے۔

جب کبھی کوئی کلیہ بنایا جاتا ہے تو یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ عکس کی صورت میں بھی اس کی صحت قائم رہتی ہے یا نہیں۔ "آفتاب نکلا ہوگا تو دن ہوگا" یہ کلیہ اس لئے صحیح ہے کہ اس کا عکس کہ "آفتاب نہیں نکلا ہوگا تو دن نہیں ہوگا" بھی صحیح ہے۔ اس لئے اگر یہ کلیہ قائم کر لیا جائے کہ "ہر وہ چیز جو رسول کے زمانہ میں نہ تھی وہ بدعت اور گمراہی ہے" تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ "کوئی ایسی چیز جو جو رسول کے زمانہ میں تھی بدعت اور گمراہی نہیں ہے"، یعنی کفر اور شرک رسول اللہ کے زمانہ میں بھی تھا لہذا یہ بدعت و گمراہی نہیں ہے۔ زنا اور لواطہ کا ارتکاب عہد رسول میں بھی ہوتا

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھا لہٰذا وہ بدعت اور گمراہی نہیں ہے۔ شراب خواری عہد رسول میں بھی تھی لہٰذا وہ بدعت اور گمراہی نہیں ہے جو اشطرنج عہد رسول میں بھی کھیلا جاتا تھا لہٰذا یہ بدعت اور گمراہی نہیں ہے۔

اسی طرح چوری۔ ڈاکہ۔ رہزنی۔ نفاق۔ کم تولنا۔ جھوٹ بولنا۔ تہمت لگانا۔ گواہی چھپانا۔ قتل مومن۔ مال یتیم کا ناحق کھا جانا۔ سود خواری۔ مال غیر غصب کر لینا۔ غرض دنیا بھر کی برائیاں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں وارد ہوا ہے عہد رسول میں ان سب کا ارتکاب ہوتا تھا ورنہ اس کی ممانعت کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ پس اگر عہد رسول میں ہونا یا نہ ہونا ہی جواز یا عدم جواز کی دلیل ہے تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ یہ سب چیزیں عہد رسول میں موجود تھیں لہٰذا یہ گمراہی نہیں ہیں اور غالباً بدعت کی اس تعریف کے اسی منطقی نتیجہ کو تسلیم کرتے ہوئے :-

(۱) امام ابو حنیفہ نے حکم دیدیا کہ نبیذ (جو کہ شراب) پینا بلکہ اس سے وضو بھی کرنا جائز ہے اور اگر شراب کو ذرا سا جوش دیدیں تو اس کی حرمت اور نجاست دونوں ختم ہو جائیں گی اور پستہ کے برابر بھنگ استعمال کرنے کو جائز قرار دیدیا ہے جیسا کہ اکثر حنفی فقہ کی کتابوں میں ہے۔

(۲) امام شافعی نے دماغ کو تر و تازہ اور چاق و چوبند رکھنے کے لئے شطرنج کھیلنا جائز قرار دیدیا ہے۔

(۳) امام مالک نے لواطہ کو جائز قرار دیا ہے کہ من لاط بعبدہ او باجیرہ جائز (اگر کوئی شخص اپنے غلام یا مزدور سے لواطہ کرے تو جائز ہے) اور امام شافعی نے بھی اس قول کی تصدیق کی ہے اور منجملہ شافعی مذہب کے بہت سے علماء کے یافعی نے اپنی کتاب میں شافعی کا یہ قول لواطہ کے متعلق نقل کیا ہے کہ والقیاس انہ حلال (قیاس کی رو سے لواطہ حلال ہے)

(۴) امام احمد بن حنبل نے بھی امام ابو حنیفہ کی مطابقت کرتے ہوئے بھنگ نوش فرمانے کی اجازت دیدی ہے۔ ناصر خسرو نے انہیں باتوں کو نظم کرتے ہوئے کہا ہے کہ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

شافعی گفت کہ شطرنج مباح است مدام ؎ لیک مبازید کہ جز راست نہ فرمودہ امام
بو حنیفہ باز گفت کہ در باب شراب ؎ کہ ز جوشیدہ بخور تا نبود بر تو حرام
حنبلی گفت کہ گر وا نگرہ بہ غم درمانی ؎ پستہ بہ بنگ تناول کن و سرخوش بخرام
گر کنی پیروی مفتی چہارم مالک ؎ او ہم از بہر تو تجویز کند وطی غلام
بنگ دمے می خور وا غلام کن و باز قمار ؎ کہ مسلمانی ازیں چار امام ست تمام

ترجمہ۔ شافعی نے کہا ہے کہ شطرنج ہمیشہ مباح ہے غلطی مت کرو اس لئے کہ امام نے بالکل صحیح فرمایا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے شراب کے بارے میں اس سے بہتر فتویٰ دیا ہے کہ جوش دی ہوئی شراب پیو تاکہ حرام نہ رہے۔ ابن حنبل نے یہ فرمایا کہ اگر اس کے باوجود غم سے عاجز ہو جاؤ تو ایک پستہ کے برابر بھنگ تناول کر لو اور مست ہو کر گھومتے پھرو اب اگر تمہیں چوتھے مفتی مالک کی پیروی کرنی ہے تو وہ بھی تمہارے لئے لواط کو جائز کرتے ہیں بھنگ گھونٹو۔ شراب پیو اغلام کرو اور جوا کھیلو کیونکہ مسلمانی ان چاروں اماموں سے ختم ہوگئی۔

یہاں پر پاکستان کے اہل سنت کو عموماً اور تنظیم اہل سنت کو خصوصاً مبارک باد دینے کو جی چاہتا ہے کہ ان کے ائمہ نے ان حضرات کے نظریہ بدعت پر کوئی آنچ نہیں آنے دی اور رسول جن برائیوں کی مذمت کرتے ہوئے آئے تھے ان سب کو عہد رسول میں ہونے کی وجہ سے جائز قرار دیکر اس بات پر مہر تصدیق ثبت کر دی کہ واقعاً حلت و حرمت کا دار و مدار قرآن یا حدیث کی مطابقت پر نہیں ہے بلکہ رسول کے زمانے میں ہونے یا نہ ہونے پر ہے اس لئے عزاداری چونکہ عہد رسول کے بعد جاری ہوئی ہے اس لئے بدعت اور حرام ہے ؎

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے
پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

ان تمام حادثات کی اصل وجہ یہی ہے کہ اہل سنت کے نیم ملا خطرۂ ایمان قسم کے لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ "ہر وہ چیز جو رسول کے زمانہ میں نہ ہو وہ بدعت ہے،، اور "کل بدعۃ

ضلالۃ وکل ضلالۃ سبیلھا الی النار" ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم کی طرف لیجاتی ہے" حالانکہ یہ نظریہ یکسر غلط اور مہمل ہے اور شیعہ سنی دونوں فرقوں کے اہل علم اس کی تردید کرتے آئے ہیں۔

تمام دنیا کے اہل عقل اس بات پر عملاً متفق ہیں کہ قانون تعزیرات میں صرف انھیں باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ناجائز اور غیر قانونی ہوتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان [illegible] باتوں کے علاوہ تمام چیزیں جائز ہیں یہی وجہ ہے کہ کسی قانون کی کتاب میں یہ لکھا ہوا نہیں ملے گا کہ دھوبی سے کپڑا دھلوانا جائز ہے۔ لیکن یہ ضرور ملے گا کہ اگر دوسرے سے کام لے اور اس کی اجرت نہ دے تو یہ حرکت خلاف قانون ہے اور اس کے تدارک کی صورتیں لکھی ہوں گی۔ اور اس طریقۂ بیان کی اصل وجہ یہ ہے کہ دنیا میں جائز چیزوں اور کاموں کا شمار کرنا ناممکن ہے۔ اس کے برخلاف ناجائز اور خلاف قانون حرکتوں کی تفصیل نسبتاً آسان ہے۔ اس لئے قانون انھیں باتوں کو بیان کر کے خاموش ہو جاتا ہے اور ان کے علاوہ باقی تمام کام اور چیزیں جائز اور قانونی سمجھی جاتی ہیں۔

چنانچہ رسالتمآب صلعم کی متفق علیہ حدیث ہے کہ کل شی مطلق حتی یرد فیہ نھی" (ہر چیز جائز ہے جب تک اس کے بارے میں ممانعت نہ وارد ہو) اسی طرح دوسری حدیث اساس الاصول میں ہے کہ الاشیاء مطلقۃ مالم یرد علیک امر" ونھی" (تمام چیزیں جائز ہیں جب تک تمہارے پاس ان کے متعلق کوئی حکم یا ممانعت نہ پہنچے) اسی کتاب میں تیسری حدیث نبوی ہے کہ کل شی یکون فیہ حلال وحرام فھو لک حلال ابداً مالم تعرف الحرام بعینہ فتدعہ (ہر چیز جس میں حلال اور حرام ملا ہوا ہو وہ تیرے لئے مطلقاً جائز ہے جب تک تو خاص طور سے حرام کو نہ پہچان لے اس صورت میں حرام کو چھوڑ دینا ہوگا)۔

رسالتمآب صلعم کے یہ ارشادات گرامی (جن میں پہلی حدیث شیعوں کے یہاں بھی ہے) اور دوسری اور تیسری حدیثیں خاص اہل سنت کی ہیں) صاف طور سے اس امر کو ظاہر کر رہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہیں کہ اسلامی شریعت بھی دنیا کے دوسرے قوانین کی طرح اسی اصول پر قائم کی گئی ہے کہ "جس کی ممانعت نہ ہو وہ جائز ہے" لیکن یہ نیم ملّا حضرات یہ اصول وضع فرما رہے ہیں کہ "جس چیز کی صاف اجازت نہ ہو وہ ناجائز ہے" ؏

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

حالانکہ رسالتمآبؐ کی مشہور حدیث ہے کہ من سن سنة حسنة کان له اجرها واجر من عمل بها ومن سنّ سنة سيئة کان عليه وزرها ووزر من عمل بها (مجمع البحرین) جو شخص کوئی نیا اچھا طریقہ جاری کرے اس کو خود اپنا ثواب بھی ملے گا اور قیامت تک جو لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے برابر بھی ثواب ملے گا اور جو شخص کوئی خراب طریقہ نکالے اس پر اپنا عذاب بھی ہوگا اور قیامت تک جو لوگ اس کی پیروی کریں گے ان سب کے برابر بھی عذاب ہوگا۔

اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ نیا طریقہ محض نیا طریقہ ہونے کی وجہ سے قابل ترک، ناجائز اور گناہ نہیں ہے بلکہ اگر اس میں اچھائی ہے تو اس پر ثواب ملے گا اور اگر وہ خراب طریقہ ہے تو اس پر عذاب ہوگا۔ اسی لئے "مجمع البحرین" میں اس کی تشریح موجود ہے کہ۔

البدعة بدعتان بدعة هدی وبدعة ضلال فما کان في خلاف ما امر الله به ورسوله فهو في حيز الذم والانکار وما کان تحت عموم ماندب الله اليه وحضّ عليه ورسوله فهو في حيز المدح.

بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعت ہدایت (۲) اور بدعت گمراہی۔ پس جو بدعت حکم خدا و رسول کے خلاف ہو وہ مذموم اور لائق انکار ہے اور جو ان احکام کے عموم میں داخل ہو جن پر خدا و رسول نے ابھارا ہے اور رغبت دلائی ہے وہ ممدوح اور قابل تعریف ہے۔

اسی طرح امام شافعی نے فرمایا ہے۔

البدعة بدعتان محمودة ومذمومة فما وافق السنة فهو محمود وما

Presented By: https://jafrilibrary.com

خالفها فهو مذموم (فتح الباری شرح صحیح بخاری)

بدعت کی دو قسمیں ہیں بدعت محمودہ (پسندیدہ بدعت) اور بدعت مذمومہ۔ پس جو بدعت سنت کے موافق ہو وہ محمود ہے اور جو سنت کے مخالف ہو وہ مذموم ہے۔

آخر میں سب سے زیادہ تفصیل خود فتح الباری شرح صحیح البخاری میں علامہ ابن حجر عسقلانی نے اسی کتاب کے "باب الاقتدار بسنن الرسول" میں تحریر فرمائی ہے کہ۔ ثم ان المعروف بین الجمهور تقسیم البدعة الی الاقسام الخمسة فالواجبة منها نظم ادلة المتکلمین للرد علی الملاحدة والمبتدعین والمندوبة تصنیف کتب العلم وبناء المدارس ومن المباحة البسط فی الوان الاطعمة.... ومن المکروهة التنعم فی الملابس والماکل بما لا یؤدی الی الاسراف المحرم ومن المحرمة قتال اهل الحق البغی علی الامام وکل ما خالف الشریعة ودلت علی تحریمه الادلة (انتہی ملخصاً)

جمہور میں یہ بات مشہور ہے کہ بدعت پانچوں قسم (واجب۔ مستحب۔ مباح۔ مکروہ، حرام) کی ہوتی ہے پس مثلاً ملحدوں اور بدعتیوں کی تردید کے لئے کلامی دلیلوں کا منظم کرنا واجب بدعت ہے اور علمی کتابوں کی تصنیف اور مدرسوں کی بنیاد ڈالنا مستحب بدعت ہے اور طرح طرح کے کھانوں میں کشادگی پیدا کرنا مباح بدعت کی مثال ہے اور کھانے پہننے میں تنعم پیدا کرنا جو اسراف ناجائز کی حد تک نہ پہنچے مکروہ بدعت میں داخل ہے اور اہل حق کے قول کے مطابق امام برحق پر بغاوت کرنا حرام بدعت میں شامل ہے اس کے علاوہ وہ بدعتیں بھی حرام ہیں جو شریعت کے مخالف ہوں اور جن کے حرام ہونے پر دلیلیں دلالت کرتی ہیں۔

اسی طرح علمائے شیعہ میں سے شہید اول علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب قواعد میں ارشاد فرمایا ہے "محدثات الامور بعد عهد رسول الله صلعم اقسام لا یطلق اسم البدعة عندنا الا علی ما هو محرم۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

رسول کے بعد جو امور حادث ہوں ان کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہم تو بدعت صرف اسی نئی چیز کو کہتے ہیں جو حرام بھی ہو۔ اور شہید ثانی علیہ الرحمۃ نے شرح لمعہ میں اذان کے ذکر میں فرمایا ہے کہ۔

قد یقال ان مطلق البدعۃ لیس بمحرم بل ربما قسمھا بعضھم الی الاحکام الخمسۃ یہ کہا جاتا ہے کہ ہر بدعت محض نئی چیز ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہے بلکہ بعض علما نے بدعت کی تقسیم پانچوں حکموں (واجب۔ مستحب۔ مکروہ۔ مباح۔ حرام) کی طرف کی ہے۔

سنی اور شیعہ علما کی ان متفق تصریحات سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کسی چیز کے حلال یا حرام ہونے کا دارو مدار اس پر نہیں ہے کہ وہ چیز عہد رسول میں تھی یا نہیں۔ بلکہ اس پر ہے کہ وہ چیز واجب احکام کے تحت میں آتی ہے یا مستحب یا مباح کی دلیلوں کے تحت میں ہے یا مکروہ یا حرام احکام کے تحت میں داخل ہے یعنی نئی چیز محض نئی ہونے کی وجہ سے حرام نہیں ہو جائے گی بلکہ یہ ممکن ہے کہ وہ نئی چیز واجب ہو یا مستحب ہو یا مباح ہو یا مکروہ ہو اور اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ حرام ہو۔

ایک جملہ معترضہ! اب سلسلۂ سخن ان بدعتوں کی تشریح کی اجازت نہیں دیتا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ ان میں سے کون سی بدعت جائز ہے اور کون سی ناجائز ہے لیکن اجمالاً اتنا کہہ دینا ضروری ہے کہ فقہی مسائل کو اپنی عقل اور قیاس سے مرتب کرنا (جیسا کہ امام ابو حنیفہ وغیرہ نے کیا) اور اجماع، نامزدگی شوریٰ یا قہر و غلبہ کے ذریعہ خلافت قائم کرنا یقیناً ایسی بدعتیں ہیں جو قرآن و حدیث کے صریح مخالف ہیں لہٰذا یقیناً بدعت محرمہ اور سبب ضلال اور باعث عذاب ہیں۔ ان کے علاوہ بقیہ بدعتوں میں سے بعض واجب بعض مستحب اور بعض مباح اور کچھ مکروہ ہیں اختصار کے خیال سے اس تشریح کو نظر انداز کرتا ہوں!

باز آمدم بر سر مطلب!

Presented By: https://jafrilibrary.com

گذشتہ تحریر سے یہ واضح ہوگیا کہ عزاداری کو محض نئی چیز کہہ کر حرام قرار دے دینا اصول اسلام کے بالکل مخالف ہے بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ عزاداری رضائے خداوندی اور منشائے الٰہی کے مطابق ہے یا نہیں اس کے بعد اس کے مطابق فیصلہ کر کے عوام کو اس کی طرف دعوت دینا صحیح طریقہ کار ہوگا ورنہ بغیر اس کے بجز گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مراسم عزاداری منشائے الٰہی کے مطابق ہیں!

عزاداری کا مفہوم کیا ہے؟ امام حسین علیہ السلام کے واقعات کی یادگار قائم کرنا۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ خاصان خدا کے افعال اور واقعات کی اجمالی یادگار قائم کرنا رضائے الٰہی کے مطابق ہے یا نہیں۔

ہر مسلمان نماز میں بار بار یہ دعا کرتا ہے کہ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم (خدایا تو ہمیں راہ راست کی ہدایت کر ان کی راہ کی جن پر تو نے اپنی نعمتیں نازل کی ہیں) ظاہر ہے کہ ہمیں اگر ان لوگوں کے حالات اور واقعات اور طریقۂ زندگی کی خبر ہی نہ ہو جن پر خدا کی نعمتیں نازل ہوئیں تو ہم ان کی راہ پر کیسے چل سکتے ہیں لہٰذا یہ دعا اسی وقت قبول ہو سکتی ہے جب ہم مجلسوں میں شریک ہو کر خاصان خدا کی راہ کا مفصل حال معلوم کر لیں اور یہ بھی جان لیں کہ مغضوب علیہم اور ضالین (گمراہوں) کی کیا راہ تھی تاکہ اس سے بچیں، ورنہ جہل ولاعلمی میں مبتلا رہ کر یہ دعا۔ طوطے کی طرح رٹتے رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اسلام کا رکن اعظم "حج" ہے جو از اول تا آخر حضرت ابراہیم و اسمٰعیل و ہاجرہ صلوات اللہ علیہم کے واقعات کی یادگار ہے۔ آٹھویں ذی الحجہ کو "یوم ترویہ" کہتے ہیں اور اس کے لئے مخصوص اعمال ہیں اس نام کا سبب یہی ہے کہ اس شب میں حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ حضرت اسمٰعیل کو ذبح کر رہے ہیں اور دن بھر اسی خواب کے متعلق "ترویہ" (غور و فکر) کرتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

رہے اس دن کے اعمال بھی اسی کی یادگار ہیں۔

نویں ذی الحجہ کو "یوم عرفہ" کہتے ہیں اس کا سبب یہی تو ہے کہ اس شب دوبارہ خواب دیکھنے کے بعد حضرت ابراہیم کو عرفان (یقین معرفت) حاصل ہوگیا کہ یہ خواب حکم الٰہی پر مبنی ہے اس دن کے اعمال اسی کی یادگار ہیں۔

ایک قول یہ ہے کہ حضرت آدم و حضرت حوا زمین پر آئے تو انہیں علیحدہ علیحدہ جگہوں پر اتارا گیا اور ایک عرصہ دراز کے بعد دونوں حضرات نے میدان عرفات میں ایک دوسرے کو دیکھا اور دور فراق ختم ہوا۔ اس لئے اس میدان کو عرفات کہتے ہیں کہ یہیں انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچانا اور وہ دن اسی مناسبت سے روز عرفہ کہلاتا ہے۔ بہر طور یہ بھی دو خاصانِ خدا کی یادگار ہے۔

اسی واقعہ کی یادگار ہیں اور شعائر اللہ (خدا کی نشانیوں) میں داخل ہیں ارشاد باری ہے والبدن جعلنٰها لكم من شعائر الله (سورۂ حج) ترجمہ (اور قربانی کے جانوروں کو ہم نے تمہارے لئے خدا کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے) صفا اور مروہ کے درمیان سات بار سعی کرنا حج کا اہم رکن ہے۔ یہ کیا ہے بجز اس واقعہ کی یادگار کے کہ حضرت ابراہیم جب حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل کو مکہ میں بحکم خدا پہنچا کر شام واپس چلے گئے اور یہاں مشک کا پانی ختم ہوگیا تو حضرت ہاجرہ بچہ کے لئے پانی کی تلاش میں سات مرتبہ ان پہاڑیوں کے درمیان دوڑی تھیں۔ آج یہ سعی ارکان حج میں داخل ہے اور صفا و مروہ پہاڑیاں شعائر اللہ میں داخل ہیں ان الصفا والمروة من شعائر الله (سورۂ بقرہ) بیشک صفا اور مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں۔

آج آب زمزم حاجیوں کا سب سے بڑا تبرک سمجھا جاتا ہے اس پانی کو برکت کیوں حاصل ہوئی؟ صرف اس نسبت کی بنا پر کہ حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں دوڑ رہی تھیں اس وقت اسمٰعیل نے پیاس سے بیتاب ہو کر زمین پر ایڑیاں رگڑنی شروع کیں اور بحکم خدا وہاں پانی کا چشمہ ابل پڑا اسمٰعیل کے قدموں سے منسوب ہو کر آب زمزم باعث برکت

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور باعث شفا بن گیا۔

مقامِ ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر خانۂ کعبہ کی دیواریں بلند کی تھیں اور بہ اعجاز آپ کے قدموں کا نشان اس پر ثبت ہو گیا آج وہ پتھر ایسی عظمت کا حامل ہے کہ ارشاد باری ہے کہ واتخذوا من مقام ابراھیم مصلےٰ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ۔ اور تم لوگ مقام ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔ اور اس طرح اس کو خدا کی روشن نشانیوں میں سے قرار دیا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ فیہ آیات بیّنات مقام ابراھیم (آل عمران) خانہ کعبہ میں بہت سی روشن نشانیاں ہیں منجملہ ان کے مقام ابراہیم ہے۔

اس دنبہ کی سینگیں جو حضرت اسمٰعیل کے عوض ذبح ہو گیا تھا خانہ کعبہ میں بعزت و احترام محفوظ تھیں اور عہد رسالت مآبؐ تک اور دور خلافت راشدہ میں بھی محفوظ رکھی گئیں، یہاں تک کہ یزید نے جب عبداللہ بن زبیر کے محاصرہ کا حکم دیا تو اس وقت اس کی فوج نے منجنیق سے آگ اور پتھر خانۂ کعبہ پر برسائے جس میں خانۂ کعبہ کے پردے جل گئے اور منجملہ دیگر تبرکات کے وہ دونوں سینگیں بھی جل گئیں۔ گذشتہ امتوں میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے پاس بحکم الٰہی ایک صندوق تھا جس کو "تابوت سکینہ" کہتے تھے اس میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون اور ان کی اولاد کے تبرکات رکھے ہوئے تھے اور وہ تابوت بنی اسرائیل کے لئے باعث برکت قرار دیا گیا تھا یہاں تک کہ اسے جنگ میں فتح پانے کے لئے لشکر کے آگے رکھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ تابوت دشمنوں نے چھین لیا اور بنی اسرائیل قعر ذلت میں گر گئے۔ دوبارہ طالوت کی سرداری کے وقت خدا نے جہاں اور خوش خبریاں دیں وہاں یہ بھی تھی کہ۔

وقال لھم نبیّھم ان اٰیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک اٰل موسیٰ واٰل ھارون تحملہ الملٰئکۃ (سورۂ بقرہ)

ترجمہ۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ طالوت کے منجانب اللہ بادشاہ ہونے کی یہ پہچان ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تسکین دہ چیزیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور ان تبرکات سے بچا کھچا ہوگا جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد یادگار چھوڑ گئی ہے اور صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوں گے۔

ان تمام واقعات سے یہ صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ خاصان خدا کی یادگار قائم کرنا نہ صرف مستحسن بلکہ اتنا اہم ہے کہ خدا نے اکثر حالات میں اس کو واجب ارکان میں داخل کر دیا ہے۔ خاصان خدا سے جو چیزیں منسوب ہو گئیں ان کو شعائر اللہ (خدا کی نشانیوں) میں داخل کر دیا گیا مثلاً صفا، مروہ، قربانی کے جانور وغیرہ اور ان کی تعظیم کو تقویٰ کی علامت قرار دیکر ان کی بے توقیری کو حرام کر دیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب (سورہ حج) یعنی "جو شخص خدا کی نشانیوں کی تعظیم کرے پس یہ بات بے شک دل کے تقویٰ سے ہے" پھر ارشاد فرمایا ہے۔

یا ایہا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشہر الحرام ولا الہدی ولا القلائد الی آخر الآیۃ (سورۂ مائدہ) اے ایماندارو! نہ تو خدا کی نشانیوں کی بے عزتی کرو نہ حرام مہینوں کی نہ قربانیوں کی نہ گلے میں پٹے ڈالے ہوئے جانوروں کی جن کو قربانی کے لئے لے جاتے ہیں۔

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ صرف انبیا ہی کی یادگار نہیں قائم کی گئی ہے بلکہ حضرت ہاجرہ (جو یقیناً نبی نہ تھیں اور غیر معصوم تھیں) کے واقعات بھی قابل یادگار سمجھے گئے اور وہ بھی ایسے واقعات جن کا بظاہر مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں تھا مثلاً اپنے بچے کے لئے پانی کی تلاش میں دوڑنا۔ مزید برآں "تابوت سکینہ" میں جو چیزیں آل موسیٰ اور آل ہارون کے تبرکات میں سے تھیں ان کی فہرست میں حضرت موسیٰ کا عصا، آسمانی ترنجبین، حضرت ہارون کا عمامہ اور جوتیاں بھی شامل ہیں اور خود وہ صندوق وہ تھا جس میں حضرت موسیٰ کو بند کر کے ان کی والدہ نے دریائے نیل میں ڈال دیا تھا۔ ان سب تفصیلات سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ خاصان خدا کے ذاتی واقعات بھی اور ذاتی لوازم بھی پیش خدا اتنی اہمیت کے حامل ہیں کہ ان کی یادگار قائم کر کے ان کو واجب کر دیا ہے اور ان کو شعائر اللہ میں داخل کر کے ان کی تعظیم کو فرض عین قرار دے دیا ہے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ خاصان خدا کے واقعات کی یادگار قائم کرنا خلاف

Presented By: https://jafrilibrary.com

منشائے الٰہی نہیں ہے بلکہ عین مرضی الٰہی کے مطابق ہے غور تو کرو کہ "خلیل خدا" کے فرزند کے "ذبح ناتمام" کی یادگار خدا کو جب اتنی محبوب ہوئی کہ اس کو فرض کر دیا تو "حبیب خدا" کے فرزند کے "ذبح عظیم" کی یادگار کیا مرضی الٰہی کے خلاف ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر ہم بھی حضرات اہلسنت کی طرح رسول اللہ کے بعد مذہب میں کتر و بیونت کرنے اور نئے نئے مسائل گڑھنے کے عادی ہوتے تو عزائے حسین کی اہمیت اتنی تھی کہ اس کو "واجب عینی" کہہ دیتے لیکن اس کو نئی چیز تسلیم کرنے کے بعد بھی کیا کوئی ہے جو مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں حسین کی عزاداری کو مرضی الٰہی کے مطابق نہ سمجھے؟ یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ حسین کی عزاداری خداوند عالم کی رضا کا باعث اور اس کی سنت جاریہ کے مطابق ہے جو اس نے ہمیشہ سے جاری کر رکھی ہے ولن تجد لسنة الله تبديلا (اور تم خدا کی سنت میں کوئی تبدیلی کبھی نہیں پاؤ گے)

حج کے سال بسال فرض ہونے سے اس اعتراض کی قلعی بھی کھل گئی جو اکثر حضرات اہلسنت کرتے ہیں کہ کیا ضرورت ہے کہ اتنے دنوں کے واقعہ کی اب بھی ہر سال یادگار منائی جائے۔ یہ اعتراض تو پہلے حج کے ارکان پر کرنا چاہئے کہ کیا ضرورت ہے کہ ہزاروں برس پہلے کے واقعات کی اب بھی ہر سال یادگار قائم رکھی جائے۔

جو لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ شیعہ "فصل غم" مناتے ہیں وہ ابراہیم و اسمٰعیل کے واقعات کی یادگار کو اوقات کی خدائی زنجیر کا پابند دیکھ کر عبرت حاصل کریں۔

اسی طرح اسمٰعیل کے دنبہ کی یادگار میں ہر سال لاکھوں کروڑوں جانوروں کے ذبح ہونے، ان کے گلے میں پٹے ڈال کر مکہ کی طرف لے جانے اور اس حالت میں ان کی تعظیم فرض ہونے سے یہ معلوم ہو گیا کہ حسین کی سواری کی یادگار قائم کرنا اور اس گھوڑے کی تعظیم کرنا بھی منشائے الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ یقیناً مستحسن ہی ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ وہ جہاد میں کام آنے والا گھوڑا تھا اور وہ بھی ایسا گھوڑا جو تین دن بھوکا پیاسا رہ کر بھی حق وفاداری ادا کرتا رہا اور حسینؑ جیسے راکب دوش رسول کی سواری میں رہا در آں حالیکہ جہاد میں کام آنے والے عام گھوڑوں کی عظمت خدا کی نگاہ میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

اتنی ہے کہ وہ ان کی قسم کھاتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہوتا ہے کہ:۔

والعدیت ضبحا فالموریت قدحا فالمغیرات صبحا فاثرن بہ نقعا فوسطن بہ جمعا۔ (سورۂ عادیات)

غازیوں کے سرپٹ دوڑتے والے گھوڑوں کی قسم جو نتھنوں سے فراٹے لیتے ہیں پھر پتھر پہ ٹاپ مار کر چنگاریاں نکالتے ہیں پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں تو دوڑ دھوپ سے غبار بلند کر دیتے ہیں پھر اس وقت دشمن کے دل میں گھس جاتے ہیں۔

اسی طرح حضرت اسمٰعیل کے لئے پانی کی طلب میں حضرت ہاجرہ کی جدوجہد اور سعی کی یادگار قائم کرنے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر حسینؑ اور ان کے بچوں کی پیاس کی اور اس کے دور کرنے کے لیئے پانی کی تلاش میں عباس کی جدوجہد کی یادگار تازہ رکھی جائے اور مشک سکینہ علم کے ساتھ نکالی جائے اور علی اصغر اور دوسرے پیاسوں کے نام پر دودھ یا پانی یا شربت پلایا جائے تو وہ مرضی الٰہی کے خلاف نہیں بلکہ سنت خداوندی کی متابعت ہے اور مستحسن ہے۔ حضرت موسٰی کے صندوق کو متبرک قرار دینے سے یہ معلوم ہو گیا کہ اگر حبیب خدا کے نور نگاہ علی اصغر کے جھولے کی یادگار قائم کی جائے تو یہ بھی مستحسن اور منشائے الٰہی کی متابعت ہے اور لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا کے مطابق عین ثواب اور باعث ثواب ہے اسی طرح دوسرے تبرکات جو دوسرے بزرگوں کی طرف منسوب ہیں ان کا باعث رضائے الٰہی ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

عزاداری سُنّت ہے!

میری اب تک کی ساری تحریر اس فرض کی بنا پر تھی کہ اگر عزائے حسین کو مع اس کے تمام لوازم کے یکسر نئی چیز یعنی بدعت مان لیا جائے جب بھی وہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن اور باعث ثواب ہے اب میں اس حقیقت کا اظہار کر دوں کہ عزاداری ہرگز نئی چیز نہیں ہے بلکہ سنت ہے۔ "سنت" مان لینے پر آپ کے یہ سوالات وارد ہوتے ہیں کہ:۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

سوال نمبر ۱:۔ اور اگر سنت ہے تو فرمایئے کہ سنت رسول ہے یا سنت ائمہ۔

جواب :۔ بعض مراسم سنت رسول ہیں اور چند مراسم سنت ائمہ ہیں۔

سوال نمبر ۳:۔ اگر سنت رسول ہے تو سنت قولی ہے یا فعلی۔

جواب :۔ بعض چیزیں سنت قولی ہیں اور بعض سنت فعلی۔

سوال نمبر ۴:۔ اگر سنت قولی ہے تو ثابت کیجئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سینہ کوبی۔ زنجیر زنی۔ ماتمی جلوس۔ سیاہ لباس۔ گھوڑا نکالنے کا حکم فرمایا۔

جواب :۔ آپ نے اس فہرست مراسم عزا کو اتنا محدود کیوں کر دیا؟ عزاداری میں تو تعزیہ، مجلس، نوحہ، رونا وغیرہ یہ تمام چیزیں بھی شامل ہیں اس کے علاوہ خود غم حسین منانا خواہ کتنے ہی محدود پیرایہ میں کیوں نہ ہو آپ کے نزدیک حرام ہے جیسا کہ آپ کے امام غزالی نے اس کی اصل وجہ بھی لکھدی ہے کہ یحرم علی الواعظ ذکر مقتل الحسین فانہ یہیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیھم (امام غزالی حسب نقل علامہ ابن حجر مکی در صواعق محرقہ) "واعظ پر حسین کی شہادت کا ذکر حرام ہے کیونکہ اس سے صحابہ کے خلاف ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ان کی برائی کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے" گویا صاف صاف اس امر کا اقرار اس فتوی میں موجود ہے کہ قتل حسین کا لگاؤ کچھ ایسے صحابہ کے کرتوت سے تھا جن کو اہل سنت رسول اور آل رسول سے بھی بڑھ کر سمجھتے ہیں۔

بہر حال مراسم عزاداری میں سے اکثر چیزیں سنت قولی ہیں جن کی تفصیل عنقریب آرہی ہے۔

سوال نمبر ۵:۔ اگر سنت فعلی ہے تو کیا حضور علیہ السلام نے گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی یاد میں ایسا کیا؟

جواب :۔ گذشتہ انبیاء کی مصیبتیں ہمارے پیغمبر اور ان کے اہل بیت کی مصیبتوں کے

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مقابلہ میں کیا اہمیت رکھتی تھیں کہ ان کی یاد اس امت میں قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ؟ آپ شاید ابھی تک حضرت عمر کی سنت کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کہ وہ رسالتمآب کے سامنے بھی توریت کے نسخے لاکر پڑھتے تھے۔ حالانکہ رسالتمآب نے باوجود اپنے خلق عظیم کے ان کو بار بار اس پر جھڑکا اور ڈانٹا بھی تھا۔

جناب والا! رسالتمآب صلعم نے خود اپنے اقربا کی یاد میں اکثر مراسم عزا انجام دیئے ہیں اور ان اقربا میں سب سے زیادہ اہمیت امام حسین علیہ السلام ہی کی ہے کہ قبل واقعہ کربلا اور قبل نزول مصیبت ہی آنحضرت نے اس پر اظہار غم فرمایا ہے جیسا کہ آپ کو عنقریب معلوم ہوگا اور آپ سمجھ لیں گے کہ ان مراسم عزاداری میں سے اکثر چیزیں سنت فعلی ہیں۔

سوال نمبر ۶: اگر سنت ائمہ ہے تو ثابت کیجئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سرور کائنات کی وفات کے بعد آپ کی یادگار میں بہیئت کذائیہ تعزیہ بنایا اور ماتم کیا۔

جواب: حضرت علی علیہ السلام کو تعزیہ بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیونکہ تعزیہ تو قبر کی شبیہ ہے اور جن کے سامنے ہمیشہ اصل قبر موجود رہتی تھی اس کو شبیہ کی کیا ضرورت تھی؟ پھر آپ کی یہ شرط عجیب ہے کہ "بہیئت کذائیہ تعزیہ بنایا کہ نہیں"۔ کیونکہ یہ معلوم ہے کہ تعزیہ روضہ کی شبیہ ہے اور جب اس وقت اصل قبر ہی پر گنبد نہ تھا تو اگر امیر المومنین کبھی دوری کی وجہ سے تعزیہ بناتے بھی تو وہ گنبد دار عمارت کی شکل کا کیونکر ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ یقیناً موجودہ شکل کے تعزیوں سے مختلف ہوتا اور ہم عنقریب آپ کو بتائیں گے کہ خود امیر المومنینؑ نے بھی قبر کی شبیہ بنائی ہے فانتظر

اب رہا ماتم تو آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد جو حزن و اندوہ آپ کے اہلبیت علیہم السلام کو تھا اس کا کچھ حال آپ کی تنقیحات کے مجمل جواب کے بعد عرض کروں گا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

سوال نمبر ۷: کیا سیدنا حسینؓ کی شہادت کے بعد کسی امام نے ایسے اعمال کا ارتکاب کیا اگر کیا ہے تو اپنی کتابوں سے اس کے ثبوت بہم پہنچائیں اور ایک ایک حدیث کے مقابلہ میں ایک ایک سو انعام لیں۔ ورنہ اعلان کردیں کہ موجودہ طرز پر عزاداری یقیناً خلاف شرع اور بدعت ہے۔

جواب: جی ہاں! امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد ائمہ علیہم السلام نے ہمیشہ اس مظلوم کی عزاداری کو تازہ اور قائم رکھا اور آپ کے خلفا بنی امیہ و بنی عباس کے دور سراسر جور میں جہاں تک ممکن ہوا اس غم کی اہمیت واضح فرماتے رہے لیکن یہ یاد رکھیئے کہ اس دور میں ان حضرات ائمہ کا حال وہی تھا جو رسالت مآبؐ کا قبل ہجرت کفار مکہ کے درمیان تھا اور خوف کی شدت کا معیار برابر تھا اس لئے جس طرح مکہ کے قیام کے زمانہ میں علی الاعلان نماز پنجگانہ نہ ہونے سے اصل نماز کے مطلوب باری نہ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا اسی طرح اس جورآگیں زمانہ میں علی الاعلان ماتمی جلوس نہ نکلنے سے اس کے خلاف شرع ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جاسکتا۔

آپ نے ہمارے ائمہ کرام کے طرز عمل کے متعلق بہت صفائی سے یہ لکھ دیا ہے کہ ہم اپنی کتابوں سے ان کے طرز عمل کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ خیر کم از کم آپ نے یہ اقرار تو کرلیا کہ ان حضرات ائمہ اثنا عشر (جن کے معصوم اور واجب الاطاعۃ ہونے کے مدعی آپ بھی ہیں) سے آپ حضرات اہلسنت کا لگاؤ محض زبانی ہے اور یہ کہ جہاں تک ان کے فرمودات اور معمولات کا تعلق ہے اہلسنت کی کتابیں بالکل کوری ہیں اور تمسک بالثقلین کا یہ دعویٰ محض بلادلیل ہے۔

آپ نے ہاتھ کی دوسری صفائی یہ دکھائی کہ لکھا ہے کہ "ایک ایک حدیث کے مقابلہ میں ایک ایک سو انعام لیں" عقلمندی اسی میں تھی کہ "سو" کے بعد اس کی "تمیز" نہ لکھی جائے کہ آپ ایک ایک سو دعائیں دیں گے یا انعام میں ایک ایک سو

Presented By: https://jafrilibrary.com

ظلم پیش کریں گے تبرّا کو نماپ کر دینا اور دو میں کیا کہلاتا ہے؟

اب یہی آپ کی یہ بات کہ اگر ہم حدیثیں پیش کر سکیں تو اعلان کر دیں کہ موجودہ طرز پر عزاداری یقیناً خلاف شرع ہے اور بدعت ہے اس کا جواب میں نے سب سے پہلے دیدیا ہے کہ اگر بفرض محال اس کو نئی چیز مان بھی لیں جب بھی عزاداری خلاف شرع اور حرام نہیں ہے بلکہ مستحسن اور رضائے الہٰی کا باعث اور موجب ثواب ہی ہے۔ آپ کا کیا ذکر ہے اگر آپ کے فرقے کے سارے علمائے روئے زمین مل کر اس کی تردید کر سکتے ہوں تو ؎

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودها الناس والحجارة

آخر میں آپ لکھتے ہیں کہ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین اس لئے اب میں ان مراسم عزاداری کے لئے تفصیلی دلیلیں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

① حسینؑ کی عزاداری بحیثیت اجمالی!

(الف) سنّتِ رسول عملی ہے امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں ایک طویل حدیث نقل کی ہے جو امیرالمومنین حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ:۔

قال دخلت علی النبی صلعم ذات یوم وعیناہ تفیضان قلت یا نبی اللہ اغضبک احد ماشان عینیک تفیضان قال بل قام من عندی جبرئیل قبل فحدثنی ان الحسین یقتل بشط الفرات قال فقال (جبرئیل) ھل لک الی ان اشمک من تربتہ قال قلت نعم فمد یدہ فقبض قبضۃ من تراب فاعطانیھا فلم املک عینیّ ان فاضتا:

Presented By: https://jafrilibrary.com

(روایت اہلسنت) حضرت علی نے فرمایا کہ میں ایک روز رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ میں نے کہا کہ یا نبی اللہ کیا آپ کو کسی نے رنج پہنچایا ہے؟ آپ کی آنکھوں سے آنسو کیوں جاری ہیں؟ رسول نے فرمایا کہ بلکہ وجہ یہ ہے کہ جبرئیل ابھی میرے پاس سے اٹھے پس مجھ سے بیان کیا کہ حسین ساحل فرات پر قتل کیا جائے گا پھر جبرئیل کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو وہاں کی خاک سونگھاؤں؟ میں نے کہا کہ ہاں! پس جبرئیل نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور ایک مٹھی خاک اٹھاکر مجھے دی۔ پس مجھے اپنی آنکھوں پر قابو نہیں رہ گیا اور بے ساختہ آنسو بہنے لگے ....

یہ روایت اہل سنت کے امام شعبی نے بھی بیان فرمائی ہے اس روایت میں دو باتیں قابل غور ہیں:۔

اوّل:۔ تو یہ کہ رسالتمآبؐ نے قبل واقعۂ شہادت اس خبر کو سن کر اتنا گریہ فرمایا اور اکثر گریہ فرماتے تھے جیسا کہ اس کے علاوہ بھی بہتیری روایتیں فریقین شیعہ و سنی دونوں کی اس کو بتا رہی ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر رسالتمآبؐ بعد واقعۂ شہادت زندہ ہوتے تو کتنا غم فرماتے اور یہیں سے حسینؑ پر غم منانے کا استحباب ثابت ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ رسول اللہ صلعم کو حسینؑ سے جتنی محبت تھی وہ اظہر من الشمس ہے اور حسینؑ رسول کی نگاہوں کے سامنے بھی موجود تھے۔ پھر بھی محض خبر شہادت سنکر رسولؐ نہیں بیٹے بلکہ جب جبرئیل نے خاک کربلا آپ کو دی اس وقت آپ کا یہ حال ہوا فلم املک عینی ان فاضتا (مجھے اپنی آنکھوں پر اختیار نہیں رہ گیا اور وہ بے ساختہ آنسو بہانے لگیں) تو جب رسول کے جذبات کو بھی نقطۂ کمال پر پہنچانے کے لئے ایک غم پیدا کرنے والی نشانی کی ضرورت ہوئی جس کو دیکھکر رسول بے ساختہ رو پڑیں۔ تو ہم لوگوں کے جذبات غم کو ہیجان میں لانے کیلئے تو بدرجۂ اولیٰ ایسی نشانیوں کی ضرورت ہے جن کو نگاہ کے سامنے رکھ کر ہم واقعات کربلا کا منظر یاد کر سکیں کیونکہ ہماری محبت حسینؑ یقیناً رسولؐ کی محبت حسینؑ سے کم اور ہمارا زمانہ ان سے بہت دور ہو گیا ہے:

قبل واقعۂ شہادت صرف دو چیزیں ایسی تھیں جن سے اس واقعہ کا تصور قائم ہو سکتا

Presented By: https://jafrilibrary.com

تھا ایک تو حسین کی ذات ... دوسرے کربلا کی سرزمین اور رسول نے ان دونوں کو ایک جگہ اکٹھا کرکے اس کا تصور فرمایا اور روئے لہٰذا ہم بھی لکم فی رسول اللہ اسوۃ (تمہارے لئے رسول کی ذات میں ایک قابل تقلید عمدہ نمونہ موجود ہے) کے مطابق اس سنت رسول کی پیروی کرتے ہوئے واقعات کربلا کی تمام ممکن نشانیوں کو اپنی نگاہ کے سامنے رکھ کر ان واقعات کا تصور کرتے ہیں۔ اور ہمارا یہ فعل ما آتاکم الرسول فخذوہ (جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے اختیار کرلو) کے مطابق عین مرضی الٰہی ہے۔ اس روایت سے جیسا کہ میں نے عرض کیا تمام شبیہوں (تعزیہ۔ تابوت۔ علم۔ جھولا۔ مشک۔ طوق زنجیر۔ کفن۔ ذوالجناح) کا جواز صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کیونکہ یہ سب چیزیں جذبات غم کو ہیجان میں لانے میں معین اور مددگار ہوتی ہیں اور ان سے خاک کربلا کی طرح واقعات کربلا کا تصور پیدا ہوتا ہے۔

(ب) سنت رسول قولی ہے کہ!

صرف یہی نہیں کہ رسول نے خود عمل فرمایا ہو اور امت کو اس کی تاکید نہ کی ہو۔ بلکہ ہماری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول امت والوں سے بھی عزاداری حسین کے متمنی تھے۔

روی انہ لما اخبر النبی ابنتہ فاطمۃ بقتل ولدھا الحسین وما یجری علیہ من المحن بکت فاطمۃ بکاء شدیدا و قالت یا ابۃ متی یکون ذلک قال فی زمان خال منی ومنک ومن علیؑ فاشتدت بکاءھا وقالت یا ابۃ فمن یبکی علیہ ومن یلتزم باقامۃ العزاء لہ فقال النبی یا فاطمۃ ان نساء امتی یبکین علی نساء اھل بیتی و رجالھم یبکون علی رجال اھلبیتی و یجددون العزاء جیلا بعد جیل فی کل سنۃ فاذا کان یوم القیمۃ تشفعین انت للنساء وانا اشفع للرجال وکل من بکی منھم علی مصاب الحسین اخذنا بیدہ وادخلناہ الجنۃ۔ الحدیث (بحار الانوار جلد ۱۰ عاشر باب ثواب البکاء علی مصیبۃ)

(روایت شیعہ) جب رسولؐ نے فاطمہؑ کو حسینؑ کی شہادت کی خبر دی اور بتایا کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان پر کیا مصیبتیں پڑنے والی ہیں تو فاطمہ پر سخت گریہ طاری ہوا اور سوال کیا۔ بابا جان! یہ واقعہ کب ہوگا؟ رسول نے فرمایا ایسے زمانہ میں جب نہ میں رہوں گا نہ تم رہوگی نہ علی رہیں گے۔ پس فاطمہ اور زیادہ رونے لگیں اور پوچھا کہ بابا جان! تب میرے بچے پر کون روئے گا اور کون اس کی عزا کے قائم کرنے کی پابندی کرے گا؟ پس نبیؐ نے کہا کہ اے فاطمہ! میری امت کی عورتیں میرے اہل بیت کی عورتوں پر روئیں گی اور ان کے مرد میرے اہل بیت کے مردوں پر روئیں گے اور نسلاً بعد نسل ہر سال وہ لوگ اس عزا اور غم کو تازہ رکھیں گے پس جب قیامت کا دن آئے گا تو اے فاطمہ تو عورتوں کی شفاعت کرے گی اور میں مردوں کی شفاعت کروں گا۔ اور جو لوگ حسینؑ کی مصیبت پر روئیں گے ہم ان کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔ تا آخر حدیث۔

(ج) سنّت ائمہ سے ہے | ائمہ علیہم السلام نے عزائے حسین قائم کرنے پر لوگوں کو آمادہ بھی کیا ہے اور خود بھی اس پر عامل رہے ہیں۔ عن ابی هارون المکفوف قال قال لی ابو عبد الله یا اباهرون انشدنی فی الحسین قال فانشدته (الی آخر الحدیث) بحار الانوار حوالہ مذکور)

(روایت شیعہ) امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے ابوہارون! مجھے حسینؑ کا مرثیہ سناؤ۔ ابو ہارون کا بیان ہے کہ میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مرثیہ پڑھا۔ (بقدر ضرورت یہاں درج کی گئی)

بہر حال یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امام نے خود فرمائش کی اور مرثیہ سنا۔ یہ امام کا عمل بھی ہے اور قول بھی ہے۔ اس اجمالی جواز کے ثابت کرنے کے بعد اب میں علیحدہ علیحدہ متعلقات عزاداری کے متعلق احادیث پیش کرتا ہوں۔

۲ مرنے والے پر گریہ!

(الف) سنت رسول عملی ہے | ان روایتوں کو چھوڑ دیجئے جن میں ابراہیم فرزند رسول

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی وفات پر یا زینب کے فرزند کی حالت نزع میں یا ام کلثوم کے دفن کے موقع پر یا سعد بن عبادہ کی بیماری میں رسالتمآبؐ کے گریہ کا ذکر ہے اور جن سے اہل سنت کی مشہور کتاب حدیث "مشکوۃ المصابیح" (باب دفن المیت اور باب البکاء علی المیت) بھری پڑی ہے خود امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے ذکر پر رسولؐ کے رونے کا تذکرہ اور مسند احمد بن حنبل والی روایت میں گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ "مشکوۃ المصابیح" کی حسب ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں۔

عن ام الفضل بنت الحارث ۔ ۔ ۔ فدخلت یوما علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوضعتہ فی حجرہ ثم کانت منی التفاتۃ فاذا عینا رسول اللہ تھریقان الدموع قالت فقلت یا نبی اللہ بابی انت وامی مالک قال اتانی جبرئیل علیہ السلام فاخبرنی ان امتی ستقتل ابنی ھذا فقلت ھذا قال نعم واتانی بتربۃ من تربۃ حمراء۔ (مشکوۃ المصابیح باب مناقب اہل البیت)

(روایت اہل سنت) رسول اللہ کی چچی (حضرت عباس کی زوجہ) ام الفضل کا بیان ہے (ابتدائی واقعات کو چھوڑ کر) کہ پس ایک روز میں رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حسین کو رسول کی گود میں رکھ دیا۔ پھر میری نظر ذرا دوسری طرف پڑی اور اب دیکھتی ہوں کہ رسول اللہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہے میرے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ جبرئیل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ میری امت میرے اس فرزند کو قتل کرے گی میں نے پوچھا۔ کہ اس فرزند کو؟ تو کہا کہ ہاں پھر مجھے وہاں کی سرخ خاک لا کر دی۔

اس حدیث پر زیادہ تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے یہ خود اپنے مطلب کو وضاحت سے آشکارا کر رہی ہے۔

(ب) **سنت رسول قولی ہے**

علاوہ بریں رسول اللہ صلعم نے تصریح فرما دی ہے کہ مرنے والے پر رونا عین رحمت و رقت قلب کی علامت ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

عن انس قال دخلنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... وابراھیم یجود بنفسہ فجعلت عینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تذرفان فقال لہ عبد الرحمٰن بن عوف وانت یا رسول اللہ فقال یا ابن عوف انھا رحمۃ ثم اتبعھا باخری فقال ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون ــ متفق علیہ (مشکوۃ المصابیح باب البکاء علی المیت)

(روایت اہلسنت) ابراہیم فرزند رسول کی وفات کے حالات کے سلسلے میں انس کا بیان ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ کے ساتھ مکان میں داخل ہوئے ...... اور ابراہیم دم توڑ رہے تھے پس رسول اللہ صلعم کی دونوں آنکھوں سے اشک جاری ہو گئے۔ عبد الرحمٰن بن عوف نے کہا کہ یا رسول اللہ آپ بھی روتے ہیں؟ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اے ابن عوف یہ تو رحمت ہے جس کے بعد گریہ بھی لاحق ہوتا ہے پھر ارشاد فرمایا کہ آنکھ روتی ہے دل غمگین ہوتا ہے مگر ہم زبان سے خلاف مرضی الٰہی کچھ نہیں کہتے اور ہم اے ابراہیم تیری جدائی سے بیشک محزون اور غمگین ہیں۔

(ج) سنتِ ائمہ سے | قبل شہادت حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کے گریہ کا حال سنئے!

عن ابن عباس قال کنت مع امیر المومنین فی خرجتہ الی صفین فلما نزل بنینوا وھبط بشط الفرات قال باعلی صوتہ یا ابن عباس اتعرف ھذا الموضع قلت لہ ما اعرفہ یا امیر المومنین فقال لہ لو عرفتہ کمعرفتی لم تکن تجوزہ حتی تبکی کبکائی قال فبکی طویلا حتی اخضلت لحیتہ وسالت الدموع علی صدرہ وبکینا معاً وھو یقول اوہ اوہ مالی ولآل ابی سفیان مالی ولآل حرب حزب الشیطان واولیاء الکفرۃ صبراً یا ابا عبد اللہ فقد لقی ابوک مثل الذی تلقی منھم۔ الحدیث (بحار الانوار جلد عاشر باب اخبار الرسول وامیر المومنین والحسن بشہادتہ)

Presented By: https://jafrilibrary.com

(روایت شیعہ) ابن عباس کا بیان ہے کہ میں امیرالمومنین کے ساتھ تھا جب آپ جنگ صفین کے لئے جا رہے تھے جب نینوا میں پہنچے اور ساحل فرات پر اترے تو بلند آواز سے پوچھا کہ "اے ابن عباس! تم اس جگہ کو پہچانتے ہو؟" میں نے عرض کی کہ "نہیں اے امیرالمومنین" تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم بھی اس کو میری طرح پہچانتے تو یہاں سے میری طرح بغیر روئے ہرگز نہ گذرتے۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ یہ کہہ کر بہت دیر تک روتے رہے کہ ریش مقدس تر ہو گئی اور آنسو سینے پر بہنے لگے اور ہم بھی ساتھ ساتھ روئے۔ اور امیرالمومنین کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ "آہ! آہ! مجھ سے اور آل ابوسفیان سے کیا لگاؤ۔ مجھ سے اور آل حرب! گروہ شیطان، دوستان کفار سے کیا واسطہ! اے حسینؑ صبر کرنا جو صبر کا حق ہے کیونکہ تمہارے باپ کو بھی ان لوگوں سے وہی مصیبتیں پہنچ چکی ہیں جیسی کہ تم کو پہنچیں گی" (تا آخر حدیث)

جناب سیدہ کا گریہ خبر شہادت سن کر اوپر گذر چکا۔ دیگر ائمہ کا حال بھی یہاں بیان کیا جا سکتا ہے مگر بخوف طول ترک کرتا ہوں۔

ایک عجیب خیال!

حضرات اہل سنت کے ذہن میں ایک من گھڑت خیال بٹھا دیا گیا ہے کہ رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے اس کے لئے حضرت عبداللہ بن عمر نے ایک روایت بھی وضع فرمائی کہ:۔

ان المیت لیعذب ببکاء الحی علیہ:۔ میت کے اوپر زندوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے۔ اولاً تو زندوں کے رونے سے بجائے رونے والوں کے مردے پر عذاب کا ہونا ہی عدل باری تعالیٰ کے منافی ہے۔ اور آیات قرآنیہ لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ (کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے صریحی مخالف ہے۔

دوسرے یہ کہ حضرت عائشہ نے اس قول ابن عمر کی صریحی تردید فرمائی ہے کہ رسالتمآب صلعم نے یہ کہا ہی نہیں تھا چنانچہ حسب ذیل روایت ملاحظہ ہو۔

عن عمرۃ بنت عبدالرحمن انہا قالت سمعت عائشۃ وذکر لہا ان

Presented By: https://jafrilibrary.com

عبد اللہ بن عمر یقول ان المیت لیعذب ببکاء الحی علیہ تقول یغفر اللہ لابی عبد الرحمن اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی او اخطاء انما مر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی یھودیۃ یبکی علیھا فقال انھم لیبکون علیھا وانھا لتعذب فی قبرھا متفق علیہ (مشکوۃ المصابیح باب البکاء علی المیت)

(روایت اہل سنت) حضرت ابوبکر کی پوتی عمرہ کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنی پھوپھی حضرت عائشہ کو کہتے ہوئے سنا اس وقت جبکہ ان سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ زندوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ نے کہا کہ خدا ان کی مغفرت کرے انھوں نے عمداً جھوٹ نہیں کہا ہے لیکن وہ بھول گئے ہیں یا سمجھنے میں خطا کی ہے حقیقت صرف اتنی ہے کہ رسول اللہ ایک طرف سے گذرے جہاں لوگ ایک یہودن عورت پر رو رہے تھے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ قبر میں اس پر عذاب ہو رہا ہے (یعنی کافر کے اوپر رونے سے اس کے عذاب میں کوئی کمی نہیں ہوتی) یہ روایت متفق علیہ ہے۔

ایسی ہی ایک اور روایت اس باب میں عبداللہ ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے جس میں آخر میں یہ ہے کہ حضرت عمر نے بھی اس روایت عذاب کا تذکرہ کیا تھا جب عبداللہ بن عباس نے اس کا ذکر حضرت عائشہ سے کیا تو انھوں نے فرمایا کہ۔

یرحم اللہ عمر لا واللہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت لیعذب ببکاء الحی علیہ ولکن اللہ یزید الکافر عذاباً ببکاء اھلہ علیہ وقالت عائشۃ حسبکم القرآن ولا تزر وازرۃ وزر اخری (مشکوۃ المصابیح باب مذکور)

(روایت اہلسنت) خدا حضرت عمر پر رحم کرے۔ قسم خدا کی! رسول اللہ صلعم نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ زندوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے بلکہ یہ فرمایا تھا کہ خدا کافروں کے عذاب میں اضافہ کر دیتا ہے جب زندہ لوگ اس پر روتے ہیں پھر حضرت عائشہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

نے فرمایا کہ تمہارے لئے تو قرآن کافی ہے یہ آیت یاد کر دکہ "کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا"۔

اب اس حقیقت کے انکشاف کے بعد اگر ہم حضرت عمر اور حضرت عبداللہ بن عمر کی صحت روایت وثاقت اور دیانت کو معرض بحث میں نہ لائیں جب بھی یہ کہے بغیر تو نہیں رہ سکتے کہ ؎

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست

حالانکہ رسالتمآب صلعم نے کئی مرتبہ حضرت عمر کو رونے سے منع کرنے پر جھڑکا بھی تھا۔ مگر توبہ کیجئے۔ ان کا خیال اور ان کی عادت رسول کے منع کرنے کے باوجود نہ بدلی۔ مشکوٰۃ کے اسی باب میں کئی روایتیں اس مضمون کی ہیں صرف ایک مختصر روایت ذکر کرتا ہوں:

وعن ابی ھریرۃ قال مات میت من ال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجتمع النساء یبکین علیہ فقام عمر ینھٰھن ویطردھن فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعھن یا عمر فان العین دامعۃ والقلب مصاب والعھد قریب رواہ احمد والنسائی۔ (مشکوٰۃ باب مذکور)

(روایت اہلسنت) آل رسول اللہ صلعم میں کسی کا انتقال ہوا پس عورتیں جمع ہو کر اس پر رونے لگیں عمر اٹھے۔ اور ان کو منع کرنے اور بھگانے لگے پس رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے عمر! ان کو چھوڑ دو کیونکہ آنکھ رو رہی ہے اور دل مصیبت زدہ ہے اور عہد قریب ہے۔ اس روایت کو امام احمد بن حنبل اور امام نسائی نے بیان کیا ہے۔

ان روایتوں سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ گریہ کرنا سنت نبوی کے مطابق ہے اور اس سے روکنا سنت عمر ہے آپ کو اختیار ہے کہ رسول کی راہ ترک کر کے عمر کی سنت پر قائم ہو جائیں۔

۳ تعزیہ ذوالجناح اور شبیہیں

(الف) **شرک کی تعیین** قبل اس کے کہ تعزیہ اور دوسری شبیہوں کے لئے حدیثیں

Presented By: https://jafrilibrary.com

اب اس معیار پر تعزیہ کو جانچئے۔ ظاہر ہے کہ ہم نہ تو تعزیہ کی عبادت کرتے ہیں نہ اس کی پرستش کا کوئی خیال آج تک کسی شیعہ کے دل میں آیا ہوگا کیونکہ ہماری توحید اتنی مستحکم ہے۔ کہ وہاں تک آپ جیسے نو مسلموں کو پیشوا سمجھنے والوں کے وہم کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ آپ کے پیشواؤں نے اپنی نعلین کی بھی پرستش کی اجازت دی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

لو ان رجلا عبد هذه النعل يتقرب به الى الله تعالى لم ار بذلك

باساً (تاریخ بغداد خطیب بحوالہ قاضی ابو الیمن حسب نقل استقصار الافحام جلد ثانی ص ۲۴۲)

اگر کوئی شخص اس جوتی کی عبادت تقرب خدا کی نیت سے کرے تو میرے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے (سبحان اللہ)

جبکہ ہمارے ائمہ نے نعلین جیسی گندی چیزوں کا کیا ذکر کہ رسول اللہ جیسی نور مجسم برگزیدہ ہستی کو بھی حدود الوہیت سے متصل سمجھنے کو منع کیا ہے اور ان کو عبد ہی سمجھنے پر زور دیا ہے۔

بہر حال یہ معلوم ہو گیا کہ تعزیہ بت نہیں ہے:

دوسرا اعتراض ہوتا ہے کہ یہ مجسمہ ہے اور مجسمہ بنانا حرام ہے حالانکہ ایسا اعتراض کرنے والے نہ اسلام سے واقف ہیں نہ ان کو اپنے مذہب کی خبر ہے اسلام کے کسی فرقے نے مطلقاً مجسمہ یا تصویر بنانے کو حرام نہیں قرار دیا ہے بلکہ جاندار کا مجسمہ بنانے کو حرام قرار دیا گیا ہے اب یہ کس سے پوچھوں کہ تعزیہ کس جاندار کا مجسمہ ہے؟ جناب والا! یہ تو ایک عمارت کی نقل یا شبیہہ ہے اور عمارت کی نقل یا شبیہہ بنانا کسی شریعت میں حرام نہیں ہے۔

اور اگر خدانخواستہ یہ جاندار کی بھی شبیہہ ہوتی جب بھی ہم شیعہ ہی اس کو روک سکتے اور ناجائز کہہ سکتے تھے۔ یہ روک ٹوک تو آپ کے منہ سے اس وقت بھی اچھی نہ لگتی کیونکہ آپ کے یہاں تو جاندار کی تصویر اور مجسمے کو بھی نہ صرف جائز قرار دیا گیا ہے بلکہ اس کو رسول کے گھر میں پہنچا دیا گیا ہے۔ مشکوۃ المصابیح باب عشرۃ النساء فصل اول کی یہ حدیث ملاحظہ ہو:

Presented By: https://jafrilibrary.com

دعن عائشہ قالت کنت العب بالبنات عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم وکان لی صواحب یلعبن فکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل ینقمعن منہ فیسربھن الی فیلعبن معی۔ متفق علیہ۔

(روایت اہل سنت) عائشہ کا بیان ہے کہ میں رسالت مآب صلعم کے گھر آنے کے بعد گڑیاں کھیلا کرتی تھی اور میری جتنی سہیلیاں تھیں جو میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور رسالتمآب صلعم جب داخل ہوتے تھے تو میری سہیلیاں چھپ جایا کرتی تھیں پس رسول اللہ صلعم ان کو میرے پاس بھیجدیتے تھے اور پھر وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں (یہ روایت متفق علیہ ہے)

یہ روایت جمع بین الصحیحین اور جامع الاصول میں بھی درج ہے جناب محدث دہلوی اس کی شرح میں رقم طراز ہیں کہ "در تصویرات بنات رخصتے است۔ (یعنی گڑیوں کے متعلق اجازت ہے)

نعلین کی عبادت کرنے والوں اور گڑیوں کے مجسموں کو جائز قرار دینے والوں کے منکر ایک بے ضرری عمارت کے شکل کے ناجائز ہونے کا ذکر سن کر بے ساختہ اس سادگی پر مرجانے کو جی چاہتا ہے۔

عقلاً اور شرعاً تعزیہ اور دوسری شبیہوں کے جواز کا حال تو معلوم ہو چکا اب استحباب اور سنت کا حال سنئے:

(ب) سُنّت رسول عملی ہے

مسند احمد بن حنبل والی روایت جو سب سے پہلے گذری ہے اس سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلعم نے خاک کربلا اپنے سامنے رکھی اور روئے اس سے تبرکات عزاداری کا اجمالاً جواز ثابت ہوتا ہے۔

دعن ام سلمۃ۔ ۔ ۔ فشمھا رسول اللہ صلعم فقال ریح کرب وبلاء قال لام سلمۃ یا ام سلمۃ اذا تحولت ھذہ التربۃ دما فاعلمی ان ابنی

Presented By: https://jafrilibrary.com

قتل فجعلتها فی قارورة وجعلت تنظر الیها کل یوم وتقول ان یوماً تحولین دماً الیوم عظیم ویروی ان السماء مکثت سبعة ایام بلیالیهن لما قتل کانها علقة۔ (حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی ص۵۲۳)

(روایت اہلسنت) ام سلمہ اس خاک کے دینے کا تذکرہ کرنے کے بعد کہتی ہیں پس رسول نے اسے سونگھا تو فرمایا کہ تکلیف اور بلا کی بو آرہی ہے پھر ام سلمہ سے ارشاد فرمایا کہ اے ام سلمہ جب یہ خاک خون ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا فرزند شہید ہو گیا پس ام سلمہ نے اسے ایک شیشی میں رکھ دیا اور روزانہ اس کو دیکھا کرتی تھیں اور کہا کرتی تھیں کہ جس روز تو خون ہو جائے گی بیشک وہ بڑی مصیبت کا دن ہوگا اور مروی ہے کہ جب حسین شہید ہوئے تو آسمان سات رات دن ایسا رہا کہ جیسے خون کا لوتھڑا ہو۔

عزاداری کے لئے قبل واقعہ شہادت خاک کربلا ہی مل سکتی تھی اور اس کو رسول کے گھر میں بحفاظت رکھا گیا اس لئے آج جبکہ ہمیں اس واقعہ کی تفصیلات کا علم کامل طریقے سے ہے تو ہم اس کی ہر تفصیل کے لئے الگ الگ یادگار قائم کرتے ہیں یہ تو عین سنت رسول ہے۔

(ج) سنت رسول قولی ہے

لیکن اگر آپ کو اس پر اصرار ہو کہ قبر کی شبیہ بنانے کا جواز اس سے صاف صاف نہیں معلوم ہوتا اور قبر کی شبیہ بنانا جائز نہیں ہوگا تو حسب ذیل روایت ملاحظہ فرمائیں۔

ان رجلاً من الاصحاب جاء الی النبی صلعم فقال یا رسول اللّٰہ انی حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة والحور العین فامره النبی صلعم ان یقبل رجل الام وجبهة الاب وروی انه قال یا رسول اللّٰہ ان لم یکن ابوان فقال قبل قبرهما فقال ان لم اعلم قبرهما قال خط خطین فاحدهما قبر الام والاخر قبر الاب فقبلهما ولا تحنث فی یمینك۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

(روایت اہل سنت) ایک صحابی رسول اللہ صلعم کے پاس آئے اور عرض کی کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جنت کے دروازہ کی چوکھٹ اور حور عین کو بوسہ دوں گا رسول اللہ نے حکم دیا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کو چوم لو۔ مروی ہے کہ صحابی نے عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر ماں باپ نہ ہوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ ان کی قبروں کو بوسہ دو صحابی نے کہا کہ اگر مجھے ان کی قبریں بھی نہ معلوم ہوں؟ تو فرمایا کہ دو نشان کھینچو اور ایک کو ماں کی قبر اور دوسرے کو باپ کی قبر فرض کرکے دونوں کو چومو اور اپنی قسم میں جھوٹے نہ ہو۔

یہ روایت امام شعبی کی کتاب کفایہ میں ہے اس کے علاوہ حسب ذیل کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے۔

۲۔ کنز العباد (۳) خزانۃ الروایات (۴) مطالب المومنین (۵) فتاوائے عالمگیری۔

اس روایت سے قبر کی شبیہوں کے چومنے کا جواز بھی ثابت ہو رہا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک

(د) سنت ائمہ ہے!

اب حسب وعدہ یہ بھی بتاتا چلوں کہ امیر المومنین نے بھی قبر کی شبیہ بنائی ہے اور ہم اسی کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ جناب سیدہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے ناراض تھیں اور وصیت کی تھی کہ وہ لوگ آپ کے جنازے پر نہ آنے پائیں اسی لئے امیر المومنین نے آپ کو رات میں دفن کیا اور چونکہ یہ شبہ تھا (جیسا کہ بعد کو ثابت بھی ہوگیا) کہ شاید شیخین قبر کھود کر پھر سے نماز پڑھنا چاہیں۔ اس لئے آپ نے سات فرضی قبریں بنا دیں یہ روایتیں ملاحظہ ہوں۔

اصبغ بن نباتہ انہ سأل امیر المومنین عن دفنہا لیلا فقال انہا کانت ساخطۃ علی قوم کرہت حضورہم جنازتہا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وقالوا

Presented By: https://jafrilibrary.com

سوی حوالیها قبور امر قررة مقدار سبعة حتی لا یعرف قبرها وروی انه رش اربعین قبرا حتی لا یبین قبرها من غیره من القبور۔ الحدیث۔

(بحار الانوار جلد عاشر باب کیفیۃ معاشرتها)

اصبغ بن نباتہ نے امیر المومنین سے سیدہ کو شب کے وقت دفن کرنے کی مصلحت پوچھی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ سیدہ ایک گروہ سے ناراض تھیں اور ان کو ان لوگوں کا جنازہ پر آنا ناپسند تھا۔ . . . . . . اور لوگوں نے بیان کیا کہ امیر المومنین نے قبر جناب سیدہ کے گرد سات فرضی قبر بنا دیں تاکہ اصل قبر کا پتہ نہ چلے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ چالیس قبروں پر پانی چھڑک دیا تاکہ اصل قبر ظاہر نہ ہو سکے ؛ (تا آخر حدیث)

اسی وجہ سے اس میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے کہ جناب سیدہ کہاں پر دفن ہیں مناقب ابن شہر آشوب اور بحار الانوار (حوالۂ مذکور) میں ہے کہ

ومشهدها بالبقیع وقالوا انها دفنت فی بیتها وقالوا قبرها بین قبر رسول الله ومنبره۔

جناب سیدہ کی قبر بقیع میں ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر میں دفن کی گئیں اور کچھ کہتے ہیں کہ قبر رسول اور منبر رسول کے درمیان میں دفن ہوئیں۔

بہرحال یہ ثابت ہو گیا کہ قبر کی شبیہیں حضرت علی علیہ السلام نے بھی بنائی ہیں یہ کہنا کافی نہیں کہ امیر المومنین نے دوسری مصلحت سے قبریں بنائی تھیں اور ہم دوسری مصلحت سے بناتے ہیں اس لئے پیروی کہاں ہوئی کیونکہ اصل مقصود یہ دکھانا ہے کہ اگر قبر کی شبیہیں بنانا بذات خود ناجائز ہوتا تو علی کیوں بناتے جب یہ فعل جائز ہوا اور امام نے اس پر عمل بھی کیا تو اب سنت امام ہونے میں کیا شک رہا۔ تعزیہ کے جواز کے بعد اب علم، مشک، جھولا وغیرہ کے جواز کے لئے الگ سے دلیل پیش کرنے کی تو ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ زیادہ ہدف اعتراض تو تعزیہ ہی کو بنایا جاتا ہے اس لئے کہ وہ شبیہ قبر ہے۔ اور یہ چیزیں تو قبر کی شبیہ بھی نہیں ہیں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

"ذوالجناح" نکالنے کا جواز بھی یوں ثابت ہوتا ہے کہ وہ نہ تو ہماری تخلیق ہے کہ جاندار کا مجسمہ ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو جائے نہ کوئی اس کی پرستش یا عبادت کرتا ہے کہ اس کو بت کہا جا سکے۔ البتہ اگر کوئی شخص گھوڑے کا مجسمہ بنائے تو یقیناً حرام ہے اگر کوئی شخص اس کی پرستش کرے تو یقیناً یہ فعل ناجائز ہے۔ لیکن جب ایسی کوئی صورت نہیں ہے تو وہ محض ایک شبیہ ہے امام حسین علیہ السلام کے گھوڑے کی اور اس شبیہ میں کوئی حرمت کا پہلو کہیں سے نہیں دکھایا جا سکتا بلکہ یقیناً یہ ایک مستحسن اور قابل ثواب فعل ہے کیونکہ عزائے حسین برپا کرنے میں اس سے مدد ملتی ہے اور سنیوں کی مشہور کتاب "حسن التوسل فی اداب زیارۃ افضل الرسل" میں ہے کہ فعل مستحب میں جس چیز سے مدد ملے وہ بھی مستحب ہے والامر الذی ھو وسیلۃ للمندوب مندوب (کتاب مذکور برحاشیہ الاتحاف مطبوعہ مصر صفحہ ۹۱)

لہذا عزاداری میں معین ہونے کی وجہ سے ذوالجناح بھی مستحب ہے۔

مجلس ۴!

(الف) سنت رسول عملی ہے

چنانچہ جب رسالتمآبؐ نے جنگ احد سے واپسی کے بعد تمام گھروں سے رونے کی آواز بلند ہوتی ہوئی سنی مگر سید الشہداء حضرت حمزہ کے گھر سے رونے کی آواز نہیں آئی تو آپ نے فرمایا ولکن حمزۃ لا بواکی لہ (مگر حمزہ کے لئے رونے والی عورتیں نہیں ہیں)

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور دوسرے انصار نے یہ سنا تو فوراً اپنے اپنے گھروں میں گئے اور عورتوں سے کہا کہ پہلے حمزہ کے گھر جا کر گریہ کرو اس کے بعد اپنے گھر آ کر اپنے شہیدوں کو روو۔ انصار کی عورتیں مغرب اور عشاء کے درمیان میں حضرت حمزہ کے گھر گئیں اور

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس وقت سے نصف شب تک گریہ کرتی رہیں۔ اسی اثنا میں رسالتمآبؐ خواب سے بیدار ہوئے اور پوچھا کہ یہ کیسی آواز ہے حقیقت حال معلوم ہونے پر آپ نے ان کو دعائے خیر دی کہ رضی اللہ عنکن وعن اولادکن وعن اولاد اولادکن (خدا تم سے راضی ہو، تمہاری اولاد سے راضی ہو اور تمہاری اولاد کی اولاد سے راضی ہو) یہ واقعہ تمام تاریخوں میں مرقوم ہے پھر بھی حوالہ کے لئے روضۃ الصفا جلد دوم (واقعات بعد جنگ احد) اور "مدارج النبوۃ" اور "معارج النبوۃ" ملاحظہ ہوں

اس واقعہ میں چند مختلف خاندانوں کی عورتیں ایک ایسے شہید پر ایک جگہ جمع ہو کر گریہ کر رہی تھیں جن سے ان کا کوئی نسبی رشتہ نہیں تھا۔

اور یہ اجتماع اور گریہ مرضی رسول کے مطابق تھا اور آپ ہی کی خواہش سے تھا۔ مجلس اسی گریہ کے لئے مختلف لوگوں کے اجتماع کا نام ہے۔ غور طلب امر یہ ہے کہ جب حضرت حمزہ کیلئے رسول نے یہ اہتمام فرمایا تو اگر آپ بعد واقعہ کربلا زندہ ہوتے تو کتنا اہتمام فرماتے۔ عاشقان رسول اس پر غور فرمائیں اور مرضی رسول کے مطابق مجلس حسینؑ کا اہتمام فرمائیں۔

(ب) سُنّت رسول قولی ہے

حضرت رسالتمآب کے حسرت آمیز جملہ (ولکن حمزۃ لا بواکی لہ) اور اس کے بعد آپ کی دعائے خیر سے یہ معلوم ہوا کہ یہ رسول کی سنت قولی بھی ہے۔

(ج) سُنّت ائمہ ہے

اس ضمن میں تو بہتیرے واقعات لکھے جا سکتے ہیں لیکن میں صرف دو تین روایتوں پر اکتفا کرتا ہوں قبل شہادت تو بہتیری مجلسیں امام حسین علیہ السلام کے لئے انبیاء علیہم السلام نے برپا کی ہیں لیکن بعد شہادت سب سے پہلی مجلس جس کا ذکر تمام تاریخوں میں ملتا ہے وہ ہے جب یزید نے یہ محسوس کیا کہ اہل شام قتل حسینؑ اور اسیری اہل بیت کی وجہ سے برگشتہ ہوتے جا رہے ہیں تو سب کو جامع مسجد میں بلایا اور پہلے اس کے خطیب نے سید الشہداء اور ان کے آباء و اجداد کی خود ساختہ برائیاں بیان کیں جب

Presented By: https://jafrilibrary.com

وہ کہہ چکا تو امام زین العابدین علیہ السلام نے یزید سے اجازت لیکر منبر کو مشرف فرمایا اور بعد حمد و صلوٰۃ اپنا تعارف شروع کیا اور اپنے فضائل بیان کرنے کے بعد اپنی مصیبتوں کا تذکرہ شروع فرمایا اس وقت کا عالم لکھا ہوا ہے کہ فضج اھل الشام بالبکاء اہل شام چیخ چیخ کر رونے لگے اس کے بعد کے واقعات طول کے باعث اسے ترک کرتا ہوں بہرحال ہماری آج کل کی ذاکری کا ڈھنگ امام حسین علیہ السلام کے ذاکر اول (امام زین العابدین) کے طریقہ سے ماخوذ ہے کہ ہم پہلے فضائل اہل بیت بیان کرتے ہیں اس کے بعد مصائب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اہل سنت کے امام اوزاعی نے کتاب الاحمر میں امام کے اس پورے خطبے کو نقل کیا ہے ہم بخوف طول اسے ترک کرتے ہیں۔ بہرحال لہوف۔ احتجاج طبرسی بحارالانوار جلد عاشر (باب الوقایع المتاخرہ عن قتلہ) مناقب ابن شہر آشوب۔ اور بے شمار کتابوں میں یہ خطبہ مل سکتا ہے۔

دوسری مجلس اس وقت منعقد ہوئی جب یزید نے اہل بیت کو رہا کرکے پوچھا کہ آپ لوگ مدینہ جانا چاہتے ہیں یا یہیں قیام پسند ہے؟

قالوا نحب اولاً ان ننوح علی الحسین قال افعلوا ما بدا لکم ثم اخلیت لهن الحجر والبیوت فی دمشق ولم تبق هاشمیة ولا قرشیة الا لبست السواد علی الحسین وندبوه علی ما نقل سبعة ایام (تہذیب بحارالانوار جلد عاشر باب مذکور)

اہلبیت نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ ہم پہلے حسینؑ پر نوحہ کرلیں رولیں۔ یزید نے کہا کہ آپ لوگوں کو اختیار ہے پھر اہل بیت کے لئے دمشق میں کئی مکانات خالی کردیئے گئے اور کوئی ہاشمیہ اور قریشیہ عورت ایسی نہ تھی جس نے حسین کے غم میں سیاہ لباس نہ پہنا ہو اور سات دن تک اہلبیت حسین کا غم مناتے رہے۔

تیسری مجلس واپسی مدینہ کے وقت منعقد ہوئی جبکہ بیرون مدینہ ساری خلقت اہلبیت کے خیموں کے پاس سمٹ آئی اس وقت امام زین العابدین ایک رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے نکلے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

خادم نے ایک کرسی رکھ دی لوگوں میں شور، گریہ و بکا ایسا بلند ہوا کہ کبھی گوش فلک نے نہ سنا ہوگا اس وقت امام نے اشارہ کرکے سب کو خاموش کیا اور کرسی پر بیٹھ کر اپنے مصائب اور ان کی شدت اور اہمیت بیان فرمائی اس مجلس میں بھی ذاکر امام علیہ السلام تھے اور انھیں مجلسوں کے عنوان کے مطابق ہم منبر یا کرسی ذاکر کے لئے رکھتے ہیں یہ واقعہ اور امام کی پوری مجلس جناب سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے لہوف میں لکھی ہے اب طول ہوتا جا رہا ہے ورنہ امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام نے جو باقاعدہ مجلسیں کی ہیں جن میں مرثیے پڑھے گئے ہیں اور عورتیں پس پردہ آکر بیٹھی ہیں اور مجلس میں شریک ہوئی ہیں سب کو بیان کرتا۔ اگر در خانہ کس است یک حرف بس است۔

⑤ نوحہ و مرثیہ!

(الف) سُنّت رسول عملی ہے

ابن مسعود صحابی سے مروی ہے کہ جب رسالتمآب صلعم حضرت حمزہ کی لاش پر پہنچے اور ان کو مثلہ کیا ہوا پایا تو آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ اس طرح کبھی نہیں روئے تھے اور بلند آواز سے یہ نوحہ فرماتے تھے یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے یا حمزۃ یا عم رسول اللہ یا اسد اللہ و اسد رسولہ یا حمزۃ یا فاعل الخیرات یا حمزۃ یا کاشف الکربات یا حمزۃ یا ذاب عن وجہ رسول اللہ۔

(اے حمزہ اے رسول اللہ کے چچا۔ اے خدا کے شیر۔ اے خدا کے رسول کے شیر اے حمزہ اے نیکیوں کے بجا لانے والے اے حمزہ اے مصیبتوں کو دور کرنے والے۔ اے حمزہ اے رسول سے کرب و مصیبت کے ہٹانے والے) یہ واقعہ تمام تاریخوں میں مندرج ہے اس لئے کسی خاص حوالہ کی ضرورت نہیں۔

(ب) سُنّت ائمہ عملی ہے

امام زین العابدین علیہ السلام کے نوحے اور مرثیے مشہور

Presented By: https://jafrilibrary.com

ذیل میں کچھ اشعار یہ ہیں جو امام زین العابدین علیہ السلام کی زبان پر اس وقت جاری تھے جب آپ کو کوفہ میں داخل کیا گیا اس وقت آپ رو رو کر ان اشعار کو پڑھ رہے تھے

یا امۃ السوء لاسقیا لربعکم　　یا امۃ لم تراعی جدنا فینا
لو اننا و رسول اللہ یجمعنا　　یوم القیمۃ ما کنتم تقولونا
تسیرونا علی الاقتاب عاریۃ　　کاننا لم نشید فیکم دینا
الیس جدی رسول اللہ ویلکم　　اھدی البریۃ من سبل المضلینا
یا وقعۃ الطف قد اورثتنی حزنا　　واللہ یھتک استار المسیئینا

(ج) سُنّت اہلبیت ہے

جناب زینب اور جناب ام کلثوم کے متعدد نوحے مشہور ہیں دو دو شعر ہر معظمہ کے نقل کر رہا ہوں۔

جناب زینب (کوفہ کے بازار میں امام کے سر پر پتھر لگنے کے بعد)

یا ھلالا لما استتم کمالا　　غالہ خسفہ فابدا غروبا
ما توھمت یا شقیق فوادی　　کان ھذا مقدرا مکتوبا

جناب ام کلثوم (مدینہ میں واپس آتے وقت)

مدینۃ جدنا لا تقبلینا　　فبالحسرات والاحزان جئنا
الا اخبر لو نظرت الی السبایا　　بناتک فی البلاد مشتتینا

(د) سُنّت ائمہ قولی ہے

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے ابن قولویہ علیہ الرحمہ کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ فرمان نقل فرمایا ہے کہ

کل الجزع والبکاء مکروہ سوی الجزع والبکاء علی الحسین (بحار الانوار جلد عاشر ثواب البکاء علیہ)

(روایت شیعہ) ہر جزع و فزع اور ہر رونا مکروہ ہے سوائے حسین ؑ کی مصیبت پر جزع و فزع اور رونے کے (کہ اس میں ثواب ہے)

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسی قسم کی ایک اور روایت کامل الزیارۃ میں بھی دوسرے اسناد کے ساتھ مروی ہے۔

⑥ ماتم اور ماتمی جلوس

(الف) ماتم کے متعلق حدیثیں پیش کرنے کے قبل میں ایک واقعہ کا ذکر کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ متوکل باللہ خلیفہ اہل سنت جس کے فضائل ایسے ہیں کہ اکثر اہل سنت اس کو خلفائے راشدین کا درجہ دیتے ہیں اور جس نے بدعت کے مٹانے میں اتنا غلو برتا کہ امام حسین علیہ السلام کے مزار انور کو بالکل برباد کر دینے کی ہر ممکن کوشش کر ڈالی ایسا عظیم الشان خلیفہ امام احمد بن حنبل جیسے جلیل الشان امام اہلسنت کی وفات پر یہ انتظام کرتا ہے کہ:۔

ان المتوکل امر ان یقام الموضع الذی وقف فیہ الناس للصلوٰۃ علے الامام احمد فبلغ مقام الفی الف وخمس مائۃ الف ووقع الماتم فی اربعۃ اصناف فی المسلمین والیھود والنصاری والمجوس۔ (حیوۃ الحیوان علامہ دمیری ذکر خلافت متوکل۔ وتہذیب الاسماء علامہ نووی)

متوکل نے حکم دیا کہ جس جگہ امام احمد بن حنبل کی نماز جنازہ پڑھی گئی تھی وہاں ماتم کیا جائے یہاں تک کہ پچیس لاکھ آدمیوں نے جس میں مسلمان یہودی عیسائی مجوسی بھی شامل تھے۔ وہاں پر ماتم کیا۔

ظاہر ہے کہ وہ خلیفہ جس کو محی السنۃ (سنتوں کا زندہ کرنے والا) کہا جاتا ہے جب اس طرح ماتم کا اہتمام کرے تو اب کون ہے جو ماتم کو بدعت کہہ سکے۔ علاوہ بریں اس کے جائز اور سنت ہونے پر حسب ذیل حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔

(ب) ماتم سنت امام علی ہے

جب اہل بیت علیہم السلام شام سے رہا ہو کر واپسی میں کربلا پہنچے ہیں اور وہاں پر جناب جابر بن عبداللہ انصاری بزرگ صحابی رسول اور کچھ دوسرے افراد بنی ہاشم کو پایا اس وقت کا حال جناب سید بن طاؤس علیہ الرحمہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

لھوف میں لکھتے ہیں۔

فوافوا فی وقت واحد وتلاقوا بالبکاء والحزن واللطم واقاموا الماتم المقرحۃ للاکباد واجتمع الیھم نساء ذلک السواد واقاموا علی ذلک ایاما۔

پس وہ سب ایک ہی وقت میں پہنچے اور ملے تو روئے اور منہ پر طمانچہ لگائے اور ایسا ماتم برپا کیا جو دلوں کو زخمی کر دینے والا تھا اور ان کے ساتھ اس نواح کی عورتیں بھی آکر شامل ہوگئیں اور اسی حال پر یہ حضرات کئی دن رہے۔

یہاں یہ صاف معلوم ہو رہا ہے کہ تمام اہلبیت اور بنی ہاشم اور جابر صحابی رسول اور اس نواح کی مسلم عورتیں سب کی سب ماتم میں مشغول ہوئیں روئیں پیٹیں منہ پر طمانچے مارے ماتم کیا۔ اور یہ عمل کئی دن جاری رہا اس میں کہیں امام زین العابدین علیہ السلام کا استثنا نہیں ہے۔ اس لئے ماننا پڑیگا کہ آپ بھی اظہار غم کے ان طریقوں میں شریک تھے اس لئے یہ امام کی سنت عملی ہے۔

(ج) سُنّتِ امام تقریری ہے

تقریر، اصطلاح میں اس کو کہتے ہیں کہ امام یا نبی کے سامنے کوئی شخص کوئی کام کرے اور امام یا نبی باوجود قدرت اور اختیار کے اسے منع نہ کرے انبیاء یا ائمہ کی تقریر بھی حجت ہے کوئی شخص اگر کربلا کے ماتم کو امام کی سنت عملی نہ مانے اور کہے کہ اس میں امام کے ماتم کرنے کا تو تذکرہ نہیں ہے جب بھی امام کے سامنے کئی دن تک ان لوگوں نے ماتم کیا اور منہ پر طمانچے لگائے جو امام کے ہر حال میں تابع فرمان تھے اور امام نے ان کو منع نہیں کیا اس سے ثابت ہوا کہ حسینؑ کے غم میں ماتم کرنا منہ پر طمانچہ لگانا اور جزع و فزع نہ صرف جائز بلکہ سنت امام ہے۔

(د) سُنّتِ اہلبیت ہے

ماتم کا سنت اہلبیت ہونا تو گذشتہ روایت سے ثابت ہی ہو چکا مزید ایک روایت بقدر ضرورت اور سن لیجئے۔

عن مصقلۃ الطحان قال سمعت ابا عبد اللہ یقول لما قتل الحسین اقامت امرأتہ الکلبیۃ علیہ ماتما الحدیث (کافی بحار الانوار جلد عاشر باب مذکور)

Presented By: https://jafrilibrary.com

(روایت شیعہ) امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد جناب رباب (زوجہ امام حسین علیہ السلام) نے آپ پر ماتم کیا۔

(نوٹ) جناب رباب کے سوگ اور غم کا تذکرہ ہر تاریخ اور ہر سیرت میں ہے

(۷) عمل اہل مدینہ سے

اہل مدینہ کا عمل اہل سنت کے امام مالک کے نزدیک حجت اور واجب العمل ہے اب ماتم حسین کے سلسلے میں اہل مدینہ کا عمل جو امام اہل سنت کے نزدیک واجب الاطاعۃ ہے ملاحظہ ہو۔ جب اہلبیت کا قافلہ واپس آکر مدینہ کے باہر رکا اور بشیر بن جذلم نے ان حضرات کے آنے کی خبر اہل مدینہ کو دی اس وقت۔

فما بقیت فی المدینہ مخدرۃ ولا محجبۃ الا برزن من خدورھن مکشوفۃ شعورھن مخمشۃ وجوھھن ضاربات خدودھن یدعون بالویل والثبور فلم ار باکیا اکثر من ذلک الیوم (لہوف، بحار الانوار حوالہ مذکور)

پس مدینہ میں کوئی پردہ نشین نہ رہی جو اپنے پردہ سے اس عالم میں نہ نکل پڑی ہو کہ بال بکھرے ہوئے تھے چہرے طمانچے مارنے سے زخمی تھے رخساروں کو پیٹتی ہوئی نالہ و فریاد کرتی ہوئی جا رہی تھیں پس میں نے اس دن سے زیادہ گریہ و بکا اور رونے والوں کا مجمع کبھی نہیں دیکھا۔ ظاہر ہے کہ ان تصریحات کے بعد ماتم حسین کے استحباب میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے مدینہ کے لوگ کس طرح ایک عظیم الشان جلوس کی شکل میں امام کے پاس پہنچے اس کا حال سنیے!

قال فترکونی مکانی وبادروا فضربت فرسی حتی رجعت الیھم فوجدت الناس قد اخذوا الطرق والمواضع فنزلت عن فرسی وتخطأت رقاب الناس

(حوالہ جات مذکور)

بشیر کا بیان ہے کہ ابھی مدینے ہی میں تھا کہ اہل مدینہ مجھ سے پہلے اہلبیت کے پاس پہنچے پس میں نے گھوڑے کو موڑا اور وہاں پہنچا تو لوگوں کو دیکھا کہ تمام راستوں اور جگہوں میں لوگ بھرے ہوئے ہیں کثرت ہجوم ایسی تھی کہ میں گھوڑے سے اتر پڑا اور لوگوں کی گردنوں پر پیر رکھتا ہوا اہلبیت کے

Presented By: https://jafrilibrary.com

پاس واپس آیا۔

اسی سے ماتمی جلوس کی شکل پیدا ہوتی ہے لیکن ہمارا ماتمی جلوس دراصل اہل مدینہ کے اس اجتماع کی یادگار نہیں ہے بلکہ اہل بیت کے اس لٹے ہوئے قافلہ کی یادگار ہے جو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام تک گلیوں کوچوں میں پھرایا گیا اور جس طرح اہل بیت نالاں و گریاں راستوں سے گذرتے تھے اسی طرح ہم بھی روتے پیٹتے راستوں سے گذرتے ہیں۔

⑦ ترکِ زینت سوگ اور بال بکھرانا وغیرہ

(الف) سُنّت رسولؐ عملی ہے حسینؑ کے غم میں بال بکھرانا اور مصیبت زدوں کی شکل بنانا سنت رسول عملی ہے قبل اس کے کہ اس سلسلہ میں کوئی روایت پیش کروں "مشکوۃ المصابیح باب الرؤیا" سے یہ روایت نقل کر دینا ضروری ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رآنی فی المنام فقد رآنی فان الشیطان لا یتمثل فی صورتی (متفق علیہ)

(روایت اہل سنت) رسالت مآب صلعم نے فرمایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے اس نے درحقیقت مجھی کو دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔

اس مضمون کی کئی روایتیں متفق علیہ ابو قتادہ انصاری اور ابوہریرہ سے اسی باب میں منقول ہے اور شیعوں کا عقیدہ بھی یہی ہے اب یہ روایت ملاحظہ فرمائیں کہ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں ایک روز اپنے گھر میں سو رہا تھا کہ ام سلمہ زوجۂ رسولؐ کے گھر سے رونے پیٹنے کی آواز سن کر جاگ پڑا ابن عباس ام سلمہ کے گھر کی طرف بڑھے اور تمام اہل مدینہ بھی دوڑے آرہے تھے وہاں پہنچکر انھوں نے پوچھا کہ اے ام المومنین! آپ کیوں اس طرح رو چلا رہی ہیں؟ ام سلمہ نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ ہچکی

Presented By: https://jafrilibrary.com

عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ

یابنات عبد المطلب اسعدننی وابکین معی فقد قتل واللہ سیدکن وسید شباب اہل الجنۃ قد واللہ قتل سبط رسول اللہ وریحانتہ الحسین فقلت یا ام المومنین من این علمت ذلک؟ قالت رأیت رسول اللہ فی المنام الساعۃ شعثا مذعورا فسالتہ عن شانہ ذلک فقال قتل ابنی الحسین واہل بیتہ الیوم فدفنتھم والساعۃ فرغت من دفنھم قالت فقمت حتی دخلت البیت وانا لا اکاد ان اعقل فنظرت فاذا بتربۃ الحسین التی اتی بھا جبرئیل...... (الی ان قالت)......... فرأیت القارورۃ الآن وقد صارت دما عبیطا تفور وقال فاخذت ام سلمۃ من ذلک الدم فلطخت بہ وجھھا وجعلت ذلک الیوم ماتما ومناحۃ علی الحسین فجاءت الرکبان بخبرہ وانہ قتل فی ذلک الیوم (بحار الانوار باب رویۃ ام سلمہ وغیرہا رسول اللہ فی المنام)

(روایت شیعہ) اے بنات عبد المطلب! میری مدد کرو اور میرے ساتھ مل کر رو، کیونکہ قسم خدا کی! تمہارا سردار اور جوانان اہل جنت کا سردار شہید ہو گیا رسول کا نواسہ اور ان کا پھول حسین قتل کر دیا گیا۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے پوچھا کہ اے ام المومنین! آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ ام سلمہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو ابھی ابھی خواب میں دیکھا کہ آپ ژولیدہ مو اور پریشان ہیں۔ میرے دریافت کرنے پر ارشاد فرمایا کہ میرا فرزند حسین اور اس کے اہل بیت آج قتل کر دیے گئے۔ پس میں نے ان کو دفن کیا اور ابھی ان کے دفن سے فارغ ہوا ہوں۔ جناب ام سلمہ کا بیان ہے کہ پس میں اٹھی اور گھر میں داخل ہوئی اور میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ ناگاہ میں نے اس خاک کربلا کو دیکھا جس کو جبرئیل لائے تھے (اس کے بعد اس کے آنے کا پورا واقعہ ذکر کیا) بس میں نے اب جو شیشی کو دیکھا تو وہ خون تازہ بن کر جوش مار رہی ہے ابن عباس کا بیان ہے کہ پھر ام سلمہ نے اس خون میں سے لیکر اپنے چہرہ پر مل لیا۔ اور اس دن کو یوم ماتم بنایا۔ اور حسین پر نوحہ کرنے

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا دن قرار دیا اس کے بعد خبر رساں سوار اس خبر کو لیکر آئے اور یہ معلوم ہوا کہ حسینؑ اسی روز شہید کئے گئے تھے۔

اس مضمون کی روایتیں شیعہ و سنی دونوں فرقوں کی کتابوں میں بے شمار ہیں چنانچہ اس مٹی کے خون ہو جانے کا تذکرہ مشکوۃ کے حاشیہ سے تعزیہ کے سلسلہ میں نقل کر چکا ہوں اور مشکوۃ باب مناقب اہلبیت میں سلمٰی سے ام سلمہ کے اس خواب کی روایت با اختصار صحیح ترمذی کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ ماتم حسین برپا کرنے کا ذکر اس روایت میں ہے لیکن یہاں اس روایت کو پیش کر کے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ حسینؑ کے غم میں رسول نے بال پریشان کئے تھے اور ژولیدہ مو تھے اور اگر ہم یا ہماری عورتیں سوگ منائیں اور غم زدوں کی شکل بنائیں تو یہ عین سنت رسول کی پابندی ہے نہ کہ بدعت۔

(ب) سُنّتِ اہلبیت ہے

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔ ما امتشطت فینا هاشمیة ولا اختضبت حتی بعث الینا المختار برؤس الذین قتلوا الحسین (رجال کشی۔ بحار الانوار جلد عاشر باب احوال المختار) (روایت شیعہ) کسی ہاشمی عورت نے نہ تو بالوں میں کنگھی کی نہ خضاب لگایا یہاں تک کہ مختار نے قاتلان حسین کے سر ہمارے پاس بھیجے۔

۸ سیاہ لباس

(الف) سُنّتِ فاطمہؑ ہے

علامہ ابو اسحٰق اسفرائینی (مشہور عالم اہل سنت) نے اپنی کتاب نور العین فی مشہد الحسین مطبوعہ قاہرہ ۱۳۶۶ھ میں ص۴۷ پر جناب سکینہ کا خواب لکھا ہے اس میں جناب سکینہ نے رسول اللہ کو جس عالم میں دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

واذا برجل قد اقبل وهو متغیر اللون وله نور ساطع وهو مغتم یمیل کالمرأة الثکلی قابض علی لحیته باکیا حزینا فقلت للغلام من هذا الرجل الذی

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

ھومتلبس بالاحزان فقال لا تعرفیہ۔ نقلت لا۔ نقال ھذا جدّک۔

(روایت اہل سنت) ناگاہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو اس عالم میں آگے بڑھے کہ چہرے کا رنگ متغیر تھا اور نور ساطع ہو رہا تھا اور وہ فرط رنج و غم سے گرے پڑتے تھے جیسے پسر مردہ عورت کا حال ہوتا ہے اور اپنی ریش مبارک ہاتھ میں لئے ہوئے تھے رو رہے تھے اور محزون تھے میں نے غلام سے پوچھا کہ یہ بزرگ جو غم واندوہ کا لباس پہنے ہوئے ہیں کون ہیں؟ اس نے پوچھا کہ تم انھیں نہیں پہچانتی ہو؟ میں نے کہا کہ نہیں تو اس نے بتایا کہ یہ تمہارے دادا رسول خدا ہیں۔

اور جناب سیدہ کو جس عالم میں دیکھا ہے وہ یہ ہے کہ:

دبینھن امراۃ عظیمۃ الخلقۃ ناشرۃ شعرھا وعلیھا ثیاب سود ومعھا قمیص ملطخ بدم۔

اور ان عورتوں (مریم و آسیہ وغیرہ) کے درمیان ایک بزرگ معظمہ ہیں جو سر کے بال بکھرائے ہوئے ہیں سیاہ لباس پہنے ہیں اور ان کے ساتھ ایک قمیص ہے جو خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ رسالت مآبؐ بھی ماتمی لباس میں تھے اور جناب سیدہ بھی بال بکھرائے ہوئے سیاہ لباس پہنے ہوئے تھیں۔

(ب) سُنّت تقریری منجانب امام ہے کہ

دمشق میں سات دن رہ کر اہلبیت کے مجلس و ماتم کا حال اوپر گذر چکا ہے اس کا یہ جملہ پھر یاد دلانا ہے کہ۔

ولم تبق ھاشمیۃ ولا قرشیۃ الا ولبست السواد علی الحسین

(بحار الانوار حوالہ مذکورہ)

(روایت شیعہ) اور کوئی ہاشمی یا قریشی عورت ایسی نہیں تھی جس نے حسین کے غم میں سیاہ لباس نہ پہنا ہو۔

⁂

Presented By: https://jafrilibrary.com

⑨ عزاخانہ

(الف) سنتِ امام علی ہے

سب سے پہلا عزاخانہ جو اہلبیت کے لیے بنا وہ بیت الحزن تھا جسے امیر المومنین نے جناب سیدہ کے لئے بنایا تھا جناب سیدہ اپنے پدر بزرگوار کے لئے دن رات رویا کرتی تھیں۔ اہل مدینہ نے امیر المومنین سے یہ کہا کہ سیدہ سے کہئے کہ یا دن کو روئیں یا رات کو روئیں۔ جناب سیدہ نے کہا کہ میں اب تھوڑے ہی دن ان کے درمیان رہوں گی اور بہت جلد رخصت ہو جاؤں گی پس قسم خدا کی نہ میں دن کو خاموش رہ سکتی ہوں نہ رات کو رونا موقوف کر سکتی ہوں امیر المومنین نے ارشاد فرمایا کہ آپ اپنی مرضی کے مطابق روئیں۔ البتہ اہل مدینہ کے آرام کے لحاظ سے آپ نے یہ تدبیر کی کہ۔

انہ بنی لہا بیتا فی البقیع نازحا عن المدینۃ یسمی بیت الاحزان وکانت اذا اصبحت قدمت الحسن والحسین امامہا وخرجت الی البقیع باکیۃ فلا تزال بین القبور باکیۃ فاذا جاء اللیل اقبل امیر المومنین الیہا وساقہا بین یدیہ الی منزلہا الحدیث۔ (بحار الانوار جلد عاشر باب ما وقع علیہا السلام من الظلم)

(روایت شیعہ) حضرت علی نے جناب سیدہ کے لئے بقیع میں مدینہ کے کنارے ایک گھر بنایا جس کا نام بیت الاحزن (غم کا گھر) پڑ گیا جب صبح ہوتی تھی تو سیدہ حسنین کی رہنمائی میں بقیع کی طرف روتی ہوئی چلی جاتی تھیں اور اس قبرستان میں بیٹھ کر روتی رہتی تھیں جب رات ہوتی تھی تو امیر المومنین آپ کے پاس جاتے تھے اور آپ کو ساتھ لیکر گھر پلٹتے تھے۔ تا آخر حدیث۔

یہ واقعہ اہل سنت کی کتابوں اور تاریخوں میں بھی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ عزاخانہ بنوانا سنت علوی ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

⑩ اکھاڑہ۔ ڈھول۔ زنجیری ماتم

یہاں تک تو ان چیزوں کا ذکر تھا جو شیعوں میں بالاتفاق جائز اور مستحب ہیں اب یہ تین چیزیں جن کا ذکر اس دسویں نمبر میں کر رہا ہوں یعنی اکھاڑہ۔ ڈھول اور زنجیری ماتم ان کے متعلق علمائے شیعہ میں باہم اختلاف ہے کہ یہ چیزیں جو جلوس عزا کے ساتھ ہوتی ہیں عزا کے لئے موزوں ہیں یا نہیں۔ اور یہ شریعت کے کس حکم کے تحت میں آتی ہیں۔ مگر خواہ ہم انھیں جلوس کے لئے موزوں سمجھیں خواہ نہ سمجھیں لیکن اہل سنت کی حدیثوں کے لحاظ سے تو ان کے سنت رسول ہونے میں شک کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے علمائے اہل سنت ادارہ کا تنظیم اہل سنت تو اس مسئلہ میں لب کشائی کی جرأت کر ہی نہیں سکتے۔

ملاحظہ ہو:۔

(الف) اکھاڑا دیکھنا سنتِ رسول ہے

یہ روایت جس کو ترمذی نے حسن اور صحیح لکھا ہے ملاحظہ ہو:۔

وعن عایشة قالت کان رسول الله صلی الله علیه وسلم جالسا فسمعنا لغطا وصوت صبیان فقام رسول الله صلی الله علیه وسلم فاذا حبشیة تزفن والصبیان حولها فقال یا عائشة تعالی فانظری فجئت فوضعت لحیی علی منکب رسول الله صلی الله علیه وسلم فجعلت انظر الیها ما بین المنکب الی راسه فقال لی اما شبعت فجعلت اقول لا لانظر منزلتی عنده (الحدیث)

(مشکوۃ المصابیح باب مناقب عمر)

(روایت اہل سنت) عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیٹھے ہوئے تھے پس ہم نے شور و غل اور بچوں کی آوازیں سنیں۔ پس رسول اللہ صلعم اٹھے تو کیا دیکھا کہ ایک حبشن ناچ رہی ہے اور بچے اس کے گرد اکٹھے ہیں پس رسول نے فرمایا کہ "اے عائشہ آ اور دیکھ" پس میں آئی

Presented By: https://jafrilibrary.com

⑩ اکھاڑہ۔ ڈھول۔ زنجیری ماتم

یہاں تک تو ان چیزوں کا ذکر تھا جو شیعوں میں بالاتفاق جائز اور مستحب ہیں اب یہ تین چیزیں جن کا ذکر اس دسویں نمبر میں کر رہا ہوں یعنی اکھاڑہ۔ ڈھول اور زنجیری ماتم ان کے متعلق علمائے شیعہ میں باہم اختلاف ہے کہ یہ چیزیں جو جلوس عزا کے ساتھ ہوتی ہیں عزا کے لئے موزوں ہیں یا نہیں۔ اور یہ شریعت کے کس حکم کے تحت میں آتی ہیں۔ مگر خواہ ہم انھیں جلوس کے لئے موزوں سمجھیں خواہ نہ سمجھیں لیکن اہل سنت کی حدیثوں کے لحاظ سے تو ان کے سنت رسول ہونے میں شک کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لئے علمائے اہل سنت اور ادارہ کا تنظیم اہل سنت تو اس مسئلہ میں لب کشائی کی جرأت کر ہی نہیں سکتے۔

ملاحظہ ہو:۔

(الف) اکھاڑا دیکھنا سنتِ رسول ہے

یہ روایت جس کو ترمذی نے حسن اور صحیح لکھا ہے ملاحظہ ہو:۔

(عن عایشة قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جالساً فسمعنا لغطاً وصوت صبیان فقام رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاذا حبشیة تزفن والصبیان حولها فقال یا عائشة تعالی فانظری فجئت فوضعت لحیی علی منکب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فجعلت انظر الیها ما بین المنکب الی رأسه فقال لی اما شبعت فجعلت اقول لا لانظر منزلتی عنده (الحدیث)

(مشکوۃ المصابیح باب مناقب عمر)

(روایت اہل سنت) عائشہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز بیٹھے ہوئے تھے پس ہم نے شور و غل اور بچوں کی آوازیں سنیں۔ پس رسول اللہ صلعم اٹھے تو کیا دیکھا کہ ایک حبشن ناچ رہی ہے اور بچے اس کے گرد اکٹھے ہیں پس رسول نے فرمایا کہ "اے عائشہ آ اور دیکھ" پس میں آئی

Presented By: https://jafrilibrary.com

(مشکوۃ باب مناقب عمرؓ)

(روایت اہل سنت) بریدہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک غزوہ میں تشریف لے گئے جب آپ پلٹے تو ایک حبشی لونڈی آئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! میں نے نذر کی تھی کہ اگر خدا آپ کو صحیح وسالم واپس لائیگا تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور گاؤں گی پس رسول اللہ صلعم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو نے نذر کی ہے تو دف بجا ورنہ نہیں۔ پس وہ دف بجانے لگی۔ (تا آخر حدیث)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ رسالت مآب صلعم کے سامنے دف بجایا گیا اور آپ نے سنا اب سنت قولی ہونے میں کیا شبہ ہے۔

(ج) زنجیری ماتم بھی مستحسن ہے

حضرات اہلسنت نے ایک ایسا اصول حدیث میں پایا ہے جس کے بعد ان کو زنجیری ماتم کا کیا ذکر ہے مسلمانوں کے کسی فرقے کے کسی کام پر اعتراض کا حق نہیں رہ جاتا ہے یہ روایت ملاحظہ ہو جو مشہور صحابی ابن مسعود سے مروی ہے کہ رسالت مآبؐ نے فرمایا کہ۔

ما راٰہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن۔ مستدرک امام حاکم بحوالہ صواعق محرقہ علامہ ابن حجر و تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی)

جس چیز کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھی ہے اسی حدیث کی پناہ ڈھونڈھی جاتی ہے اس وقت جب خلفائے کرام کی ایجاد کردہ بدعتوں پر اعتراض وارد ہوتا ہے اور اسی حدیث کا سہارا لیا جاتا ہے اس وقت جب اجماع سقیفہ کے جائز ہونے میں ردو قدح کی جاتی ہے۔ آخر زنجیری ماتم بلکہ جتنی بھی افراط و تفریط مراسم عزاداری میں داخل ہوگئی ہو (وہ سب کی سب) مسلمانوں کے ایک طبقہ کو اچھی معلوم ہوتی ہے لہذا یقینا امام حاکم کی پیش کردہ حدیث کی بنا پر خدا کے نزدیک اچھی اور مستحسن ہے تنظیم اہل سنت کے ارکان چیخا چلایا کریں خدا کے نزدیک تو یہ سب قابل ثواب ہی ہوگا۔ کہیں یہ مت کہہ دیجئے گا کہ صرف ایک فرقہ کے پسند کرنے سے کیا ہوتا ہے جب تک تمام مسلمین کا اتفاق نہ ہو جائے اس وقت تک یہ حدیث صادق نہیں آئے گی کیونکہ ایسا کہنے سے سقیفہ کا اجماع

اور تمام خلافتیں ھباءً منثورًا ہو جائیں گی جن کی دلیل میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے الحمد للہ کہ یہ ثابت ہو گیا کہ نہ صرف سائل کی پیش کردہ چیزیں بلکہ تمام مراسم عزاداری عین سنت ہیں اور ہر ایک کی تشریح ہو چکی کہ کون سا طریقہ کس کی سنت ہے۔

اگر حضرت علامہ مولانا دوست محمد صاحب قریشی میں کچھ بھی غیرت ہو گی تو یہاں حسب الاعلان جتنی حدیثیں پیش کی گئی ہیں اتنے ہی سو روپئے میرے بجائے ادارہ "رضا کار" اور "انجمن وظیفہ سادات و مومنین" کو پیش کر دیں گے۔ مگر وہ مرد ہی کیا جس کو غیرت آتی ہو۔

عزاداری فرض ہے

جب یہ ثابت ہو چکا کہ عزاداری کے مراسم سنت نبوی اور سنت ائمہ ہیں تو اب فقیر دوست محمد قریشی کے خلجان میں اضافہ کی غرض سے ان کے سوال کے اس واحد حصے کی طرف توجہ کرتا ہوں جس کو ابھی تک ملتوی رکھا تھا یعنی یہ سوال کہ۔

سوال نمبر ۲: اگر فرض ہے تو آیت بمع رکوع و سورہ تحریر فرمایئے۔

جواب: جی ہاں! بعض حالات میں عزاداری فرض ہے اور وہ یوں کہ ہر مستحب امر کی نذر شرعاً کی جا سکتی ہے اور اس کا عہد بھی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ہر اسلامی فرقہ کا عقیدہ اور مذہب ہے اس لئے اگر عزاداری کے کسی بھی مستحب رسم کی جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے کوئی شخص نذر کرے یا عہد کر لے تو اس کا پورا کرنا اس کے اوپر فرض ہو جائے گا اور اس کے لئے حسب ذیل دو آیتیں کافی ہیں:-

(۱) اوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۴، آیت ۳۴)
اور عہد کو پورا کرو بیشک عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

(۲) یوفون بالنذر و یخافون یوما کان شرہ مستطیرا۔ (سورۂ دہر رکوع ۱ آیت ۷)
یہ لوگ نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر اور خوف عام ہو گا ان آیتوں کے علاوہ حسب ذیل آیتیں ملاحظہ فرمائی جائیں۔

(۱) سورۂ بقرہ رکوع ۳۶ آیت ۲۷۰ (۲) سورۂ بقرہ رکوع ۵ آیت ۴۰ (۳) سورۂ انعام رکوع

Presented By: https://jafrilibrary.com

۱۹۔آیت ۵۲۔(۴) سورۂ نحل رکوع ۱۳ آیت ۹۱۔(۵) سورۂ حج رکوع ۴ آیت ۲۹۔

میں نے اس مضمون میں حتی الامکان اختصار کی کوشش کی ہے احادیث کے انبار میں سے ایک مضمون کی صرف ایک ہی حدیث منتخب کی ہے لیکن اس کے باوجود مضمون طویل ہوگیا ہے اگرچہ امید ہے کہ یہ طول قارئین کے لیے باعث ملال نہ ہوگا میری یہ ساری محنت سوارت ہوجائے اگر سائل کے دل میں اس سے نور ایمان پیدا ہوجائے۔ اللہ ولی الذین آمنوا یخرجھم من الظلمت الی النور۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

بنی امیہ قرآن کی نظر میں

آج کل کے بعض حالات کو دیکھ کر اس کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ یزید کی مفصل سوانح عمری مرتب کی جائے جس سے اس کے حقیقی خط و خال دنیا کے سامنے آجائیں۔ ارادہ یہ ہے کہ اس سوانح عمری میں حسب ذیل باتیں بیان کی جائیں:

(۱) نام و نسب

(۲) بنی امیہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں

(۳) بنی امیہ کی ابتدائی پستی اور بعد میں ان کے عروج کے اسباب

(۴) معاویہ کا کردار

(۵) یزید کی ماں کا کردار

(۶) یزید کی تربیت اور اس کا مزاج

(۷) ولی عہدی سے قبل کے واقعات

(۸) ولی عہدی کے لئے سازشیں

(۹) تخت نشینی۔

(۱۰) قتل امام حسینؑ کا اہتمام اور اس کے مختصر واقعات

(۱۱) واقعہ حرّہ (مدینہ پر فوج کشی) اور اس کے اسباب و نتائج۔

(۱۲) مکہ کا محاصرہ اور اس کے اسباب و نتائج

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

(۱۳) یزید کی موت

(۱۴) یزید کے عادات وخصائل

یہ کام فرصت اور اطمینان چاہتا ہے اور ابھی ان دونوں میں سے کوئی چیز میسر نہیں۔ اس لئے یہ چاہتا ہوں کہ مندرجہ بالا عنوانات پر الگ الگ وقتاً فوقتاً مضامین لکھتا رہوں اور جب یہ ساری چیزیں احاطہ تحریر میں آجائیں تو ان کو کتابی شکل میں مرتب کر دوں۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

آج اس مضمون میں قرآن مجید کے اُن آیات کا تذکرہ مقصود ہے جو بنی اُمیہ سے متعلق ہیں۔ ان آیتوں کی تفسیر میں حضرات اہلسنت کے راویوں اور انہیں کی کتابوں سے درج کر رہا ہوں۔

پہلی آیت

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة فی القرآن ونخوفهم فما یزیدهم الا طغیانا کبیرا۔ (سورہ بنی اسرائیل آیت ۶۰)

"اور ہم نے جو خواب تم کو دکھایا تھا تو بس اسے لوگوں کے ایمان کی آزمائش کا ذریعہ ٹھہرایا تھا اور اسی طرح وہ درخت جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور ہم باوجودیکہ ان لوگوں کو طرح طرح سے ڈراتے ہیں مگر ہمارا ڈرانا ان کی سخت سرکشی ہی کو بڑھاتا ہے۔"

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر میں تفسیر درمنثور جلد چہارم ص۱۹۱ مطبوعہ مصر میں حسب ذیل روایتیں درج ہیں۔

(۱) واخرج ابن جریر عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی فلان ینزون علی منبرہ نزو القردة فساءہ ذلک فما استجمع ضاحکا حتی مات وانزل اللہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس۔

ابن جریر نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلعم نے بنی فلاں کو خواب میں اپنے منبر پر بندروں کی طرح اچھلتے ہوئے دیکھا پس آپ کو اس سے ایسا رنج پہونچا کہ آپ

Presented By: https://jafrilibrary.com

مرتے دم تک پھر کبھی نہیں ہنسے اور خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اس روایت میں "تقیہ" کرتے ہوئے اس شجرۂ ملعونہ کے نام کو "بنی فلاں" کے پردے میں چھپا دیا گیا ہے۔ مگر بعد کی روایتوں سے اس کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

(۲) واخرج ابن ابی حاتم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رأیت ولد الحکم بن ابی العاص علی المنابر کانهم القردة وانزل اللہ فی ذلک وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس والشجرة الملعونة یعنی الحکم وولده۔

(۲) ابن ابی حاتم نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میں نے حکم بن ابی العاص کی اولاد کو منبروں پر بندروں کی طرح دیکھا اور خدا نے اسی سلسلے میں یہ آیت نازل فرمائی کہ ہم نے جو خواب تم کو دکھلایا تھا تو بس اسے لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ قرار دیا تھا۔ اور اسی طرح وہ شجرہ ملعونہ بھی۔ اور اس شجرۂ ملعونہ سے حکم اور اس کی اولاد مراد ہے (جو بنی امیہ کا اہم خاندان تھا)

(۳) واخرج ابن ابی حاتم عن یعلی بن مرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أُریت بنی امیة علی منابر الارض وسیتملکونکم فتجدونهم ارباب سوء واهتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لذلک فانزل اللہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنة للناس۔

ابن ابی حاتم نے یعلی بن مرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ مجھے بنی امیہ کو خواب میں دنیا کے منبروں پر دکھایا گیا۔ اور وہ عنقریب تمہارے حاکم ہو جائیں گے پس تم ان کو برا حاکم پاؤ گے۔ اور رسول اللہ صلعم اس خواب سے بہت مغموم ہوئے۔ پس خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔

(۴) واخرج ابن مردویہ عن الحسینؑ ابن علیؑ رضی اللہ عنہما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اصبح وهو مهموم فقیل مالک یا رسول اللہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

فقال انی اریت فی المنام کان بنی امیۃ یتعاورون منبری ھذا۔ فقیل یا رسول اللہ لاتھتم فانھا دنیا تنالھم فانزل اللہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس۔

(۴) ابن مردویہ نے امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلعم ایک صبح بہت رنجیدہ تھے۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے کہ بنی امیہ میرے اس منبر پر یکے بعد دیگرے چڑھ رہے ہیں۔ پس کہا گیا کہ یا رسول اللہ آپ اس خواب سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ یہ دنیا ہے جو ان کو مل جائے گی اس وقت خدا نے یہ آیت نازل فرمائی۔"

(۵) واخرج ابن ابی حاتم وابن مردویہ والبیھقی فی الدلائل وابن عساکر عن سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی امیۃ علی المنابر فساءہ ذلک فاوحی اللہ الیہ انما ھی دنیا اعطوھا فقرت عینہ وھی قولہ وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس یعنی بلاء للناس۔

(۵) ابن ابی حاتم نے اور ابن مردویہ نے اور دلائل میں بیہقی نے اور ابن عساکر نے سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ رسالت مآب صلعم نے بنی امیہ کو منبروں پر خواب میں دیکھا۔ پس آپ کو اس سے صدمہ ہوا۔ اس وقت خدا نے وحی نازل فرمائی کہ ان کو صرف دنیا ملے گی (آخرت سے وہ بیگانہ ہی رہیں گے) پس آپ کو اطمینان ہو گیا۔ اور وہ وحی خدا کا یہی قول ہے کہ ہم نے جو خواب تم کو دکھایا تھا وہ لوگوں کیلئے فتنہ یعنی آزمائش ہی ہے۔"

(۶) واخرج ابن مردویہ عن عائشۃ رضی اللہ عنھا انھا قالت لمروان بن الحکم سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لابیک وجدک انکم الشجرۃ الملعونۃ فی القرآن۔

(۶) ابن مردویہ نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ انھوں نے مروان بن حکم سے کہا کہ میں نے رسول اللہ کو سنا کہ آنحضرت نے تیرے باپ اور تیرے دادا سے فرمایا کہ بیشک

Presented By: https://jafrilibrary.com

تمہیں دکھایا گیا ۔۔۔ وہ شجرہ ہو جو قرآن میں ملعون ہے ۔

اس آیت اور ان روایتوں سے صاف ظاہر ہے کہ بنی امیہ وہ منحوس خاندان تھا جس پر خداوند عالم نے قرآن مجید میں لعنت فرمائی ہے اور ان کی حکومت کو لوگوں کے ایمان کی آزمائش کا سبب قرار دیا کہ کون دنیا حاصل کرنے کیلئے بنی اُمیہ کی طرف چلا جاتا ہے اور کون ان سے الگ رہ کر اپنے ایمان کو محفوظ رکھتا ہے گویا سبب آزمائش ہونے کے اس عنوان میں بنی امیہ اور ابلیس بالکل مساوی ہیں۔ اور اسی لئے رسالتمآب صلعم نے جب ان انسان نما ابلیسوں کو منبر پر دیکھا تو ایسے غمگین ہو گئے کہ پھر عمر بھر ہنسی نہ آئی ۔

اس پورے شجرۂ خبیثہ کے ملعونہ ہونے کے بعد بھی جن لوگوں کو یزید اور اس کے باپ پر لعنت کے جواز میں شک ہو ان کی قرآن فہمی لائق ستائش ہے ۔

شیعہ مفسر ملا محسن فیض ؒ نے بھی تفسیر صافی میں اس خواب کی روایتوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :۔

اقول معنى هذا الخبر مستفيض بين الخاصة والعامة

ان روایتوں کا مفہوم شیعوں اور سنیوں (دونوں فرقوں) میں گویا متواتر ہے ۔

آخر میں مفسر ممدوح نے آیۂ مذکورہ کی ایک عجیب لطافت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس آیت میں بنی اُمیہ کی سخت ترین سرکشی کا تذکرہ کرتے وقت خداوند عالم نے ان کے سب سے بڑے سرکش کے نام کی بھی خبر دی ہے جو ۔۔

فما يزيدهم الا طغيانا كبيرا (یعنی ہمارا یہ ڈرانا ان کی سخت سرکشی کو بڑھاتا ہی گیا)

اس جملہ میں "یزیدہم" کی لفظ موجود ہے ؎

بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

دوسری آیت

بنی امیہ کی وہ دنیاوی جاہ و حشمت جس کا تذکرہ اوپر آچکا ہے ۔ حضرت یوسف اور حضرت سلیمان کی طرح رضائے الٰہی پر مبنی نہیں تھی ۔ بلکہ بیان کیا جاچکا ہے کہ لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ تھی ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس امر کا مزید تذکرہ اس دوسری آیت میں ہے کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دیجئے کہ:۔

وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین (سورہ الانبیاء آیت ۱۱۱)

اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ شاید یہ چیز تمہارے واسطے امتحان ہو اور ایک معین مدت تک تمہارے واسطے چین ہو۔

اس سلسلے میں دو روایتیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) واخرج ابن سعد وابن ابی شیبۃ والبیھقی فی الدلائل عن الشعبی قال لما سلم الحسن بن علی رضی اللہ عنہ الامر الی معاویۃ قال لہ معاویۃ قم فتکلم فحمد اللہ و اثنی علیہ ثم قال ان ھذا الامر ترکتہ لمعاویۃ ارادۃ اصلاح المسلمین وحقن دمائھم وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین ثم استغفر ونزل۔ (تفسیر در منثور جلد ۴ ص۳۶۲ مطبوعہ مصر)

(۱) ابن سعد نے اور ابن ابی شیبہ نے اور دلائل میں بیہقی نے امام شعبی سے روایت کی ہے کہ جب امام حسن علیہ السلام نے معاویہ سے صلح فرمائی تو معاویہ نے آپ سے فرمائش کی کہ آپ اس سلسلے میں کھڑے ہو کر کچھ فرمائیں۔ پس امام علیہ السلام نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے اس امر سلطنت کو معاویہ کے لئے محض مسلمانوں کی اصلاح کی غرض سے اور ان کی خونریزی کو روکنے کیلئے چھوڑ دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ شاید یہ تمہارے لئے آزمائش ہو۔ اور کچھ دنوں کے لئے چین ہو۔ پھر آپ نے استغفار فرمایا اور منبر سے اتر آئے۔"

یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ امام حسن علیہ السلام نے اس آیت کو محض بطور اقتباس یہاں پڑھا تھا۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ آیت بنی امیہ ہی کی سلطنت کے لئے نازل ہوئی تھی۔ یہ روایت ملاحظہ ہو:۔

(۲) اخرج ابن ابی شیبۃ وابن عساکر عن الربیع بن انس رضی اللہ عنہ قال لما اسری بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ وان ادری لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین یقول ھذا الملک۔

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

(۳) ابن ابی شیبہ نے اور ابن عساکر نے ربیع بن انس سے روایت کی ہے کہ جب رسالتمآب صلعم شب معراج آسمان پر تشریف لے گئے (تو وہاں آپ نے کچھ ایسی چیزیں دیکھیں جن کے نتیجہ میں) خدا نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اے رسولؐ ان سے کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ شاید یہ چیز تمہارے لئے آزمائش اور کچھ دنوں کا چین ہو۔ اور اس چیز سے یہ سلطنت اور حکومت مراد ہے"

بنی اُمیّہ کی یہ سلطنت اور اس کے لئے ان کی ساری جنگ و جدال جو بظاہر مذہب کے پردے میں بپا کی گئی تھی دراصل خدا اور اس کے احکام کو پس پشت ڈال کر قائم ہوئی تھی چنانچہ تیسری آیت اس کی وضاحت کرتی ہے۔

تیسری آیت

ومن الناس من یجادل فی اللّٰہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتٰب منیر ٥ ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللّٰہ لہ فی الدنیا خزی ونذیقہ یوم القیٰمۃ عذاب الحریق ٥ ذٰلک بما قدمت یدٰک وان اللّٰہ لیس بظلام للعبید ٥ (سورہ حج آیت ۸۔۹۔۱۰)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بے جانے بوجھے بے ہدایت پائے بغیر روشن کتاب کے (جو اسے راہ بتائے) خدا کی آیتوں سے منہ موڑے خواہ مخواہ خدا کے بارے میں لڑنے مرنے پر تیار ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کی راہ سے بہکا دے ایسے (نابکار) کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اسے جہنم کے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ اور اس وقت اس سے کہا جائے گا کہ یہ ان اعمال کی سزا ہے جو تیرے ہاتھوں نے پہلے سے کئے ہیں۔ اور بیشک خدا بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا (ترجمہ مولانا فرمان علی)

اس آیت کے حاشیہ پر مولانا حافظ فرمان علی صاحب مرحوم نے لکھا ہے کہ:۔

"حافظ ابن محمد بن موسیٰ شیرازی نے تفسیر اثنا عشر میں انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ حضرت رسولؐ کے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص کا ذکر خیر کر رہے تھے کہ وہ بڑا نمازی

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور روزہ دار ہے اور زکوٰۃ دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا میں اسے نہیں پہچانتا اس اثنا میں وہ آدمی سامنے آیا اور ہم نے عرض کی یہ وہی ہے۔ یہ سُنتا تھا کہ آپ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا میری تلوار لو اور اس کا سر کاٹ لاؤ۔ یہ شیطان کے گروہ کا پہلا شخص ہے۔ غرض حضرت ابو بکر تلوار لئے مسجد میں آئے تو دیکھا کہ وہ رکوع میں ہے حضرت ابو بکر یہ سوچ کر کہ رسول اللہؐ نے نمازیوں کے قتل سے منع کیا ہے واپس آئے اور عرض کی میں نے اسے نماز پڑھتے دیکھا۔ اور آپ نے نمازی کے قتل کو منع کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تم بیٹھو تم اس قابل نہیں ہو۔ اور حضرت عمر کو حکم دیا کہ تم مسجد میں جاؤ اور اس شخص کا سر کاٹ لاؤ۔ حضرت عمر تلوار لئے آئے تو اسے سجدہ میں دیکھا۔ تو آپ بھی واپس ہوئے اور کیفیت عرض کی۔ آپ نے فرمایا تم بھی اس قابل نہیں ہو بیٹھ جاؤ۔ پھر فرمایا اے علیؑ تم اٹھو اور میں جانتا ہوں کہ تم اس کو پاؤ گے تو تم ہی قتل کرو گے۔ اور اگر تم نے اس کو اس وقت قتل کیا تو پھر میری امت میں کبھی اختلاف نہ ہوگا۔ غرض حضرت علیؑ گئے اور آپ نے اسے نہ پایا۔ اور کیفیت آکر عرض کی۔ اس وقت حضرت رسولؐ نے فرمایا۔ یا علیؑ امت موسیٰؑ کے اکہتر فرقے ہوئے ایک ناجی باقی ناری۔ اور امت عیسیٰؑ کے بہتر فرقے ہوئے ایک ناجی باقی ناری۔ اور میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے ایک ناجی باقی ناری۔ حضرت علیؑ نے پوچھا ناجی کون ہوگا۔ آپ نے فرمایا جو تمہارے اور تمہارے اصحابؑ کے طریقہ پر چلے۔ اس وقت اس مرد کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن عباس کہتے ہیں "واللہ اس آدمی کو حضرت علیؑ نے جنگ صفین میں قتل کیا۔ اور اس روایت کو علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیہ میں اور ان کے علاوہ اور علمائے اہلسنت نے بھی نقل کیا ہے۔" (حاشیہ ترجمہ قرآن صفحہ ۱۳۵)

جب بنی امیہ کے تابعین کا یہ حال تھا اور ان کے لئے اس آیت کی تہدید نازل ہوئی تو خود بنی امیہ کی حالت کا اندازہ بہ آسانی کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال بنی امیہ کے ہم نواؤں سے لڑنا خداوند عالم کو ایسا محبوب تھا کہ اس نے صاف صاف حکم دیا کہ جس طرح کفار سے اشاعت اسلام کے لئے جنگ کی گئی ہے اسی طرح بنی امیہ سے حفاظت اسلام کے لئے شدید جنگ کی جائے جیسا کہ چوتھی آیت

Presented By: https://jafrilibrary.com

صریحاً اس کو بتا رہی ہے۔

چوتھی آیت

وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ (سورۂ حج آیت ۷۸)

"اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جو حق جہاد کرنے کا ہے"

حضرت عمر نے اس کی جو تفسیر بیان فرمائی ہے وہ ملاحظہ ہو۔

(۱) اخرج ابن مردویہ عن عبد الرحمٰن بن عوف قال قال لی عمر الستا کنا نقرأ فیما نقرأ جاھدوا فی اللہ حق جہادہ فی آخر الزمان کما جاھدتم فی اولہ قلت بلی فمتی ھذا یا امیر المومنین قال اذا کانت بنو امیۃ الامراء و بنو المغیرۃ الوزراء۔

(تفسیر در منثور جلد چہارم ص ۳۷۱ مطبوعہ مصر)

(۱) ابن مردویہ نے عبد الرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا کہ کیا ہم جو کچھ قرآن میں پڑھتے تھے اس میں یہ نہیں پڑھتے تھے کہ "اور خدا کی راہ میں آخری زمانہ میں بھی جہاد کرو جو حق جہاد کرنے کا ہے جس طرح تم لوگوں نے ابتدائی زمانہ میں جہاد کیا" میں نے کہا کہ بیشک ہم پڑھتے تھے پس اے امیر المومنین یہ حکم کس وقت کیلئے ہے؟ حضرت عمر نے کہا کہ "جب بنی امیہ امیر اور بنی مغیرہ وزیر ہوں"

(تعجب ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی حضرت عمر نے بنی امیہ کو شام میں اپنی طاقت مستحکم کرنے کا موقع فراہم کیا۔ اور شوریٰ میں بھی بنی امیہ کی ایک فرد کو ایسے انتظام کے ساتھ رکھا کہ بہر صورت وہی خلیفہ ہوا۔ اور اس کی خلافت میں حضرت عمر کے ساتھ ساتھ عبد الرحمٰن بن عوف کا بھی برابر کا حصہ تھا)

(۲) واخرجہ البیہقی فی الدلائل عن المسور بن مخرمہ قال قال عمر لعبد الرحمٰن بن عوف فذکرہ (حوالہ مذکور)

(۲) بیہقی نے دلائل میں مسور بن مخرمہ سے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے عبد الرحمٰن

Presented By: https://jafrilibrary.com

بن عوف سے پوچھا۔ اور اس کے بعد پورا واقعہ گذشتہ روایت کے مطابق ذکر کیا ہے "

اور بقول مولانا فرمان علی صاحب مرحوم و مغفور:۔

"یہ ظاہر ہے کہ مغیرہ کی اولاد یزید کے زمانہ میں وزارت پر فائز تھی کیونکہ سب سے پہلے جس شخص نے معاویہ سے بیعت یزید کی تحریک کی اور لوگوں سے بیعت کرائی وہ مغیرہ کوفہ کا گورنر تھا جس نے کوفہ کے چالیس آدمیوں کو اپنے بیٹے کے ساتھ معاویہ کے پاس یزید کی بیعت کے واسطے بھیجا تھا۔ اور جب وہ لوگ بیعت کر چکے تو معاویہ نے اس کے بیٹے سے تنہائی میں پوچھا کہ بکم اشتری ابوک دینھم تیرے باپ نے ان لوگوں کا دین و ایمان کتنے میں خریدا۔ وہ بولا چار سو دینار میں۔ معاویہ نے کہا کہ پھر بھی بہت ارزاں ہے " اللہ اکبر! معاویہ کو بھی اپنی بے ایمانی اور مخالفت حق کا اس درجہ یقین تھا۔ بہرحال یہ زمانہ جس کو خدا فرماتا ہے امام حسینؑ کے جہاد کا زمانہ اور آپ کے جہاد عظیم کا ذکر ہے اور خدا آپ کے ساتھ دینے کا حکم فرماتا ہے۔" (حاشیہ ترجمہ قرآن مجید از مولانا فرمان علی صاحب ص۲۴۴)

اب ہم یزید کے زمانہ اور کربلا کی جنگ تک پہنچ چکے ہیں اور یہ واضح ہو چکا کہ امام حسین نے جو جہاد یزید سے فرمایا تھا وہ اسی آیت کی تعمیل میں تھا۔ اس جہاد عظیم کی اہمیت نگاہ باری میں اتنی تھی کہ اس نے اس پورے عشرہ کو محترم قرار دیدیا۔ اور اس کو قسم کے ساتھ یاد کیا ہے۔ جیسا کہ پانچویں آیت سے ظاہر ہو رہا ہے:۔

پانچویں آیت

والفجر ہ ولیال عشر ہ (سورہ فجر آیت ۱-۲)

"صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم"

اس کی تفسیر میں تفسیر در منثور (جلد ششم ص۳۴۶ مطبوعہ مصر) میں یہ روایت موجود ہے کہ:۔

(۱) اخرج محمد بن نصر فی کتاب الصلوٰۃ عن ابی عثمان قال کانوا یعظمون

Presented By: https://jafrilibrary.com

ثلاث عشرات العشر الاول من المحرم والعشر الاول من ذی الحجۃ والعشر الاخیر
من رمضان۔

(۱) محمد بن نصر نے کتاب الصلوٰۃ میں ابو عثمان سے روایت کی ہے کہ وہ لوگ تین عشروں
کی تعظیم کیا کرتے تھے۔ محرم کا پہلا عشرہ۔ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ۔ اور رمضان کا آخری عشرہ۔

ظاہر ہے کہ ماہ محرم کے عشرہ اولیٰ کے احترام کی کوئی وجہ بتانا ضروری نہیں ہے بجز اس کے کہ اس عشرہ
میں حق و باطل کی وہ مہتم بالشان جنگ ہونے والی تھی جس میں باطل کو بظاہر فتح ہو کر بھی شکست فاش
نصیب ہوئی۔ اور اسی واقعہ کی یادگار میں بہت پہلے سے اس دن کو محترم اور معظم قرار دیا گیا تھا جبکہ
یہ واقعہ دنیا بھی ظہور میں نہیں ہوا تھا چنانچہ یہودیوں میں بھی محرم الحرام کی دسویں تاریخ بہت ہی محترم تھی قدیم زمانہ
میں یہودیوں کا سال ماہ رجب سے شروع ہوتا تھا اور محرم ان کے سال کا ساتواں مہینہ تھا توریت (کتاب احبار
باب ۱۶۔ آیت ۲۶ تا ۲۲ چھاپہ لاہور) میں ہے کہ

"پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کرکے فرمایا۔ ساتویں مہینہ میں بھی اور اس کے دسویں روز کفارہ
دینے کا دن ہوگا۔ تمہاری مقدس جماعت ہوگی۔ تم اُس دن کوئی کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارے کا دن ہے
کہ تم خداوند اپنے خدا کے آگے اپنے لئے کفارہ دو۔ جو کوئی انسان کہ عین اس دن میں غمگین نہ ہو جائے گا۔
وہ اپنی قوم سے کٹ جائے گا۔ اور جو انسان عین اُس دن میں کوئی کام کرے گا میں اس انسان کو اس
کی قوم میں سے فنا کر دوں گا تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ یہ تمہارے سارے گھروں میں تمہارے قرنوں
کے لئے قانون ابدی ہوگا۔ یہ تمہارے لئے سبت آرام کرنے کیلئے ہوگا تم اپنے کو غمگین بنائیو۔ تم
اس مہینے کے نویں دن کی شام سے دوسری شام تک اپنے آرام کا وقت مان لیجیو۔"

بہرحال بنی اُمیہ کی سلطنت اور اس میں امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور دیگر
مظالم کی خبر اور اس دین اسلام کی بربادی کے غم سے جس کو رسولؐ نے اپنے خون جگر سے سیراب کیا
تھا۔ رسول کو جو صدمہ اور روحانی اذیت ہوئی ہوگی۔ اس کا اندازہ کون کرسکتا ہے۔ اس لئے جب
رسول اللہ نے وہ خواب دیکھا جس کا تذکرہ پہلی آیت کے سلسلے میں آچکا ہے اور خداوند عالم نے

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس پہلی آیت میں یہ بتا دیا کہ اس شجرۂ ملعونہ کی سلطنت میں لوگوں کے ایمان کا امتحان مقصود ہے تو مزید تسکین کے لئے یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھا کہ بنی امیہ کی سلطنت کب تک رہے گی اور کب ختم ہو جائے گی تاکہ اس کی مختصر مدت کا حال معلوم کرکے رسولؐ کو اطمینان ہو جائے۔ اس لئے سورۂ قدر نازل ہوا۔

آخری آیتیں

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر ہ وما ادرٰىك ما لیلۃ القدر ہ لیلۃ القدر خیر من الف شھر ہ تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلٰم ہ ھی حتی مطلع الفجر ہ (سورۂ قدر پ ۳۰)

"بیشک ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس شب میں فرشتے اور روح اپنے رب کی اجازت سے ہر امر کو لیکر نازل ہوتے ہیں۔ اور یہ شب طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے"

اس سورہ کی تفسیر کے سلسلے میں حسب ذیل روایتیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) واخرج الخطیب فی تاریخہ عن ابن عباس قال رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی امیۃ علی منابرہ فساءہ ذالك فاوحی اللہ الیہ انما ھو ملك یصیبونہ ونزلت انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادرٰىك ما لیلۃ القدر لیلۃ القدر خیر من الف شھر (تفسیر در منثور جلد ششم ص ۳۷۱ مطبوعہ مصر)

(۱) خطیب نے اپنی تاریخ بغداد میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امیہ کو خواب میں اپنے منبر پر دیکھا۔ اور آپ کو اس سے صدمہ ہوا پس خدا نے آپ پر یہ وحی نازل فرمائی کہ یہ تو صرف ظاہری سلطنت ہے جس کو وہ لوگ پالیں گے۔ اور یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔ اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے"

(۲) واخرج الخطیب عن ابن المسیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

وسلم اریت بنی امیة یصعدون منبری فشق ذلک علی فانزل الله انا انزلناه فی لیلة القدر۔ (حوالہ مذکور)

(۲) خطیب نے ابن مسیب سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ بنی امیہ میرے منبر پر چڑھ رہے ہیں پس یہ امر مجھ پر شاق گذرا پس خدا نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔"

اسی آیت کی طرف امام حسن علیہ السلام نے توجہ دلائی تھی جب معاویہ سے صلح کرنے کی وجہ سے ایک شخص نے آپ پر طنز کیا تو آپ نے فرمایا کہ:-

لا تؤنبنی رحمک الله. فان النبی صلی الله علیہ وسلم رای بنی امیة یخطبون علی منبره فساءه ذلک فنزلت:- انا اعطینٰک الکوثر یا محمد یعنی نهراً فی الجنة ونزلت انا انزلناه فی لیلة القدر وما ادرٰک ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من الف شهر یملکها بعدک بنو امیة قال القاسم فعددنا فاذا هی الف شهر لا تزید یوما ولا تنقص یوما۔ (حوالہ مذکورہ بالا)

"خدا تجھ پر رحم کرے تو مجھ کو برا نہ کہہ کیونکہ نبی صلعم نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ آپ کے منبر پر خطبہ پڑھ رہے ہیں پس آپ کو اس سے رنج پہونچا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی کہ" اے محمد! ہم نے تم کو کوثر عطا فرمایا" اس سے جنت کی ایک نہر مراد ہے اور یہ آیتیں نازل ہوئیں کہ" ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں بنی امیہ تمہارے بعد حاکم رہیں گے قاسم کا بیان ہے کہ ہم نے شمار کیا تو واقعاً بنی امیہ کی سلطنت ہزار مہینے رہی نہ ایک دن زائد نہ ایک دن کم ہوئی۔"

امامؑ کا مقصد یہ تھا کہ اس ظاہری سلطنت کے الگ ہو جانے سے ہماری سلطنت ہم سے جدا نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ ہمارا اقتدار حسب سابق تمام عالم اور اشیاء عالم پر قائم ہے۔ اور بنی اُمیہ کی ہزار مہینے کی مختصر حکومت کے شدائد کے عوض میں خداوند عالم نے ہم اہلبیتؑ رسولؐ کو لیلۃ القدر

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی حکومت عطا فرمائی ہے۔ جو قیامت تک باقی رہے گی۔ اور آخرت میں حوض کوثر عنایت فرمایا ہے۔ لیلۃ القدر کی حکومت اہلبیتؑ میں باقی رہنے کا مقصد یہ ہے کہ امامت من جانب اللہ تا قیامت انھیں میں رہے گی گو ظالمین ظاہری حکومت ان سے غصب کرلیں۔ اور ان کو بظاہر مقہور و مغلوب کر کے ان کو سلطنت ظاہری سے محروم کر دیں۔ لیکن ان کی شان ہمیشہ یہ رہے گی۔ تنزل الملٰئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر سلام ھی حتی مطلع الفجر (شب قدر میں فرشتے اور روح خدا کی اجازت سے ہر امر لیکر ان صاحبان امر کے پاس آتے ہیں اور یہ شب طلوع فجر تک سلامتی ہی سلامتی ہے)

فالحمد للہ علیٰ ذلک

آخر میں یہ عرض کرتا چلوں کہ بنی اُمیہ کی سلطنت کی مدت ہزار مہینے کیونکر ہے۔ اس سلطنت کی ابتدا رجب سنہ ۴۱ھ سے صلح امام حسن کے بعد ہوئی۔ اور اختتام یکم شوال سنہ ۱۳۲ھ کو ہو گیا۔ کیونکہ اسی تاریخ کو بنی عباس کی تحریک اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ گئی جس نے چشم زدن میں مروان الحمار آخری بادشاہ بنی امیہ کی سلطنت کو درہم و برہم کر دیا اگرچہ اس کے بعد مروان نے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۲ھ تک جابجا مقابلے کی کوششیں کیں۔ مگر وہ ایک شکست خوردہ انسان کی حرکت مذبوحی تھی۔ بنی عباس کے مقابلے میں اب اس کی حیثیت ایک کمزور اور بے بس دشمن کی تھی اور بس۔

(۱) اس طرح پوری مدت سلطنت چھیاسی برس تین مہینے ہوتی ہے۔

(۲) مگر یزید کے بیٹے معاویہ کے بعد چھ مہینے تک کوئی بادشاہ تخت دمشق پر نہیں بیٹھا اس لئے یہ مدت کم ہو جائے گی۔

(۳) اور عمر ابن عبدالعزیز کا دور حکومت بنی فاطمہؑ اور امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب کے ماننے والوں کے لئے ایک سایۂ امن تھا اور اس نے اپنے اسلاف کے ویرہ کے برخلاف آل فاطمہؑ کے ساتھ حسن سلوک اور احسان سے کام لیا۔ اس لئے اس کے دور حکومت کو اہل بیتؑ کے مخالفین

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا دور نہیں کہا جا سکتا۔ اور اسے بنی امیہ کی سلطنت سے علیحدہ کر دینا ہوگا۔ عمر ابن عبدالعزیز کی مدت حکومت دو برس ۵ مہینے ہے۔

یعنی وہ پوری مدت جس میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ یا جس میں اہلبیتؑ کی تعظیم کرنے والا بادشاہ تھا بحیثیت مجموعی دو برس گیارہ مہینہ تھی۔ اب چھیاسی برس تین مہینے میں سے دو برس گیارہ مہینے کو نکال دینے کے بعد تراسی برس چار مہینے ظالمین بنی امیہ کا دور حکومت باقی بچتا ہے۔ اس مدت کو مہینوں میں منتقل کرنے سے ہزار مہینے حاصل ہوتے ہیں اور اسی مدت حکومت کی قرآن نے خبر دی تھی۔ اور ائمہ اہل بیت نے قبل اختتام سلطنت اس مدت کی خبر دے کر اور اس آیت کو بنی امیہ کے اوپر منطبق کر کے یہ بتا دیا کہ اصلی وارث رسولؐ۔ اور حامل قرآن و مفسر قرآن یہی حضرات تھے۔

بہرحال ان آیتوں سے یہ معلوم ہوگیا کہ نہ صرف یہ کہ قرآن مجید بنی امیہ کی مدح سے خالی ہے بلکہ وہ ان کے معائب اور مثالب اور ان کے قبائح اور فضائح سے بھرا ہوا ہے۔ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض مالها من قرار۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یزید کا خاندان

سال گذشتہ الجواد کے محرم نمبر میں "بنی امیہ قرآن کی نظر میں" کے عنوان سے جو میرا مضمون شائع ہوا تھا اس کے بعد پاکستان کے کئی برادران ایمانی نے یہ فرمائش تحریر فرمائی کہ اس کی تمہید میں جو مزید کئی عنوان درج کئے گئے ہیں ان سب کو مکمل کر کے ایک رسالہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ اسی فرمائش کی تعمیل کے سلسلہ میں یہ مضمون لکھا جا رہا ہے۔ آج ذی الحجہ کی چودھویں تاریخ ہے اور وقت اتنا کم رہ گیا ہے کہ یزید کے خاندان اور نسب کے متعلق مفصل تبصرہ ناممکن ہے۔ اس لئے اختصار کے ساتھ صرف چند اشارے درج کر رہا ہوں۔

بنی عدنان میں "قصی بن کلاب" وہ بزرگ تھے جو قبیلۂ قریش کے مورث اعلیٰ تھے یہ پانچویں صدی عیسوی میں گذرے ہیں۔ انہیں نے اپنے خاندان والوں کو مجتمع کر کے مکہ میں دوبارہ آباد کیا اس بنا پر ان کو "قریش" (جمع کرنیوالا) کہا گیا اور انکی اولاد اسی نام سے پکاری جانے لگی۔ اس مطلب کی تفصیل کیلئے سیرۃ النبی مصنفہ علامہ شبلی جلد اول ص اور تاریخ طبری جلد دوم ص اور تاریخ روضۃ الصفا جلد دوم ص ملاحظہ ہو۔ انھوں نے سنہ ۴۸۰ء میں انتقال کیا (تاریخ ائمہ مصنفہ مولانا سید علی حیدر صاحب ص)۔

قصی کے بیٹے عبد مناف تھے جو قصی کے بعد قریش کے سردار ہوئے عبد مناف سے جب سلسلۂ نسب آگے بڑھا تو عمود نسب حضرت رسالت مآب صلعم پر حضرت ہاشم کی ولادت ہوئی۔ جن کی اولاد "ہاشمی" یا "بنی ہاشم" کہلاتی ہے۔ ہاشم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا تھے، ہاشم کے علاوہ عبد مناف کے تین بیٹے اور بھی تھے۔ عبد الشمس، مطلب، نوفل۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہاشم اور عبد الشمس دونوں توام (جڑواں) بھائی تھے، اور اس طرح پیدا ہوئے تھے کہ ہاشم کے پاؤں کا پنجہ عبد الشمس کی پیشانی سے چپکا ہوا تھا اور اس مضبوطی کے ساتھ کہ بجز سیلان دم الگ ہونا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ ہاشم کا پنجہ عبد شمس کی پیشانی سے تلوار کے ذریعہ علیحدہ کیا گیا اور اس قدر خون بہا کہ عبد شمس سر سے پاؤں تک لہو میں نہا گیا۔ اس پر اس زمانہ کے کاہنوں اور نجومیوں نے ان دونوں کے متعلق پیشین گوئی کی کہ عنقریب ان دونوں کی اولاد میں ایسی سخت اور عام خونریزی ہوگی جو تاریخ کے صفحوں سے کبھی نہیں مٹے گی۔ اور ایسا ہی ہوا۔ (امہات الامہ مصنفہ ڈپٹی نذیر احمد ص۲ و تاریخ آئمہ ص۸ و روضۃ الصفا جلد دوم ص۱۳)

اسی عبد الشمس کی طرف امیہ منسوب ہے جو بنی امیہ کا جد اعلیٰ تھا کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ امیہ عبد الشمس کا بیٹا نہیں بلکہ غلام تھا جو کہ قاعدہ عرب کے مطابق عبد الشمس نے متبنیٰ کر لیا تھا۔ اس کا نام امیہ (حقیر کنیز) ان لوگوں کے خیال کی تقویت کرتا ہے مگر عام طور سے امیہ ابن عبد الشمس ہی مشہور ہے۔ عبد الشمس کے دوسرے بیٹے کا نام ربیعہ تھا۔ عبد الشمس کے بعد شجرۂ نسب یوں چلتا ہے۔

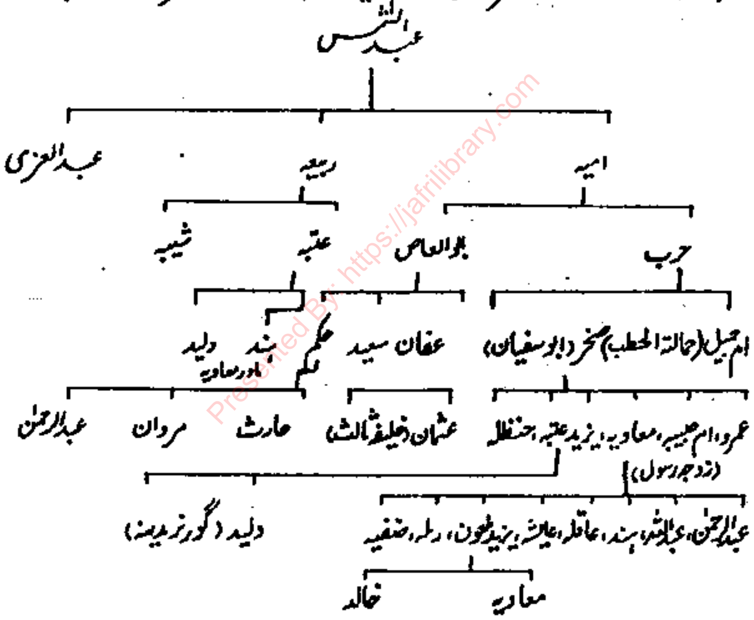

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے علاوہ بنی امیہ کے عروج جاہلیت کے زمانہ میں اس شجرہ میں ایک اضافہ کیا گیا کہ امیہ کے غلام ذکوان کو جس کی کنیت بعد میں "ابو عمرو" پڑی امیہ کا بیٹا مان لیا گیا اور اس طرح حرب اور ابوالعاص کے ساتھ تیسرا بیٹا ابو عمرو امیہ کو مفت میں حاصل ہو گیا۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی نے اغانی جلد اول میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ دغفل جو علم انساب کے بڑے ماہر تھے معاویہ کے دربار میں پہنچے تو دونوں میں اس طرح باتیں ہونے لگیں۔

معاویہ۔ اے دغفل بتاؤ تو تم نے بزرگان قریش میں سے کس کس کو دیکھا ہے؟

دغفل۔ عبدالمطلب بن ہاشم اور امیہ بن عبدالشمس کو دیکھا ہے۔

معاویہ۔ ذرا مجھ سے دونوں کی صورت شکل بیان کرو؟

دغفل۔ جناب عبدالمطلب گورے روشن چہرے والے، بلند قامت اور حسین تھے۔ ان کی پیشانی سے نبوت کا نور اور بادشاہت کی عزت ظاہر تھی۔ ان کے چاروں طرف ان کے دس جوان بیٹے حلقہ کئے رہتے تھے اور وہ سب ایسے معلوم ہوتے تھے گویا شیر نیستان ہیں۔

معاویہ۔ اچھا اب امیہ کی صورت شکل بیان کرو۔

دغفل۔ وہ ایک ناٹے پستہ قد، دبلے پتلے، اندھے بڈھے تھے جن کو ان کا غلام ذکوان تمام جگہ لئے پھرتا تھا۔

معاویہ۔ بس بس وہ ان کا غلام نہیں بلکہ بیٹا ابو عمرو تھا۔

دغفل۔ یہ بات تو تم لوگ اب کہنے لگے ہو اور بعد کو اس کی ایجاد کی گئی ہے۔ میں جو کچھ اس کی اصلیت جانتا ہوں وہی بیان کی ہے۔ (بحوالہ تاریخ ائمہ ص۳۵)

بہرحال اس ابو عمرو سے جو سلسلۂ نسب جاری ہوا اس کی ایک شاخ قابل ذکر ہے۔

ابو عمرو
|
ابو معیط
عقبہ
ولید

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے بعد معاویہ نے اپنے عروج کو مستحکم کرنے کیلئے زمانۂ اسلام میں بنی امیہ میں ایک شاخ کا مزید اضافہ کیا یعنی زیاد بن سمیہ کو ابو سفیان کا بیٹا مان لیا۔ اس کی تفصیل تاریخوں میں درج ہے یہاں بختصاً اتنا بتا دینا کافی ہے کہ قبل قبول اسلام ابو سفیان ایک مرتبہ طایف گیا اور ابو مریم نام کے ایک شراب فروش کے یہاں اترا۔ شراب پینے کے بعد ابو مریم سے کسی عورت کی فرمائش کی۔ ابو مریم نے سمیہ کو (جو حارث بن کلدہ ثقفی کی کنیز تھی اور اسی کے ایک غلام عبید سے بیاہی تھی) بلایا چنانچہ وہ ابو سفیان کے فیض سے حاملہ ہو گئی اور زیاد پیدا ہوا۔ پہلے یہ زیاد بن عبید یا زیاد بن سمیہ کہلاتا تھا اور جو لوگ حقیقت حال سے واقف تھے وہ اسے زیاد بن ابیہ (اپنے باپ کا لڑکا زیاد) کہتے تھے۔ چونکہ یہ زیاد بہت ہوشیار تھا اس وجہ سے معاویہ نے اسے اپنی طرف ملا لینا چاہا اور اس کو اپنا بھائی بنانے کی کوشش کی۔ بالعموم تمام مسلمان اس کام سے برافروختہ تھے کیونکہ اسلام کا مستقر اصول ہے اور رسولؐ کی حدیث متفق علیہ ہے کہ الولد للفراش وللعاهر الحجر "لڑکا اسی کا سمجھا جائے گا جس کی زوجہ ہے اور زانی کیلئے صرف پتھر یعنی زنا کی سزا ہے" لیکن معاویہ نے اس کی پرواہ نہ کی اور گواہوں سے اس بدکاری کی گواہی دلوا کر زیاد کو "ابن ابی سفیان" بنا دیا۔ گواہوں میں ابو مریم شراب فروش بھی تھا جس نے اتنی وضاحت سے تمام مراحل کی تفصیل بیان کی کہ زیاد کو کہنا پڑا کہ "اے ابو مریم بس کرو تم یہاں نسب کی گواہی دینے آئے ہو۔ میری ماں کو گالی دینے کیلئے نہیں بلائے گئے ہو" اس الحاق سے لوگ اتنا رنجیدہ تھے کہ شاعروں نے علانیہ اس کی ہجو شروع کر دی تھی۔ یہ اشعار اسی سلسلہ میں مشہور رہیں ؂

الا ابلغ معاویة بن حرب	مغلغلة عن الرجل الیمانی

اتغضب ان یقال ابوك عف	وترضی ان یقال ابوك زانی

ترجمہ: اے شخص میری طرف سے معاویہ تک یہ پیغام پہونچا دے کہ کیا تو یہ کہنے سے غضبناک ہوتا ہے کہ تیرا باپ عفیف اور پرہیزگار تھا اور یہ کہنے سے خوش ہوتا ہے کہ تیرا باپ زناکار تھا۔

یہ قدرت کی عجیب ادا ہے کہ آج تک جو سب سے قدیم شعر فارسی کا دستیاب ہو سکا ہے وہ بھی اسی واقعہ کے سلسلہ میں ہے۔ چنانچہ ایران کے زبردست محقق قزوینی مد کے مضامین کا جو مجموعہ،

Presented By: https://jafrilibrary.com

بست مقالات تقی زادہ کے نام سے شائع ہوا ہے اس میں ایک مضمون اس موضوع پر ہے کہ ابن زیاد نے کسی ایرانی کو بے جرم سزا دی تھی چنانچہ اس نے تین مصرعے موزوں کئے اور ان کو کوفے کی گلیوں اور شاہراہوں پہ گا گا کر پڑھنے لگا ۔

آب است و نبیذ است　　　　عصارات زبیب است

سمیہ رو سپید است

ترجمہ ۔ پانی ہے اور نبیذ ہے اور انگور کا افشردہ ہے اور سمیہ فاحشہ ہے ۔

بہرحال ابن زیاد کا بیٹا عبیداللہ بن زیاد یزید کی طرف سے کوفہ کا حاکم اور امام حسین علیہ السلام کے قتل کیلئے نائب بنایا گیا تھا

اب میں امیہ اور بنی امیہ کے چند دوسرے افراد کا مختصر حال بیان کرنا چاہتا ہوں ۔

اُمیّہ امیہ بن عبد شمس کو اس بات سے بہت جلن ہوتی تھی کہ حضرت ہاشم کے جود و سخا، بذل و کرم اور دوسرے فضائل کا اتنا شہرہ عرب میں کیوں ہے چنانچہ اس نے بھی بہت قوم میں رقم صرف کرنے کی کوشش کی مگر اسے وہ عزت و عظمت نصیب نہ ہوئی آخر اس نے حضرت ہاشم کو دعوت مقابلہ دی کہ آیئے ہم دونوں اپنا اپنا فخر بیان کر کے دوسروں سے دریافت کریں کہ ہم میں کون افضل ہے ۔ حضرت ہاشم نے اپنے نالائق بھتیجے کی اس بات کو ٹھکرا دیا ۔ بالآخر دوسروں کے مجبور کرنے سے اس شرط پر تیار ہوئے کہ جو ہار جائے وہ جیتنے والے کو پچاس سیاہ چشم ناقے دے اور دس سال کیلئے مکے سے جلا وطن ہو جائے ۔ کاہن خزاعی جو عسفان میں رہتا تھا حکم قرار دیا گیا ۔ اس نے دونوں کے بیانات سننے کے بعد یہ کہا کہ والقمر الباھر والکوکب الزاھر والغمام الماطر وما بالجو من الطائر وما اھتدی بعلم مسافر من منجد وغائر لقد سبق ھاشم امیۃ الی الماثر اول منہ و اخر وابو ھمھمۃ بذلک خابر ۔ (قسم ہے روشن چاندنی ، درخشاں تارے کی ، بربار بدلی ، فضا میں رہنے والے پرندوں کی اور جب تک کسی نشان سے بلندی اور پستی کے جانے والے مسافر ہدایت پاتے رہیں اس وقت تک کی کہ ہاشم امیہ سے ہر خوبی اور بزرگی اور فخر میں اطل

Presented By: https://jafrilibrary.com

وآخر ہر طرح افضل ہیں۔ اور خود امیہ کا سسر ابو ہمہ اس سے واقف ہے "

امیہ نے حضرت ہاشم کو شرط کے موافق اونٹنیاں دیں اور دس سال کیلئے شام کی طرف چلا گیا۔

(تاریخ کامل جلد دوم)

حرب

حرب بن امیہ حضرت عبدالمطلب کا مصاحب تھا۔ اس نے ایک مالدار یہودی کو بے وجہ قتل کرا دیا اور اس کا مال لٹوا لیا اور قاتلوں کو (جن میں سے ایک حضرت ابوبکر کے دادا صخر بن عمرو بھی تھے) اپنے یہاں چھپا رکھا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے اس سے کہا کہ قاتلوں کو علیحدہ کر دو تاکہ انتقام لیا جائے۔ حرب نے انکار کر دیا۔ بات بڑھ گئی اور آخر فیصلہ اس پر ٹھہرا کہ منافرہ ہو یعنی ہاشم اور امیہ کی طرح دوسرے منصف کے سامنے اپنے اپنے فضائل بیان کئے جائیں اور وہ فیصلہ کرے۔ دونوں فریق نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس پہنچے۔ اس نے حکم بننے سے انکار کر دیا۔ تب یہ لوگ پھر مکہ واپس آئے اور حضرت عمر کے دادا نفیل بن عبدالعزیٰ کو پنچ مقرر کیا۔ دونوں کے فضائل سن کر نفیل نے کہا کہ "کیوں حرب! تم اس عظیم الشان بزرگ اور سردار سے مفاخرت کرنے چلے ہو جو قد و قامت میں تم سے بلند اور شان و شوکت، جلال و جمال، نیز عظمت و وجاہت میں تم سے افضل ہیں۔ جو عزت میں تم سے کہیں بڑھے چڑھے اور ذلت میں تم سے بہت ہی کم ہیں۔ جن کی اولاد تم سے زیادہ اور جن کی سخاوت و بخشش تم سے بہت بڑھی ہوئی ہے اور جو اپنے داد و دہش اور اقتدار و اختیار اور دبدبہ و شوکت میں تم سے کہیں زیادہ عظیم الشان ہیں۔ میں یہ سب کہہ رہا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم غیض و غضب سے دور، عرب میں مشہور اور اپنی قوم کی حمایت کیلئے مضبوط رسی ہو لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ تم نے اس شخص سے مقابلہ و مفاخرہ کرنا چاہا ہے جس کے سامنے تم بالکل ہی ذلیل و حقیر ہو۔

یہ سن کر حرب بن امیہ نے غصہ سے کہا کہ یہ بھی اس منحوس زمانہ کا انقلاب ہے کہ تمہارے ایسا شخص اس معاملہ میں پنچ بنایا گیا۔ بہرحال اس کے بعد حضرت مطلب نے اس کو اپنی مصاحبت سے نکال دیا۔ اس سے سو اونٹنیاں یہودی کے خون بہا کیلئے دلوائیں۔ اور یہودی کا مال جو حرب نے

Presented By: https://jafrilibrary.com

لٹوایا تھا اسے واپس کرادیا۔ جو چیزیں واپس نہ مل سکیں ان کا بدلہ اپنے مال سے ادا کیا۔

(تاریخ کامل جلد دوم)

عَفانُ حضرت عثمان کے پدر بزرگوار تھے۔ یہ دھاڑی (میراثی) کا پیشہ کرتے تھے اور دف ڈھولک وغیرہ بجایا کرتے تھے۔ عفان کے معنی ہیں متعفن، بدبودار، سڑا ہوا۔

حَضرَت عثمانُ آپ سوادِ اعظم کے تیسرے خلیفہ ہیں۔ جن کی خلافت تنہا عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے سے قائم ہوئی تھی اور جن کے قتل پر پوری امتِ اسلامیہ کا اجماع تھا۔ آپ نے بنی امیہ جیسے شجرۂ ملعونہ کو مسلمانوں پر ہر جگہ مسلط کر دیا۔ عبداللہ بن ابی سرح جیسے مرتد کو جس کا خون رسولؐ نے مباح کر دیا تھا کہ اگر خانۂ کعبہ میں بھی ملے تو مار ڈالا جائے اس کو آپ نے مصر کا گورنر بنا دیا کیونکہ وہ آپ کا رضاعی بھائی تھا۔ سعد بن ابی وقاص (جو عشرہ مبشرہ میں داخل تھے اور عمر بن سعد کے پدر بزرگوار تھے) کی جگہ پر ولید بن عقبہ کو کوفہ کا گورنر بنایا جس نے شراب پی کر صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی۔ مروان بن الحکم جسے رسولؐ نے مدینہ کے باہر نکلوا دیا تھا اور حضرت عمر نے اسے حجاز کے باہر یمن تک جلا وطن کر دیا تھا، اس کو عین مدینہ میں بلوا کر اپنا دست راست بنایا اور سارا امر خلافت اسی کے حوالے کر دیا تھا اس کو افریقہ کا پورا خمس پانچ لاکھ اشرفیاں بخش دیں۔ اس کے باپ حکم یعنی اپنے چچا کو جو طرید رسولؐ (رسولؐ کا نکالا ہوا) کہا جاتا تھا واپس بلایا اور مدینہ میں جگہ دی۔ بنی امیہ پر دولت کی بارش کر دی۔ حالانکہ وہ دشمنِ رسولؐ تھے اور معزز ترین صحابہ کو ذلیل کیا۔ ابو ذر کو ملا وطن کیا۔ عبداللہ بن مسعود کو اتنا مارا کہ ان کو فتق کا عارضہ ہو گیا۔ قرآن کو جلایا۔ محمد بن ابی بکر کو قتل کرنے کی سازش کی۔ عمار جیسے محبوب رسالت مآب کو اتنا مارا کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ سنت رسول اللہ کے خلاف حج کے موقع پر منیٰ میں پوری چار رکعتیں پڑھیں حالانکہ رسالت مآب صلعم ہمیشہ قصر کر کے دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔ مدینہ کے مضافات میں بقیع میں جتنی چراگاہ تھی اس پر ذاتی قبضہ جما لیا۔ فدک کو جس پر حضرات شیخین نے مال مسلمین کہہ کر قبضہ کیا تھا۔ مروان کی ذاتی ملکیت میں دیدیا۔

آخر کار لوگ ان بدعنوانیوں سے اتنا تنگ آ گئے کہ سب کے سب مجتمع ہوئے اور مدینہ، مصر،

Presented By: https://jafrilibrary.com

کوفہ، اور بصرہ کے مسلمانوں نے باتفاق آپ کے قتل کا بیڑا اٹھایا اور آپ قتل کر دیئے گئے۔ لاش تین دن تک دفن نہ ہو سکی اور دفن ہوئی بھی تو یہودیوں کے قبرستان میں، ایک ٹانگ مدینہ کے کتوں کا رزق بن گئی۔ غرض آپ کے واجب القتل ہونے پر ایسا اجماع ہوا جس کے مقابلے میں سقیفہ کا اجماع پاسنگ بھی نہیں ہے۔

حکم بن اَبی العَاص

یہ حضرت عثمان کا چچا تھا۔ فتح مکہ کے سال مجبوراً اظہار اسلام کیا ورنہ دل اس کا کفر و نفاق سے بھرا ہوا تھا۔ مدینہ میں آکر بسا اور رسول اللہ کی خبروں کو کافروں تک پہونچاتا تھا اور رسولؐ کے افعال کے تجسس میں لگا رہتا تھا۔ شعبی کا بیان ہے کہ اس کے اظہار اسلام کا مقصد ہی یہی تھا۔ ایک روز رسولؐ نے دیکھا کہ وہ آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی رفتار مبارک کی نقل کرتا ہوا چل رہا ہے۔ رسولؐ نے بددعا دی اور وہ ایسا ہو گیا کہ چلنے میں معلوم ہوتا تھا کہ منہ کے بل گر پڑے گا اس کے بعد رسولؐ نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا۔ آنحضرت صلعم نے اس پر تین بار لعنت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ ان ھذا سیخالف کتاب اللہ وسنۃ نبیہ وسیخرج من صلبہ فتن یبلغ دخانہا السماء۔

یہ عنقریب کتاب خدا و سنت رسولؐ کی مخالفت کرے گا اور عنقریب اس کی صلب سے ایسے فتنے اٹھیں گے جن کا دھواں آسمان تک پہنچے گا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ۔ یہ تو اتنا حقیر و ذلیل ہے کہ اس سے اتنے عظیم امور ہو ہی نہیں سکتے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں جو میں نے کہا ہے ویسا ہی ہوگا اور اس وقت تم میں سے کچھ لوگ اس کے مددگار اور دوست ہوں گے۔ عبداللہ بن زبیر نے طواف کعبہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ "قسم ہے رب کعبہ کی رسول اللہ صلعم نے حکم پر لعنت کی اور جو اس سے پیدا ہوا اس پر لعنت کی"۔ یہ لعنت اتنی مشہور ہے کہ امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام، امام حسنؑ علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام، حضرت عائشہ اور بہتر سے دوسرے جلیل القدر اصحاب نے مروان بن حکم کے منہ پر اس کا تذکرہ کیا ہے۔ چونکہ رسالتمآب صلعم نے اسے طائف کی طرف جلاوطن کر دیا اس بنا پر اس کو طرید رسولؐ (رسولؐ کا نکالا ہوا) کہتے ہیں۔ جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو اس کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

بلا لیا۔ جب یہ مرا تو حضرت عثمان نے اس پر نماز جنازہ پڑھی اور اس کے جنازہ کی مشایعت کی اس پر مسلمانوں نے سرزنش کی کہ ما کفاک ما فعلت تصلی علی منافق ملعون لعنہ رسول اللہ ونفاہ (تذکرۂ خواص الامۃ سبط ابن جوزی)

تم نے اس کو واپس بلا لیا یہی کیا کم تھا کہ اب تم اس منافق ملعون پر نماز بھی پڑھ رہے ہو جس پر رسولؐ نے لعنت کی تھی اور اس کو جلاوطن کر دیا تھا۔ حضرت عثمان نے اس کو قبیلہ قضاعہ کی زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر کیا تھا۔ اس نے تیس ہزار دینار وصول کئے۔ عثمان نے سب کا سب اس کو بخش دیا جس پر سعد بن ابی وقاص نے جو خزانچی تھے کنجی لا کر مسجد میں پھینک دی کہ خرید رسول کو تیس ہزار دینار دے جاتے ہیں تو میں خازن نہیں رہوں گا۔

مروان بن الحکم

حکم کا بیٹا۔ حضرت عثمان کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا۔ سنہ ۲ھ میں پیدا ہوا تھا جب کہ اس کا باپ کافر ہی تھا رسولؐ نے اس کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ ھو الوزغ بن الوزغ الملعون بن الملعون۔ وہ چھپکلی کا بچہ چھپکلی ہے وہ ملعون کا بیٹا ملعون ہے یہ ابھی چھ سات سال کا تھا کہ حکم مسلمان ہوا اور مدینہ آیا اور فوراً باہر نکالا گیا اور رسولؐ نے فرمایا کہ کون مجھے اس چھپکلی سے نجات دلائے گا اور یہ بھی فرمایا کہ یہ میرے ساتھ ایک جگہ کبھی نہ رہنے پائے غرض اسی وقت یہ باپ اور بھائیوں کے ساتھ طائف چلا گیا۔ وہاں کہ جب خلیفہ ثانی نے اس کے باپ کو یمن کی طرف نکالا تو یہ بھی وہیں گیا۔ دور ثالث میں واپس آیا اور وزیر اور منشی بن گیا۔ حضرت عثمان کے قتل کا سب سے زیادہ ذمہ دار وہی تھا۔ عثمان کے بعد معاویہ کا ہوا خواہ بن گیا۔ معاویہ کے وقت میں کچھ دنوں مدینہ کا گورنر رہا۔ یزید کی تخت نشینی کے بعد اس نے ولید بن عتبہ گورنر مدینہ سے یہ کہا کہ اگر حسینؑ اس وقت بیعت نہ کریں گے تو کبھی نہ کریں گے۔ لہٰذا یا تو ان کو قتل کر یا بیعت لے۔" شہادت حسینؑ کے بعد جب اہل مدینہ نے یزید کی مخالفت کی اور بنی امیہ کو چن چن کر مدینہ سے نکالنا شروع کیا اور قتل و غارت کا خوف ہوا تو مروان نے امام زین العابدین علیہ السلام سے پناہ مانگی اور امام نے اس کو پناہ دے دی یہ امام کا حلم تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

جب یزید کے مرنے کے بعد اس کے فرزند معاویہ نے سلطنت سے دست برداری اختیار کی تو چھ مہینے تک دمشق کا تخت خالی رہا۔ آخر کار اسی مروان کو تخت سلطنت ملا اور پھر بنی امیہ کی سلطنت اسی کی اولاد میں رہی۔ رسولؐ جس پر لعنت کریں جسکی اولاد پر لعنت کریں جس کو اپنے جوار سے نکال دیں اس کی اور اس کی اولاد کی یہ عزت افزائی رسولؐ کا کلمہ پڑھنے والوں ہی سے ممکن تھی۔ یاللعجب اس نے یزید کی بیوی خالد کی ماں سے عقد کر لیا تھا ایک روز سر دربار خالد کو مروان نے گالی دی۔ خالد نے ماں سے شکایت کی۔ اس نے رات کو کنیزوں کی مدد سے مروان کے منہ پر تکیہ رکھا اور اس پر بیٹھ گئی جس سے مروان کا دم گھٹ گیا اور وہ مر گیا۔

حارث بن الحکم

حکم کا بیٹا مروان کا بھائی۔ لعنت میں باپ کا شریک۔ حضرت عثمان کے پاس زکوٰۃ کے اونٹوں کی ایک کثیر تعداد آئی آپ نے صلۂ رحم کا حق ادا کرتے ہوئے سب کا سب حارث کو بخش دیا تھا۔

سعید بن ابی العاص

حضرت عثمان کا چچا تھا حضرت عثمان نے اپنے دور خلافت میں اس کو یکمشت ایک لاکھ دینار بیت المال میں سے عطا فرمایا تھا۔ یہی سخاوتیں لوگوں کی بددلی کا باعث بنیں۔

عتبہ بن ربیعہ شیبہ بن ربیعہ ولید بن عتبہ

عتبہ بن ربیعہ امیر معاویہ کا نانا تھا اور ولید بن عتبہ امیر معاویہ کا حقیقی ماموں تھا شیبہ بن ربیعہ ان کے نانا کا بھائی تھا۔ یہ سب کے سب مشرکین قریش کے پرجوش سردار تھے۔ جنگ بدر میں سب سے پہلے جنگ کے لئے یہی تینوں نکلے تھے۔ رسول اللہ صلعم نے ان سے لڑنے کے لئے انصار میں سے تین آدمیوں کو بھیجا جن کے اسمائے گرامی معاذ، مسعود اور عوف تھے ان تینوں کافروں نے جب نام نسب پوچھا اور معلوم ہوا کہ یہ جوان انصار کے ہیں تو کہا کہ ہمیں تم سے کوئی مطلب نہیں ہے ہمیں تو قریشیوں سے عداوت ہے جو مسلمان ہو گئے ہیں۔ آخر تینوں جوان واپس آئے تو عتبہ وغیرہ نے نبی کریم

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے لڑنے کے لئے کوئی ایسا نکلے جو ہمارا ہم قوم ہو۔ آخر رسول اللہ صلعم نے حضرت حمزہؑ، حضرت علیؑ، اور حضرت عبیدہ بن الحارث کو بھیجا۔ نام و نسب بتانے کے بعد جنگ شروع ہوئی۔ ولید بن عتبہ (معاویہ کا ماموں) امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے مقابل آیا۔ خود عتبہ نے حضرت حمزہؑ سے جنگ کی اور شیبہ حضرت عبیدہ سے لڑنے لگا۔ حضرت علی علیہ السلام نے ولید کو ایک ہی ضرب میں فی النار کر دیا۔ حضرت حمزہؑ نے عتبہ کو راہی سقر کیا۔ مگر شیبہ نے حضرت عبیدہ کے پائے مبارک پر ایسی ضرب لگائی کہ وہ زمین پر گر پڑے اور ہڈیوں کا مغز زمین پر بہنے لگا۔ اس عرصہ میں حضرت علیؑ اور حضرت حمزہؑ اپنے دشمنوں کو قتل کر کے عبیدہ کی مدد کو پہنچ گئے اور شیبہ کو قتل کر دیا۔ عبیدہ کو میدان سے اٹھا کر رسول کے پاس لائے۔ جنگ کے دوران وہ زندہ رہے واپسی کے وقت مدینہ پہنچنے سے قبل ہی مقام سردحا یا وادی صفرا میں باغ جنت کی طرف روانہ ہو گئے اور وہیں دفن ہوئے۔

ام جمیل حمالۃ الحطب

ابو سفیان کی بہن معاویہ کی پھوپھی اور ابولہب دشمن رسولؐ کی زوجہ تھی۔ یہ رسول اللہ صلعم کے راستے میں کانٹا لا لا کر ڈال دیتی تھی اسی بنا پر سورہ لہب میں اس کو حمالۃ الحطب (ایندھن ڈھونے والی) کا لقب خدا نے عنایت فرمایا۔ اور یہ خوشخبری سنائی فی جیدھا حبل من مسد۔ (اس کی گردن میں آگ کی رسی ہوگی) ذاکر حسین صاحب نے اپنی تاریخ اسلام صفحہ ۲۰ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ "ابولہب کی مخالفت زیادہ تر اپنی زوجہ ہی کی مخالفت کے سبب سے تھی کہ وہ اس کا نہایت فرماں بردار تھا۔" جب سورہ تبت یدا ابی لہب نازل ہوا تو یہ پتھر لے کر رسالت مآب صلعم کو قتل کرنے کے ارادے سے آئی مگر خدا نے اس کی نگاہوں پر پردہ ڈال دیا اور وہ سامنے بیٹھے ہوئے رسولؐ کو نہ دیکھ سکی۔ (تفسیر صافی)

ایک دفعہ حضرت عقیل معاویہ کے دربار میں گئے تو اس نے ان کو شرمندہ کرنے کی غرض سے لوگوں سے کہا کہ یہ عقیل ہیں انھیں کا چچا ابولہب تھا۔" حضرت عقیل نے برجستہ جواب دیا کہ "اور یہ معاویہ ہیں انھیں کی پھوپھی حمالۃ الحطب تھی۔" اس کے بعد فرمایا کہ "اے معاویہ جب تم جہنم میں جانا تو

Presented By: https://jafrilibrary.com

بائیں طرف مڑ کر دیکھنا کہ میرے چچا ابولہب وہاں بھی تمہاری پھوپھی حمالۃ الحطب کے اوپر پڑا ہوں گے اس وقت غور کرنا کہ ان دونوں میں سے نال بہتر ہے یا مفعول۔ (تاریخ اثر مٹ ۱۱ کوالہ شرح ملادقی)

عقبہ بن ابی معیط

قبل ہجرت رسول کو اذیت دینے والوں میں پیش پیش تھا۔ جب کفار نے بنی ہاشم کو شعب ابوطالب میں محصور رہنے پر مجبور کر دیا اس وقت ابوجہل کے ساتھ یہی ملعون تمام تاجروں اور باہر سے آنے والوں کو مکہ سے باہر ہی جا کر منع کرتا تھا کہ بنی ہاشم کے ہاتھ کوئی چیز فروخت نہ کریں ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ ہزاروں طریقے ایجاد کرتا تھا کہ رسولؐ ہلاک کر دیئے جائیں۔ مورخ روضۃ الصفا کے قول کے مطابق ابوطالب کے انتقال کے بعد ابولہب نے رسالت مآب صلعم سے کہا تھا کہ "آپ دل جمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہیں جیسے ابوطالب کے زمانۂ حیات میں تھے میں آپ کی حفاظت کروں گا۔" اس وقت عقبہ ہی نے ابوجہل سے سازش کر کے ابولہب کو بھڑکا دیا اور وہ پہلے سے زیادہ رسولؐ کا دشمن ہوگیا۔ عقبہ ہی نے ایک مرتبہ حرم کعبہ کے احاطہ میں رسولؐ کی گردن میں چادر کا پھندا ڈال کر اس طرح اینٹھ دیا تھا کہ رسالت مآب صلعم کی سانس رک گئی تھی۔ آخر جناب سیدہ کو خبر ہوئی تو آپ نے آکر رسول اللہ صلعم کو بچایا۔ جنگ بدر میں یہ گرفتار ہوا۔ دوسرے قیدی تو جزیہ لیکر آزاد کر دیئے گئے مگر عقبہ بن ابی معیط اور ایک دوسرا موذی نضر بن حارث قتل کر دیا گیا۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط

عقبہ مذکور کا لڑکا اور حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا یعنی اس کی اور عثمان کی ماں ایک تھی۔ آیات قرآنیہ ان جاءکم فاسق بنباء فتبینوا اور افمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا میں، باتفاق مفسرین فاسق سے یہی ولید مراد ہے۔ حضرت عثمان نے اس کو کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ یہ اول شب سے فجر تک شراب پیتا تھا۔ ایک روز نشہ کی حالت میں اذان صبح کے بعد مسجد میں آیا اور اہل کوفہ کو دو کے بجائے چار رکعت نماز پڑھائی اور رکوع اور سجدہ میں ذکر خدا کے بجائے اشرب اسقنی (خود بھی پی اور مجھے بھی پلا) کہتا تھا۔ پھر محراب میں قے کر دی

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس کے بعد سلام پھیرا اور کہا کہ آج میری طبیعت امنگ پر ہے کہو تو اور زیادہ پڑھا دوں۔ اس وقت ابن مسعود نے اس کو اور اسے والی بنا کر بھیجنے والے کو برا بھلا کہا۔ لوگوں میں بھی ایک ہنگامہ اور بے چینی پیدا ہو گئی۔ شعراء نے اس پر اشعار کہے۔ ابو ملیکہ حطیئۃ کے اشعار اس سلسلے میں خوب مشہور ہیں۔

ابوسفیان

بنی امیہ کی دوسری شاخوں کا مجمل تذکرہ سپرد قلم کرنے کے بعد اب خاص یزید کے گھر کا ذکر شروع کرتا ہوں۔ ابوسفیان، معاویہ کا باپ، یزید کا دادا سب سے بڑا دشمن اسلام تھا۔ جنگ بدر میں جیسا کہ اوپر گذرا ابوسفیان کے سسر اور سالے مارے گئے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا لڑکا حنظلہ بھی امیرالمومنین کے ہاتھ سے مارا گیا چنانچہ روضۃ الصفا میں ہے کہ امیرالمومنین نے ایسی ضربت حنظلہ کو لگائی تھی کہ اس کی آنکھیں باہر نکل پڑی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کا ایک اور لڑکا عمرو بن ابوسفیان امیرالمومنین ہی کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور وہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت رسول اللہ صلعم کے حصے میں پڑا تھا۔ ابوجہل بھی جنگ بدر میں مارا گیا اور اب مشرکین قریش کی سرداری ابوسفیان کے حصے میں آئی۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مقتولین بدر کا بدلہ نہ لے گا نہ تو عورتوں کے پاس جائے گا نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ جنگ بدر کے بعد اور صلح حدیبیہ کے قبل پورے چار سال کا عرصہ گذرا تھا۔ اس چار برس کے زمانے میں ابوسفیان نے (۱) غزوۂ سویق (۲) غزوۂ احد (۳) غزوۂ حمراء الاسد (۴) غزوۂ بدر دوم (۵) غزوۂ خندق۔ پانچ جنگیں رسول صلعم سے لڑیں۔ جن میں غزوۂ احد اور غزوۂ خندق بہت ہی عظیم الشان جنگیں تھیں آخری جنگ میں تو اس نے یہودیوں کو بھی اپنا شریک کر لیا تھا اور قریش کے علاوہ بنی نضیر بنی غطفان اور بنی قیس وغیرہ بہت سے قبیلے اس کے ساتھ ہو گئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد بلاواسطہ جنگوں کا سلسلہ موقوف ہوا۔ پھر ۸ھ میں اس نے بدعہدی کی اور آخر مجبور ہو کر رسالت مآب صلعم نے مکہ پر چڑھائی کی۔ ابوسفیان اور تمام مشرکین پر ایسا رعب طاری ہوا کہ بغیر کشت و خون کے محض تائید الٰہی سے رسالت مآب صلعم مظفر و منصور مکہ میں داخل ہو گئے۔ اور مکہ فتح ہو گیا۔ اس وقت مجبوراً ابوسفیان وغیرہ کو اسلام کی اطاعت کرنی پڑی۔ اس کا شمار مولفۃ القلوب

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں ہوتا ہے۔ یعنی جن لوگوں کو رسالت مآب صلعم مال غنیمت میں سے حصّہ وغیرہ دیتے رہتے تھے تاکہ اسی طمع میں وہ اسلام کی مخالفت نہ کریں۔

رسالت مآب صلعم کے انتقال کے بعد جب حضرت علی علیہ السلام کے بجائے حضرت ابوبکر خلیفہ ہوگئے تو اس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی نیت سے امیرالمومنین کو حضرت ابوبکر سے جنگ کرنے کیلئے آمادہ کرنا چاہا۔ حضرت امیرالمومنین اس کے منصوبہ کو سمجھ گئے اور اس سے کہا کہ تو حالت کفر میں بھی اسلام کا دشمن تھا اور اب بھی اسلام کی بدخواہی کرنا چاہتا ہے تب اس نے حضرت ابوبکر کو جاکر سلطنت کے شیرازہ کو درہم برہم کرنے کی دھمکی دی اور خلیفہ موصوف نے اس کو اپنی طرف لا لینے کی غرض سے اس کو شام کا والی بنانا چاہا۔ اس نے کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں میرے لڑکے یزید کو یہ خدمت سپرد کر دے چنانچہ یزید بن ابی سفیان شام کا حاکم بنا۔ جب وہ مرگیا تو ابوسفیان کا دوسرا لڑکا معاویہ اس کی جگہ حاکم ہوا اور اس طرح ایک کرشمہ دو کار والی مثل صادق آگئی کہ ابوسفیان کی طرف سے اطمینان بھی ہوگیا۔ اور بنی ہاشم کے خلاف ایک طاقت بھی منظم ہوگئی۔

جب حضرت عثمان خلیفہ ہوئے تو ابوسفیان نے ان سے کہا کہ "اے بنی امیہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ امر (نبوت) بجز سلطنت کے اور کچھ تھا اب جبکہ تم اس کے مالک ہوگئے ہو تو اسے گیند کی طرح گردش دو اور اس سے کھیلو"۔ اس جملہ سے اس کے اسلام کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ حضرت عثمان نے اس کی تردید بھی نہیں فرمائی معلوم نہیں السکوت کالاقرار والی مثل کس موقع پر کہی جاتی ہے

غرض یہ کہ ابوسفیان اول عمر سے آخر عمر تک ملحد رہا۔ اور رسولؐ نے اس پر اور اس کی اولاد پر لعنت فرمائی تھی چنانچہ امام رازی نے لکھا ہے کہ امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کی موجودگی میں ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ "انک کنت ذات یوم تسوق بابیک ویقود بہ اخوک وذلک بعد ما عمی ابوسفیان فلعن رسول اللہ الجمل وراکبہ وقایدہ وسایقہ وکان ابوک الراکب واخوک القائد وانت السائق ۔

یعنی اے معاویہ تو ایک روز اپنے باپ ابوسفیان کا اونٹ ہنکا رہا تھا اور تیرا بھائی اس

Presented By: https://jafrilibrary.com

کو کھینچتا تھا اور یہ واقعہ ابو سفیان کے اندھے ہونے کے بعد کا ہے، پس رسول اللہ صلعم نے لعنت فرمائی اس اونٹ پر اور اس کے سوار پر اور کھینچنے والے پر اور ہنکانے والے پر۔ اور تیرا باپ اس پر سوار تھا۔ تیرا بھائی کھینچنے والا تھا اور تو ہنکانے والا ... ! امر سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الامۃ میں یہ درج کیا ہے کہ امام حسنؑ نے فرمایا کہ یہ واقعہ لعنت جنگ خندق کا ہے بہر حال وقت کوئی بھی ہو۔ ابو سفیان کا زبان رسولؐ سے ملعون ہونا ثابت ہے۔

ہند جگر خوار

اس کا باپ عتبہ، چچا شیبہ، بھائی ولید اور بیٹا حنظلہ جنگ بدر میں راہی دار البوار ہو چکے تھے اور یہ اتفاق کہ ان میں سے ہر ایک بنی ہاشم ہی کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ اس کے سینے میں آتش انتقام بھڑک رہی تھی۔ جب جنگ احد کی تیاری ہونے لگی تو ہند نے بہت اصرار کیا کہ عورتوں کو بھی ساتھ لے جایا جائے۔ چنانچہ دوسرے لوگوں کے ساتھ ساتھ ابو سفیان نے بھی اپنی بیویوں ہند اور بنت سعد کو ساتھ لیا۔ ہند ان عورتوں کی سرگروہ بنی۔ ہر منزل پر یہ عورتیں گا گا کر مقتولین بدر کا تذکرہ کرتی تھیں جب جنگ شروع ہوئی اس وقت ہند اور دوسری عورتوں نے دف بجا بجا کر وہ مشہور گیت شروع کیا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

نحن بنات الطارق نمشی علی النمارق

اور اس گیت سے لوگوں کو جوش دلانا شروع کیا ہند نے جبیر بن مطعم کے غلام وحشی سے یہ فرمائش کی تھی کہ اگر رسول اللہ صلعم یا حضرت علی علیہ السلام یا حضرت حمزہؑ میں سے کسی ایک کو قتل کر دے تو کافی انعام پائے گا۔ وحشی جب میدان میں آیا تو دیکھا کر رسول اللہ صلعم تک رسائی ناممکن ہے حضرت علی علیہ السلام جنگ میں بہت چوکنا ہیں البتہ حضرت حمزہ جوش شجاعت میں گرد و پیش سے بے خبر ہوئے جا رہے ہیں چنانچہ حضرت حمزہ کے پیچھے لگا اور جب حمزہ ابن خباب نے سباع بن عبد العزی کو قتل کیا اس وقت ایک کمین گاہ میں چھپ کر اس نے حضرت حمزہ کی طرف اپنا حربہ پھینکا۔ وہ حربہ حضرت حمزہ کی ناف پر لگا اور پشت کو توڑ کر باہر آ گیا حضرت حمزہ نے اس عالم میں بھی اس

Presented By: https://jafrilibrary.com

کا پیچھا کیا مگر گر پڑے اور جوارِ رحمتِ الٰہی میں پہنچ گئے۔ وحشی نے حضرت حمزہ کا پیٹ چاک کیا اور ان کا جگر نکال لیا اور ہند کے پاس لے جا کر کہا کہ یہ تیرے باپ کے قاتل کا جگر ہے۔ ھند نے اس کو منہ میں ڈال کر چبانا شروع کیا مگر خدا کو یہ بات پسند نہ آئی کہ سید الشہداء حمزہ کا جگر اس جہنمی کا جزو بدن بنے چنانچہ وہ جگر پتھر کی طرح سخت ہو گیا اور اسے منہ سے نکالنا پڑا۔ اس وقت سے ہند کو اکلۃ الاکباد (جگر کھانے والی) کہنے لگے۔ ہند کے پاس جتنا لباس اور زیور تھا وہ سب وحشی کو انعام میں مل گیا اور اس نے یہ وعدہ کیا کہ مکہ پہنچ کر دس دینار بھی دے گی۔ اس کے بعد اس نے فرمائش کی کہ حمزہ کی قتل گاہ پر لے چل۔ جب وہاں پہنچی تو اس نے اس برگزیدہ الٰہی سردارِ شہیداں کو مثلہ کر ڈالا اور ان کے کان ناک اور آلۂ رجولیت کو قطع کر کے اپنے ساتھ مکہ لے گئی۔

فتح مکہ کے دن جب ابو سفیان نے حضرت رسالت مآب صلعم کے لشکر کی کثرت اور جلالت دیکھی اور دوڑا ہوا اپنی قوم میں گیا کہ کفار کو سمجھائے کہ آنحضرت سے جنگ نہ کریں تو ہند نے اسکی داڑھی نوچنی شروع کر دی اور پکارنے لگی کہ اے آلِ غالب اس احمق بڈھے کو مار ڈالو کہ ایسی باتیں نہ کرے۔

آخر کار جب اہل مکہ نے طوعاً و کرہاً اسلام قبول کیا تو آنحضرت نے جن باتوں پر ہند سے بیعت لی اس میں یہ بھی تھی کہ "وہ زنا نہ کریگی"۔ یہ بیعت شاید لوگوں کو عجیب معلوم ہو مگر رسولؐ ایسی بیعت لینے پر مجبور تھے کیونکہ جس طرح ابو سفیان بدکاری میں شہرۂ آفاق تھا اسی طرح ہند کا بھی یہی عالم تھا یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کیونکہ ہند مشہور خواہش پرست عورت تھی۔ اور سیاہ فام لوگوں کی طرف اس کا میلان بہت زیادہ تھا۔ اور جب کوئی سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوتا تھا تو اس کو مار ڈالتی تھی۔

تذکرۃ خواص الامۃ مصنفہ علامہ سبط ابن الجوزی ص۲۰۲ کے الفاظ قابل نقل ہیں۔

قال الاصمعی وھشام بن محمد الکلبی فی کتابہ المسمیٰ بالمثالب وقد وقفت علیہ معنی قول الحسن لمعٰویۃ قد علمت الفراش الذی ولدت علیہ ان معاویۃ کان یقال انہ من اربعۃ من قریش عمارۃ بن الولید بن المغیرۃ المخزومی ومسافر بن ابی عمرو وابی سفیان والعباس بن عبد المطلب وھؤلاء

Presented By: https://jafrilibrary.com

كانوا ندماء ابی سفيان وكان كل منهم متهما بهند فاما عمارة بن الوليد كان من اجمل رجالات قريش واما مسافر بن ابی عمرو فقال الكلبی عامة الناس علی ان معاوية منه لانه كان اشد الناس حبا لهند فلما حملت هند بمعاوية خاف مسافر ان يظهر انه منه فهرب الی ملك الحيرة وهو هند بن عمرو فاقام عنده ثم ان اباسفيان قدم الحيرة فلقيه مسافر وهو مريض من عشقه بهند فسأله عن اهل مكة فاخبره وقيل ان اباسفيان تزوج هند ابعد انفصال مسافر عن مكة فقال له ابوسفيان انی تزوجت هند ابعدك فازداد مرضه وجعل يذوب ثم مات مسافر من عشقه لهند وقال كانت هند من المغيلمات و كانت تميل الی السودان من الرجال فكانت اذا ولدت ولد اسود قتلته

اصمعی نے اور ہشام بن محمد کلبی نے اپنی کتاب مثالب میں لکھا ہے اور اسی تحریر کی بنا پر میں نے امام حسن علیہ السلام کے اس ارشاد کا مطلب سمجھا ہے کہ اے معویہ! تو خوب جانتا ہے اس فرش کو جس پر تو پیدا ہوا ہے اصمعی اور کلبی نے کہا ہے کہ معاویہ کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ قریش کے چار آدمیوں کے نطفہ سے ہے (۱) عمارہ بن ولید بن مغیرہ (۲) مسافر بن ابی عمرو (۳) ابو سفیان اور عباس بن عبد المطلب یہ لوگ ابو سفیان کے دوست تھے اور ان میں سے ہر ایک ہند کے ساتھ متہم تھا۔ عمارہ قریش کے حسین ترین لوگوں میں تھا اور مسافر بن عمرو کے بارے میں کلبی نے کہا ہے کہ عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ معاویہ اس کے نطفہ سے ہے کیونکہ وہ ہند سے بے انتہا محبت کرتا تھا اور جب ہند کو معاویہ کا حمل رہ گیا اس وقت مسافر کو یہ خوف ہوا کہ کہیں یہ راز کھل نہ جائے کہ یہ حمل مسافر سے ہے اسلئے وہ بادشاہ حیرہ ہند بن عمرو کے پاس بھاگ گیا اور وہیں اقامت اختیار کی پھر ایسا ہوا کہ ابو سفیان کسی کام سے حیرہ گیا تو مسافر اس سے ملا۔ اس وقت مسافر ہند کے عشق اور فراق میں بیمار پڑ گیا تھا۔ مسافر نے ابو سفیان سے اہل مکہ کی خیریت پوچھی اور ابو سفیان نے بتائی۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ابو سفیان نے ہند سے باقاعدہ ترویج اس وقت کی تھی جب مسافر مکہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

سے چلا گیا تھا یعنی اس کے قبل ابوسفیان بھی ناجائز ہی آمد و رفت رکھتا تھا) تو ابوسفیان نے مسافر سے یہ بھی بتایا کہ تمھارے آنے کے بعد میں نے ہندہ سے تزویج کر لی ہے۔ یہ سن کر مسافر کا مرض بڑھ گیا اور وہ گھلنے لگا یہاں تک کہ ہندہ کے عشق میں مر گیا۔ علامہ مذکور نے یہ بھی کہا ہے کہ ہندہ انتہائی شہوت پرست عورتوں میں تھی اور وہ سیاہ فام افراد کی طرف بہت مائل تھی اس کے یہاں کوئی کالا لڑکا پیدا ہوتا تھا تو اس کو مار ڈالتی تھی۔

ہندہ کی حرام کاری اتنی مشہور تھی کہ رسول اللہ کے دربار کے شاعر حسان بن ثابت نے رسولؐ کے سامنے اپنے مشہور قصیدہ میں اس کا نہایت کھلے الفاظ میں تذکرہ کیا ہے اور رسولؐ نے اس لعن و طعن پر راضی رہ کر ان دشمنان اسلام کے فضایح کے اعلان کے مستحسن ہونے کا اظہار فرما دیا۔ حسان کہتے ہیں ؎

لعن الالٰہ وزوجہا معہا هند الهنود طویلة البظر

خدا ہندہ اور اس کے شوہر ابوسفیان پر لعنت کرے۔ وہ ہندہ جس کی ..... بہت طویل ہے

فرجت عجیزتہا ومتجہا من نصہا نصا علی القہر

ہندہ کی سرین اور ..... زخمی ہو گئی ہے کیونکہ قہر و غلبہ کے پے در پے اس پر ضرب پڑتی رہتی ہے

ونسیت فاحشة اتیت بہا یا هند ویحك سبة الدهر

اے ہندہ کیا تو اس حرامکاری کو بھول گئی جو تو نے کی؟ اے ہندہ تجھ پر دنیا بھر کی لعنت ہو!

زعم الولائد انہا ولدت ولدا صغیرا کان من عہر

عورتیں یہ خیال کرتی ہیں کہ ہندہ کے یہاں اولاد پیدا ہوئی ہے وہ زنا سے ہے

معاویہ

آپ غیر اسلامی سیاست میں بہت ممتاز سمجھے جاتے ہیں اور اس چالاکی اور مکاری کی وجہ علمائے اہلسنت کے اقوال کے بموجب یہی ہے کہ آپ زنا زادہ تھے چنانچہ سنیوں کے علامہ قطب الدین شیرازی نے اپنی کتاب نزہۃ القلوب میں یہی لکھا ہے جس کو احقاق الحق میں بایں الفاظ نقل کیا ہے کہ:-

Presented By: https://jafrilibrary.com

قال اولاد الزناء انجب لان الرجل یزنی بشہوتہ ونشاطہ فیخرج الولد کاملا وما یکون من الحلال فمن تصنع الرجل الی المرأۃ ولہذا کان عمرو بن العاص ومعویۃ بن ابی سفیان من دہاۃ الناس ثم ساق الکلام فی بیان نسبہما علی وجہ ذکر فی کتاب ربیع الابرار ثم زاد ومنہم زیاد بن ابیہ وفیہ یقول الشاعر ؎

علامہ قطب الدین شیرازی نے یہ کہا ہے کہ زنا سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہ زیادہ نجیب ہوتی ہے کیونکہ مرد کمال خواہش اور نشاط و انبساط کے ساتھ زنا کرتا ہے اس بنا پر اولاد کامل ہوتی ہے اور بیوی سے جو شہوت کیجاتی ہے اس میں مرد کو تصنع سے کام لینا پڑتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ عمرو بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان مکارترین لوگوں میں سے تھے۔ اتنا کہنے کے بعد دونوں کے نسب کا پورا حال لکھا ہے پھر لکھا ہے کہ انھیں لوگوں میں (جو زنازادگی کے فیض سے نجیب اور ہوشیار تھے) زیاد بن ابیہ ہے اور اس کے بارے میں شاعر یہ کہتا ہے کہ ”اے شخص معاویہ کے

الا ابلغ معویۃ بن حرب	پاس میرا یہ پیغام پہونچا دے کہ کیا تو یہ
مغلغلۃ من الرجل الیمانی	کہنے سے ناراض ہوتا ہے کہ تیرا باپ عفیف
اتغضب ان یقال ابوک عف	تھا اور یہ کہنے سے خوش ہوتا ہے کہ تیرا
وترضی ان یقال ابوک زان	باپ زانی تھا۔

(حسب حوالہ استقصاء الافحام جلد ثانی ص۵۵۳)

معاویہ کے فضائح و قبائح اس سے بہت زیادہ ہیں کہ اس مختصر سے مضمون میں سما سکیں اس لئے ان سے قطع نظر کرتا ہوں چونکہ ان کے آباء و اجداد کے کارنامے اتنے مشہور نہیں ہیں اس لئے ان کا ذکر ضروری تھا لیکن ان کے کرتوت تو ہر کس و ناکس کو معلوم ہیں اور ان کے بیان کی حاجت بھی نہیں ہے۔ اسلام کے قبل ہر معرکہ میں یہ ابوسفیان کے دست راست رہے اور رسولؐ کی شمع حیات گل کرنے کی فکر میں مشغول رہے۔ اسلام لائے تو مولفۃ القلوب میں شمار رہا اور یوم

Presented By: https://jafrilibrary.com

فتح مکہ رسولؐ کے اس ارشاد گرامی کی بنا پر ان مشرکین کی جان بچی کہ انتم الطلقاء جاؤ تم سب کو میں نے آزاد کر دیا۔ آزاد کر دینے کا مفہوم یہی ہے کہ اس وقت وہ سب کے سب قاعدۃً غلام بن چکے تھے مگر کرم رسالتؐ نے آزاد فرما دیا۔ جب ان کا بڑا بھائی یزید جو خلیفہ اول کی طرف سے شام کا حاکم تھا مر گیا تو یہ حاکم شام بنائے گئے۔ وہاں انھوں نے شان و شوکت اور عیش و عشرت میں قیصر و کسریٰ کو مات کر دیا۔ چنانچہ حضرت عمر اس کو عرب کا کسریٰ کہتے تھے۔ تذکرہ روضۃ الصفا جلد سوم ص۲۳۳ میں درج ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے زندان انھیں نے بنایا۔ سب سے پہلے اپنی اولاد کے لئے بیعت انھیں نے لی سب سے پہلے مسجدوں میں مقصورہ (پیش نماز کے لئے دیوار میں جو طاق جگہ بنائی جاتی ہے) انھیں نے بنایا۔ خواجہ سراؤں کو اپنی خدمت کے لئے سب سے پہلے انھیں نے مقرر کیا۔ آخر عمر میں توند بہت نکل آئی تھی اس وجہ سے نماز میں خطبہ بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ سب سے پہلے غیر شخص کو اپنے نسب میں ملحق انھیں نے کیا یعنی زیاد بن ابیہ کو اپنا بھائی بنایا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر خروج کیا۔ ان سے زمیں لڑائیاں لڑیں اور اس طرح ہزاروں آدمیوں کے خون کا بار اپنی گردن پر لیا۔ جعدہ بنت اشعث کو ورغلا کر امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوایا۔ عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو زہر دلوایا۔ محمد بن ابی بکر کو ان کی مرضی کے مطابق گدھے کی کھال میں سی کر زندہ جلا دیا گیا۔ ان باتوں کے علاوہ جنھیں مورخ روضۃ الصفا نے لکھا ہے اور بھی بے شمار باتیں ہیں جن کا تذکرہ اس وقت ناممکن ہے رسولؐ نے اس کو بد دعا دی کہ خدا اس کا پیٹ نہ بھرے چنانچہ کھاتے کھاتے تھک جاتا تھا تو مجبور ہو کر کھانا چھوڑ دیتا تھا مگر بھوکا ہی رہتا تھا۔ عمار یاسر کو قتل کرا کے رسولؐ کی پیشین گوئی کے مطابق "باغی گروہ" کا مصداق بنا۔ مالک اشتر کو زہر دلوایا۔ حجر بن عدی اور عمرو بن حمق خزاعی اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرایا۔ شراب خواری کو رواج دیا۔ بدکاری کی اجازت دے رکھی تھی غرض کن کن صفات کا ذکر کیا جائے۔ ان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے کہ انھوں نے یزید کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا۔ اور اسلام میں کسرویت اور شہنشاہیت جاری کر دی۔

یزید

یزید معاویہ کا بیٹا تھا۔ جس خاندان میں ابتدا سے معاویہ تک ایک شخص بھی سراہنے کے قابل نہ گذرا ہو اس خاندان میں پرورش پا کر یزید کو ایسا ہی ہونا چاہیے تھا جیسا

Presented By: https://jafrilibrary.com

وہ نکلا۔ مزید برآں طرہ یہ کہ معاویہ کی طرح یزید بھی زنازادہ تھا اور حسب ارشاد نبویؐ ایسوں کو دشمن اولیاءِ خدا ہونا ہی چاہیے۔ ناسخ التواریخ جلد ششم ص ۱۵۲-۱۵۳ پر یزید کی ماں کا حال تاریخوں کے حوالے سے درج ہے میں اسی سے اخذ کر کے اس کے حالات لکھتا ہوں۔

یزید کی ماں کا نام میسون تھا اور وہ بجدل بن انیف کلابی کی بیٹی تھی۔ یہ سب صحرائی عرب تھے۔ معاویہ نے اس سے شادی کر لی۔ یہ میسون کی دوسری شادی تھی۔ لیکن اس شادی کے قبل ہی میسون اپنے باپ کے ایک غلام سفاح سے ناجائز طور سے وابستہ ہو گئی تھی۔ اور اس سے یزید کا حمل قرار پا گیا تھا۔ دمشق میں آنے کے بعد یہ راز راز ہی رہ گیا کیونکہ حمل ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا۔ معاویہ نے یزید کو اپنا ہی لڑکا سمجھا اور اس کا نام یزید رکھا۔

میسون جیسا کہ لکھا جا چکا ہے صحرائی عورت تھی اور سفاح پر عاشق بھی تھی اس کو دمشق کی بودوباش ناگوار ہونے لگی۔ ایک روز وہ اپنے حجرہ میں یہ اشعار پڑھ رہی تھی کہ معاویہ نے سن لیا ؎

للبس عباءة وتقر عینی احب الیّ من لبس الشفوف
موٹی گلیم کا پہننا مجھے باریک کپڑوں سے زیادہ محبوب ہے اور اس سے میری آنکھ ٹھنڈی رہے گی

وبیت تخفق الارياح فیه احب الی من قصر منیف
اور ایسا گھر جس میں تند ہوائیں سائیں سائیں کرتی رہیں مجھے بلند ایوان سے زیادہ پسند ہے

واصوات الریاح بکل فج احب الی من نقر الدفوف
اور غاروں اور دروں میں آندھیوں کی آواز مجھے دف اور باجے کی آواز سے زیادہ مرغوب ہے

وبکر یتبع الاظعان صعب احب الی من بغل زفوف
اور وہ تند رفتار و سرکش شتر مرغ کا پیچھا کر سکے وہ مجھے آراستہ و پیراستہ تیز خچر سے زیادہ پسند ہے

واکل الضب والیربوع دأبی احب الی من اکل الرغیف
اور سوسمار اور خرگوش کا کھانا میری عادت ہے اور میرے لئے روٹی سے زیادہ لذیذ ہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

وخرق من بنی عمی نجیب احب الی من علج عنیف

اور میرے چچیرے بھائیوں میں سے کوئی نجیب شریف جوان مجھے اس سخت مزاج کافر سے زیادہ محبوب اور پیارا ہے۔

معاویہ نے جو یہ زور دار ہجو سنی تو اس کو طلاق دیدی اور اس کے قبیلہ میں روانہ کر دیا۔ یزید برابر اپنی ماں کے پاس جاکر رہتا تھا وہ سب کے سب نصرانی تھے۔ بادیہ نشینی اور کافروں کی صحبت، خاندانی فساد اور طبعی حرامزدگی ان سب چیزوں کا مجموعہ تھا جو یزید کی فطرت میں نظر آتا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

قاتلانِ امام حسینؑ کون تھے؟

جاہلوں کی طرف سے وقتاً فوقتاً یہ اعتراض وارد کیا جاتا ہے کہ قاتلان حسینؑ شیعہ تھے۔ اگرچہ اس اعتراض کے ایک سے زیادہ بار مدلل جوابات دیئے جاچکے ہیں پھر بھی گاہے بہ گاہے یہ آواز کانوں میں آہی جاتی ہے۔ میں اس کے فیصلہ کے لئے ایک ایسا معیار پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے کھرے کھوٹے کا پتہ چل جائے۔ اور کسی غیر جانبدار منصف مزاج کو حق و باطل کے امتیاز میں دشواری نہ ہو۔

اگر ہم ان تین باتوں پر غور کر لیں تو فیصلہ کرنے میں دشواری نہ ہو گی:

(۱) شہید کربلا کی مقدس ذات اور ان کے طرزِ عمل سے کس فرقہ کو کامل اتفاق ہے اور کون سا طبقہ اختلاف رکھتا ہے۔

(۲) یزید کو کون سا فرقہ واجب اللعن سمجھتا ہے اور کس فرقہ کے نزدیک وہ واجب الاطاعت خلیفہ ہے (یا جس کے خیال میں کم از کم اس پر لعنت نہ کرنی چاہیے)۔

(۳) مشہور سپہ سالاران فوج یزید اور شرکائے قتل امام حسینؑ سے کون سا فرقہ بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور کون سا طبقہ ان کو مذہبی معاملات میں مستند سمجھتے ہوئے ان سے روایات اخذ کرتا ہے اور ان کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہے۔

ان تین مسائل کی تنقیح کے بعد بہ آسانی یہ فیصلہ کیا جا سکتا ہے کہ قاتلان حسینؑ اس فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں گے جو آج تک یزید کو مردود اور ملعون سمجھتا ہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

یا اس فرقہ سے جس کے افراد یزید کے سپہ سالاروں کو ممدوح اور خود یزید کو مفترض الطاعۃ خلیفہ سمجھتے ہیں۔

مسئلہ اوّل

اب ہم پہلے مسئلہ پر غور کرتے ہیں کہ شہید کربلا کی مقدس ذات اور ان کے طرز عمل سے کس فرقہ کو کامل اتفاق ہے اور کون سا طبقہ اختلاف رکھتا ہے۔

شیعوں کے متعلق تو یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ وہ امام حسینؑ کو بحکم خدا امام مفترض الطاعۃ، منصوص من اللہ اور حقیقی جانشین رسول سمجھتے ہیں۔ وہ ان کے ہر قول و عمل کو مرضی الٰہی کا تابع۔ ان کی صلح و جنگ کو بہترین حکمتوں کا آئینہ دار اور ان کے قیام و قعود کو مشیت ربانی کا پرتو سمجھتے ہیں۔ شیعوں کے نزدیک حسین نور محمدی کا ایک ٹکڑا تھے۔ ان کا گوشت و خون رسول کا گوشت و خون تھا لحمک لحمی و دمک دمی۔ ان کی محبت فرض عین تھی۔ ان کی اطاعت تکمیل ایمان کا ذریعہ تھی۔ وہ ہر لغزش اور غلطی سے منزہ تھے۔ ان کی محبت اجر رسالت ہے قُل لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی۔ ان کی ذات ہر جسمانی اور روحانی رجس و ناپاکی سے پاک ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔ وہ فرزند رسول ہیں۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَکُمْ۔ وہ رسول کے پھول ہیں ھُمَا رَیْحَانَتَایَ وہ رسول سے ہیں اور رسول ان سے ہیں حُسَیْنٌ مِنِّیْ وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْنِ۔ ان کی امامت نہ قیام بالسیف پر موقوف ہے نہ لوگوں کی بیعت پر ھُمَا اِمَامَانِ قَامَا اَوْ قَعَدَا۔ وہ سردار جوانان جنت ہیں۔ اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ۔ وہ ابتدائے عمر سے آخر زندگی تک معصوم تھے۔ ائمہ معصومین

Presented By: https://jafrilibrary.com

علیہم السلام کی عصمت شیعوں کا مخصوص عقیدہ ہے، جس میں کوئی غیر شیعہ فرقہ شریک نہیں ہے۔ (اگرچہ بہت سے محققین علمائے اہل سنت ان حضرات کو گناہوں سے محفوظ سمجھتے ہیں۔)

اب رہے غیر شیعہ فرقے تو ان میں بھی سب حنفی اور شافعی اور اکثر حنبلی (بشمول امام احمد حنبل) حضرت امام حسین علیہ السلام کو برحق اور یزید کو باطل پر سمجھتے ہیں حوالوں کے نقل کرنے سے مضمون طویل ہو جائے گا۔ اس لئے صرف چند علماء کے نام اور ان کی ان تصانیف کا ذکر کرتا ہوں جن میں یہ بات درج ہے:

(۱) علامہ قسطلانی (شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد متوفی ۹۲۳ھ) ارشاد الساری شرح صحیح بخاری۔ جلد دہم ص ۱۳۹۔

(۲) ابن جوزی (متوفی ۱۲۰۰ء میلادی)، الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید۔

(۳) سبط ابن جوزی (متوفی ۱۲۵۶ء میلادی) تذکرۃ خواص الامۃ۔

(۴) علامہ احمد بن حجر الہیثمی (متوفی ۹۷۴ھ) صواعق محرقہ ص ۱۳۲۔۱۳۴

(۵) امام جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) تاریخ الخلفاء

(۶) علامہ تفتازانی (سعدالدین مسعود بن عمر۔ متوفی ۱۳۸۹ء میلادی) شرح عقاید نسفی۔

(۷) شیخ محمد صبان (محمد بن علی متوفی ۱۷۹۲ء میلادی) اسعاف الراغبین۔

(۸) شاہ عبدالعزیز دہلوی (متوفی ۱۸۲۴ء میلادی) سر الشہادتین۔

(۹) شاہ عبدالحق دہلوی (متوفی ۱۶۴۲ء میلادی) مدارج النبوۃ۔ جذب القلوب۔

(۱۰) مولانا عبدالحی فرنگی محلی: فتاوی جلد سوم ص ۷

(۱۱) نواب صدیق حسن خان بھوپالی (متوفی ۱۸۸۹ء میلادی)، البغیۃ الرائد فی شرح

Presented By: https://jafrilibrary.com

العقاید صفحہ ۹

(۱۲) مولانا محمد مبین فرنگی محلی، وسیلۃ النجاۃ صفحہ ۲۹
(۱۳) مفتی محمد اکرام الدین: سعادۃ الکونین فی فضائل الحسنین
(۱۴) قاضی محمد سلیمان: رحمۃ اللعالمین صفحہ ۲۳۳

یہ مشتے نمونہ از خروارے، چند نام ہیں۔ جن میں حنفی، شافعی اور حنبلی علماء شامل ہیں اور جنہوں نے بالتصریح یہ کہا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا اقدام بالکل برحق تھا اور یہ کہ وہ مظلوم شہید ہوئے۔

اس کے مقابل وہ حنبلی ہیں جو ابن تیمیہ کو اپنا مقتدا سمجھتے ہیں اور وہ ناصبی اور خارجی ہیں جو عوام الناس کو دھوکا دینے کے لئے اپنے کو سنی کہتے ہیں ایسے لوگ یزید کو خلیفۂ برحق سمجھنے کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام کو معاذ اللہ برسر خطا سمجھتے ہیں اور جائز القتل بلکہ واجب القتل کہتے ہیں۔ موجودہ دور میں اس کی مثال محمود احمد عباسی ہے جس نے "خلافت معاویہ و یزید" لکھ کر تمام اہل اسلام کے دلوں کو مجروح کیا۔

گذشتہ دور میں ابن تیمیہ (متوفی ۷۲۸ھ) سے بھی پہلے ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی (متوفی ۵۴۳ھ) نے یہی راگ الاپا تھا کہ "وَمَا قُتِلَ الْحُسَيْنُ إِلَّا بِسَيْفِ جَدِّهٖ لِأَنَّ بَيْعَةَ يَزِيْدَ قَدْ سَبَقَتْ وَالْحُسَيْنُ بَاغٍ عَلَيْهِ" یعنی نہیں قتل کئے گئے حسین مگر اپنے نانا کی تلوار سے (یعنی حسب حکم شریعت) کیونکہ یزید کی بیعت پہلے ہو چکی تھی اور حسین نے اس پر بغاوت کی تھی۔ یہ ابن العربی، محی الدین ابن العربی سے پہلے گذرا تھا (محی الدین ابن العربی صاحب الفتوحات المکیۃ وغیرہ کی وفات ۶۳۸ھ میں ہوئی تھی) اور اس کے تعارف کے لئے تذکرۃ الحفاظ کے حسب ذیل الفاظ کافی ہیں: الحافظ العلامۃ القاضی الفقیہ ممن بلغ رتبۃ الاجتہاد (حافظ علامہ، قاضی

Presented By: https://jafrilibrary.com

فقیہ، درجہ اجتہاد پر فائز) ابوبکر ابن العربی امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کا شاگرد تھا۔ وہی امام غزالی جو حجۃ الاسلام کے لقب سے معروف ہیں۔ اور جن کو مذہب کی بنیادوں کو مستحکم کرنے والا سمجھا جاتا ہے اور جن کا فتویٰ مشہور ہے کہ "یَحْرُمُ عَلَی الْوَاعِظِ ذِکْرُ الْحُسَیْنِ وَاَصْحَابِہٖ لِاَنَّہٗ یُھَیِّجُ عَلٰی بُغْضِ الصَّحَابَۃ" یعنی حرام ہے واعظ پر ذکر کرنا حسین اور ان کے اصحاب کا کیونکہ یہ ذکر بغض صحابہ کو ہیجان میں لاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر امام غزالی امام حسین علیہ السلام کے اقدام کو برحق سمجھتے تو شہادتِ حسینؑ کے ذکر کو حرام نہ کہتے۔

ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے لئے ان جیسے علماء کی نظر میں کوئی عزت و وقار نہیں ہے۔ اور امامؑ کا بیعت یزید سے انکار کرنا تو ان لوگوں کے خیال میں اتنی بڑی غلطی تھی کہ اب بھی ان کے اہل قلم یہ لکھ جاتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام میں معاذ اللہ ضد کا مادہ زیادہ تھا۔ محمود احمد عباسی سے بھی پہلے ایک شخص نے شہید اعظم نام کی ایک کتاب لکھی جس کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یزید جائز، برحق اور تسلیم شدہ خلیفۂ رسول تھا۔ امام حسینؑ نے بغیر کسی حق اور صحیح عذر کے محض بادشاہت کی لالچ میں اس سے بغاوت کی۔ خود آپ کے عزیزوں نے آپ کو سمجھایا مگر آپ نے کسی کی صلاح نہ مانی۔ آخر یزید کے گورنر ابن زیاد نے آپکو فتنہ فساد سے باز رکھنے کی پوری جدوجہد کر لینے اور ہر تدبیر سے مایوس ہو جانے کے بعد انتہائی مجبوری کے عالم میں امن و امان قائم رکھنے کی غرض سے قتل کرا دیا۔

کتاب پر مصنف نے اپنا نام چھپوایا تھا "ابوالکلام آزاد" مصنف کی شہرت و وجاہت کے پیش نظر ادارۂ اصلاح کھجوا (بہار) نے کتاب کا جواب دینا ضروری سمجھا اور وہ جواب "شہادت عظمیٰ" کے نام سے اب بھی ملتا ہے۔ آزادی ہند کے بعد کسی نے مولانا ابوالکلام آزاد (وزیر تعلیمات ہند) کی توجہ اس کتاب کی طرف

Presented By: https://jafrilibrary.com

مبذول کی جوان کے نام سے چھپی تھی تو انہوں نے اس سے لاعلمی ظاہر کی اور کتاب کے مندرجات سے براءت کا اعلان کیا۔ میرے خیال میں ان کی یہ براءت خلوص پہ مبنی تھی کیونکہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ہمیشہ سے اپنی تحریروں میں امام حسین علیہ السلام کی لازوال اور بے مثال قربانی کا تذکرہ بڑی عقیدت سے کرتے رہتے تھے۔ مثال کے لئے الہلال کا وہ طویل اداریہ ملاحظہ ہو جو محرم کے موقع پہ شایع ہوا تھا اور جسے اخبار انقلاب لاہور کے شبیر نمبر ۱۹۲۷ء میں من وعن نقل کیا گیا تھا جہاں سے خلیفہ سید محمد ھاشم مرحوم پٹیالوی نے اپنی کتاب ناموس اسلام کے دوسرے حصے میں ص۲۷۴ سے ص۲۷۹ تک نقل کیا ہے۔

بہرحال ابن العربی اور ابن تیمیہ کے ہم خیال افراد اور ناصبی حسب مصلحت دقت ڈھکے چھپے لفظوں میں یا علی الاعلان یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ امام حسینؑ کا اقدام برحق نہ تھا۔

مسئلہ دوم

اب دوسرا رخ ملاحظہ فرمائیں جو پہلے مسئلہ کا عکس ہے یعنی یزید کے بارے میں کس فرقہ کا کیا رویہ ہے۔ پہلے مسئلہ کے واضح ہو جانے کے بعد اب اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں پھر بھی مزید اطمینان کی غرض سے مزید چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

شیعہ اس ملعون کے نام کو داخل دشنام سمجھتے ہیں اور ان کا بچہ بچہ نہ صرف یزید بلکہ یزید کے خاندان اور شجرہ کو حسب ارشاد قرآنی شجرۂ ملعونہ سمجھتا ہے جس کی تفصیل کے لئے سابق کا مضمون "بنی امیہ قرآن کی نظر میں" ملاحظہ ہو۔

اس کے برخلاف ابن تیمیہ کے پیرو وہابی حضرات یزید کو خلیفۂ برحق سمجھتے ہیں۔ ابوبکر ابن العربی کا بیان اوپر گذر چکا۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر کے ص۸۲ پر اور ابن حجر الہیثمی نے جن کا ذکر اوپر بھی آچکا ہے دورنگی کا ثبوت دیتے ہوئے

Presented By: https://jafrilibrary.com

صواعق محرقہ کے ص۱۱ اور ص۱۲ پر یزید کو ان بارہ اماموں میں شمار کیا ہے جن کے متعلق حدیث رسول ہے کہ دین ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ بارہ امام (یا خلیفہ) گذر جائیں۔

ابن تیمیہ اور ان کے ہم مشرب وہابی علماء یزید کو لعنت سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ کبھی فتویٰ دیا جاتا ہے کہ یزید مسلمان تھا اور "لعن المسلم غیر جائز" مسلمان پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے۔ کبھی قتل امام حسینؑ کی ذمہ داری از اول تا آخر ابن زیاد پر ڈال دی جاتی ہے تاکہ یزید بچ جائے۔ کبھی یہ حدیث گڑھی جاتی ہے، کہ امام حسین علیہ السلام روز قیامت یزید کو بخش دیں گے۔ مختصر یہ کہ ہزارہا تاویلیں ڈھونڈھی جاتی ہیں کہ یزید لعنت کا نشانہ نہ بننے پائے وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

اے کہ گفتی بر یزید وآل او لعنت مکن
زانکہ شاید حق تعالیٰ کردہ باشد رحمتش
آنچہ با آل نبی او کرد گر بخشد خدائے
ہم بہ بخشاید ترا گر کردہ باشی لعنتش

"اے وہ شخص جس نے کہا کہ یزید و آل یزید پر لعنت نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ خدا نے اس پر رحمت نازل کی ہو۔ جو کچھ اس نے اولاد رسول کے ساتھ کیا اگر اس کے باوجود اللہ اسے بخش دے تو پھر تم کو بھی بخش دے گا اگر تم اس پر لعنت کرو گے"

حقیقت یہ ہے کہ شیعہ اور حنفی اور شافعی اور معتدل حنبلی (بشمول امام احمد بن حنبل) یزید سے نفرت کلی رکھتے ہیں جبکہ ناصبی اور وہابی (جن میں سے اکثر اپنے کو حنبلی کہہ کر دنیا کو فریب دیتے ہیں۔ یزید پر لعنت کرنے سے یا اس کو

Presented By: https://jafrilibrary.com

برا کہنے سے نہ صرف خود اجتناب کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی باز رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مسئلہ سوم شیعوں کے نزدیک یزید اور دوسرے قاتلان امام حسینؑ کافر تھے اور ان پر اور ان کے فعل سے راضی رہنے والوں پر شیعہ ہمیشہ لعنت کرتے ہیں اور ان کو جہنم کا کندہ سمجھتے ہیں۔ حنفی، شافعی اور معتدل حنبلی حضرات بھی یزید اور دوسرے قاتلان امام حسینؑ سے نفرت کلی رکھتے ہیں اور ان کو مستحق نفرین سمجھتے ہیں۔

البتہ ناصبیوں اور وہابیوں کا رویہ شیعوں کے بالکل برعکس ہے۔ قتل امامؑ سے تعلق رکھنے والے افراد ان حضرات کے نزدیک بالعموم ممدوح ہیں۔ ان میں سے بعض تو خلافت کے درجہ تک پہونچ گئے، بعض صدوق اور ثقہ کے لقب سے یاد کئے گئے اور بہت سے صحاح ستہ جیسی کتابوں کے راویوں میں داخل ہیں اور ان کی روایتوں سے احکام شرعیہ اخذ کئے جاتے ہیں۔

اب میں نام بہ نام ان تمام افراد کے متعلق ان کے خیالات درج کرتا ہوں:

عمر بن سعد بن ابی وقاص یہ لشکر یزید کا سپہ سالار تھا۔ ان تمام مظالم کی ذمہ داری یزید اور ابن زیاد کے بعد براہ راست اسی پر ہے۔ اس نے اپنے لشکریوں سے کہا تھا کہ گواہ رہنا کہ پہلا تیر جو لشکر حسینی کی طرف جارہا ہے، وہ اس کا ہے۔ ایسے شخص کے متعلق صاحب تہذیب التہذیب تحریر فرماتے ہیں۔

روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراهیم	اس نے اپنے باپ اور ابو سعید خدری دو صحابیوں سے سن کر روایت

Presented By: https://jafrilibrary.com

وابن ابنه ابوبکر بن حفص بن عمرو وابو اسحٰق السبیعی وابن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادة والزهری ویزید ابن ابی حبیب وغیرهم

کی ہے اور اس سے سن کر اس کے بیٹے ابراہیم اور پوتے ابوبکر ابن حفص ابن عمر اور ابو اسحاق سبیعی اور ابن حریث اور یزید ابن ابی مریم اور قتادہ وزہری ویزید ابن ابی حبیب اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی روایت کی ہے۔

قال العجلی: کان یروی عن ابیه احادیث وروی الناس عنه وهو تابعی ثقة وهو الذی قتل الحسین

(تہذیب التہذیب)

عجلی نے کہا کہ وہ اپنے باپ سے حدیثیں روایت کرتا تھا اور اس سے سن کر بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور وہ تابعی اور ثقہ ہے۔ یہ وہی ہے جس نے حسین ابن علیؑ کو قتل کیا تھا۔

تقریب التہذیب میں اس بارے میں مرقوم ہے:

عمر ابن سعد ابن ابی وقاص المدنی نزیل الکوفة صدوق لکن مقته الناس لکونه امیرا علی الجیش الذین قتلوا الحسین بن علی۔

من الثانیه

عمر ابن سعد ابن ابی وقاص مدنی مقیم کوفہ صدوق (بہت بڑا سچا) تھا لیکن لوگ اس سے متنفر ہو گئے صرف اس بنا پر کہ وہ حسین کو قتل کرنے والے لشکر کا سپہ سالار تھا۔ یہ راویوں کے دوسرے طبقہ میں سے ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

واضح رہے کہ یہ قول وہابیوں کے شیخ الاسلام ابن حجر کا ہے۔

عمر سعد سے روایت کرنے والوں کی مذکورہ فہرست میں (۱) ابو اسحق سبیعی، قتادہ اور امام زہری یہ تین حضرات ایسے ہیں جن پر وہابیوں کے فن حدیث کا دارومدار ہے اور یہ لوگ استاذ الاساتذہ اور فن حدیث کے ستون سمجھے جاتے ہیں۔ ان سب کا عمر سعد سے روایتیں قبول کرنا اس کی صداقت اور وثاقت کو واضح کر رہا ہے، اس کے علاوہ امام نسائی، ابن ماجہ اور امام بخاری کا اپنی کتابوں میں اس کی روایتیں لکھنا یہ بھی مزید ثبوت ہے۔

ایسی حالت میں عام لوگوں کا بیزار رہنا یا ابن معین کا یہ کہنا کہ:

کیف یکون من قتل الحسین ثقة	حسین کو قتل کرنے والا ثقہ کیونکر ہو سکتا ہے۔

بالکل لائق توجہ نہیں ہے کیونکہ مشکوٰۃ کی شرح لکھنے والے ملا علی القاری نے جن کو جرح اور تعدیل کے آئمہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی توجیہ اور تاویل یوں فرمائی ہے:

ان عمر لم یباشر قتله ولعل حضورة مع العسكر كان بالرائ والاجتهاد وربما حسن حاله وطاب مأله ومن الذی سلم من صدور معصية عنه و ظهور زلة منه فلو فتح هذا الباب اشكل	عمر ابن سعد نے خود حسین کو قتل نہیں کیا اور ممکن ہے کہ لشکر میں اس کی شرکت اپنی رائے اور اجتہاد کی بنا پر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعد میں اس کا حال اچھا اور انجام بخیر ہوا ہو اور بھلا کون ایسا آدمی ہے جس سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو یا کوئی لغزش نہ ہوئی ہو پس اگر اس بنا پر جرح اور عدم

Presented By: https://jafrilibrary.com

الامر علی ذوی الالباب (شرح مشکوٰۃ)	اعتماد کا دروازہ کھول دیا جائے تو صاحبانِ بصیرت (احادیث کے متعلق) بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے :

میزان الاعتدال میں یہ لکھنے کے باوجود کہ انه باشر قتال الحسین (یہ حسین سے جنگ کرنے میں شریک تھا) یہ لکھتے ہیں کہ:

نفسه غیر متهم. روی شعبة باسناد شیوخه عنه. روی عنه الناس	اس کا نفس غیر متہم ہے شعبہ نے اپنے شیوخ کی سند سے اس سے روایت کی ہے اور لوگوں نے بھی اس سے روایت لی ہے۔

شمر بن ذی الجوشن

یہ امام حسین علیہ السلام کا قاتل تھا۔ ابن زیاد نے اس کو چار ہزار لشکر کا سردار بنا کر یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ اگر عمر ابن سعد حسین سے لڑنے میں تامل کرے تو اسکو سپہ سالاری سے معزول کر کے خود سپہ سالار بن جانا۔ یہ بھی وہابیوں کا شیخ الروایت ہے تہذیب التہذیب میں مرقوم ہے کہ :

شمر بن ذی الجوشن ابو السابغة الضبابی عن ابیه وعنه ابو اسحٰق السبیعی	شمر ابن ذی الجوشن ابو السابغۃ الضبابی اس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے اور خود شمر سے ابو اسحٰق سبیعی نے روایت کی ہے۔

یہ باتیں میزان الاعتدال اور استیعاب میں بھی ہیں۔ تذکرۃ الحفاظ میں مزید لکھا ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

وعنه الاعمش وشعبة والثوری واسرائیل وابو الاحوص وابو بکر بن عیاش وسفیان بن عیینة

اور اس سے روایت کی ہے اعمش اور شعبہ اور ثوری اور اسرائیل اور ابوالاحوص اور ابوبکر ابن عیاش اور سفیان بن عیینہ نے

ابواسحٰق سبیعی کا بیان جس میں انہوں نے شمر کا عذر لنگ پیش کیا ہے۔ حسب ذیل ہے:

قال: کان شمر یصلی معنا ثم یقول اللهم انک تعلم انی شریف فاغفر لی. قلت وکیف یغفر الله لک وانت اعنت علی قتل ابن رسول الله۔ قال ویحک فکیف نصنع ان امراءنا هؤلاء امرونا بامر فلم نخالفهم. ولو خالفناهم کنا شرا من هذه۔

شمر ہمارے ساتھ نماز پڑھتا تھا اور کہتا تھا کہ خداوندا تو جانتا ہے میں شریف ہوں پس مجھے بخش دے ابواسحٰق کہتے ہیں: میں نے کہا خدا تجھے کیونکر بخشے گا حالانکہ تو نے فرزند رسول صلعم کے قتل میں اعانت کی ہے شمر نے کہا تجھ پر وائے ہو آخر ہم کیا کرتے۔ ہمارے ان امیروں نے ہمیں اس کام کا حکم دیا ہم نے ان کی مخالفت نہ کی۔ اگر ہم ان کی مخالفت کرتے تو ہمارا انجام قتل حسین کے انجام سے بدتر ہوتا۔

حصین ابن نمیر یہ ملعون بھی کربلا میں چار ہزار سپاہیوں کا سالار تھا ابن زیاد نے بعد شہادت حضرت مسلم حدود کوفہ کی

Presented By: https://jafrilibrary.com

ناکہ بندی اسی کے سپرد کی تھی تاکہ امام حسینؑ آئیں تو انہیں اسیر کر لیا جائے۔ حضرت حُرؑ اسی کے ماتحت تھے۔ بعد واقعہ کربلا محاصرۂ مدینہ اور واقعہ حرہ میں عملاً یہی سالار لشکر تھا کیونکہ مسلم ابن عقبہ سالار لشکر بیمار تھا اور مدینہ کی بربادی کے بعد مسلم ابن عقبہ مر گیا تو باضابطہ سالارِ لشکر بنا۔ اور مکہ کا محاصرہ اسی نے کیا۔ یہ بھی صحاح کا راوی ہے۔ اس کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے۔

احد امراء یزید ابن معاویۃ فی محاصرۃ المدینۃ ثم ابن الزبیر المشھور	مدینہ کے محاصرہ میں یزید ابن معاویہ کے امیروں میں سے ایک امیر تھا پھر ابن زبیر کے محاصرہ میں لشکر یزید کا امیر تھا۔ مشہور شخص ہے۔

میزان الاعتدال میں ہے کہ قتل مار دی۔ اس نے کم روایتیں بیان کی ہیں لیکن کوئی اس کی جرح اس بنا پر نہیں کرتا کہ یہ قاتلینِ حسینؑ سے تھا۔ بلکہ بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی یہ چاروں محدثین اس کی روایتیں اپنی ان کتابوں میں بہ اطمینان نقل کرتے ہیں جنہیں صحاحِ ستہ میں داخل سمجھا جاتا ہے اور جن میں مندرج تمام حدیثیں ہر اعتبار سے صحیح سمجھی جاتی ہیں۔

محمد ابن اشعث ابن قیس

یہ حضرت ابوبکر کا حقیقی بھانجا اور اشعث ابن قیس مشہور منافق کا لڑکا اور جعدہ بنت اشعث قاتلۂ حضرت امام حسنؑ کا حقیقی بھائی تھا۔ حضرت مسلم سے لڑنے کے لئے ابن زیاد نے اسی کو بھیجا تھا اور کربلا میں اس کے ساتھ بھی چار ہزار فوج تھی۔ یہ بھی اہل سنت کا بہت ہی مقبول راوی ہے۔ اس کے بارے میں تہذیب التہذیب میں ہے:

محمد ابن اشعث ابن قیس	محمد ابن اشعث ابن قیس کندی،

الکندی ابو القاسم الکوفی۔ امہ اخت ابی بکر الصدیق۔ روی عن ابیہ وعمر وعثمان وابن مسعود وعائشۃ۔ روی عنہ ابنہ قیس والشعبی ومجاھد والزھری وغیرھم۔ وذکرہ ابن حبان فی الثقات۔ لہ عند ابی داؤد حدیث فی عبد الرحمان ابن قیس وعند النسائی اخر یتعلق بالصائم۔ وذکر ابو زکریا الرازی ان ابن الزبیر ولاہ الموصل۔

ابوالقاسم کنیت، کوفہ کا باشندہ اس کی ماں ابوبکر صدیق کی بہن ہے۔ ابن اشعث نے اپنے باپ اور عمر اور عثمان اور ابن مسعود اور عائشہ سے روایت لی ہے اور خود اس سے سن کر اس کے بیٹے قیس اور شعبی اور مجاھد و زہری وغیرہ (جیسے ائمہ فن حدیث) نے روایت کی ہے اور ابن حبان نے اس کو ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے۔ سنن ابو داؤد میں اس کی ایک روایت عبدالرحمٰن ابن قیس کے بارے میں اور نسائی کی کتاب میں دوسری روزہ دار کے احکام کے متعلق مندرج ہے ابوزکریا رازی نے ذکر کیا ہے کہ ابن زبیر نے اس کو موصل کا گورنر بنایا تھا۔

تقریب التہذیب میں اس کے بارے میں ہے کہ:

محمد ابن اشعث ابن قیس الکندی ابو القاسم الکوفی مقبول من الثانیۃ

محمد ابن اشعث ابن قیس کندی ابوالقاسم کوفی مقبول راوی ہے۔ دوسرے طبقے میں ہے۔ (یعنی تابعی ہے)۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس نے بعد میں دعوائے خلافت کیا اور علمائے وہابیہ کہتے ہیں کہ:

وھو من اجمع علی خلافتہ الامۃ

وہ ان لوگوں میں ہے جن کی خلافت پر امت نے اجماع کر لیا۔

یہاں تک کہ انس ابن مالک مشہور صحابیٔ رسول نے بھی اس کی بیعت کر لی اور اس کی اطاعت اختیار کر لی (ملاحظہ ہو حیوۃ الحیوان جلد دوم ص۴۸)

شبث ابن ربعی یہ ملعون بھی قاتلانِ امام حسینؑ میں سے تھا۔ اس کے ماتحت بھی کربلا میں ایک رسالہ تھا۔ تقریب التہذیب میں بتایا گیا ہے کہ یہ بھی صحاح کا راوی ہے۔ اور اس کی روایتیں ابو داؤد اور امام نسائیؒ کی کتابوں میں جگہ پائے ہوئی ہیں۔

سمرہ ابن جندب یہ سردارانِ لشکر یزید میں سے تھا یہ صحابیٔ رسول تھا اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جہنمی ہونے کی خبر دی تھی۔ چنانچہ شرح ابن ابی الحدید، معارف ابن قتیبہ اور استیعاب میں اس کے بارے میں ہے کہ:

وقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لہ ولابی ھریرۃ ولحذیفۃ بن الیمان: آخرکم موتا فی النار فقال ابو ھریرۃ فسبقنا حذیفۃ وانا الان اتمنی ان اسبقہ فبقی سمرۃ بن جندب حتی شھد مقتل الحسین۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ (وآلہ) وسلم نے سمرہ اور ابو ہریرہ اور حذیفہ بن یمان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو سب سے آخر میں مرے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ ابو ہریرہ کہا کرتے تھے کہ حذیفہ تو ہم لوگوں کے پہلے مر گئے۔ اب میری تمنا ہے کہ میں سمرہ کے پہلے مر جاؤں۔ چنانچہ سمرہ ابن جندب آخر میں باقی رہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

وكان سمرة ايام مسير الحسين الى الكوفة على شرطة عبيد الله بن زياد وكان يحرض الناس على الخروج الى الحسين وقتاله۔

گیا۔ یہاں تک کہ معرکۂ کربلا میں شریک ہوا جس زمانے میں امام حسین نے عراق کا قصد فرمایا اس وقت سمرہ، ابن زیاد کی پولس کا سردار تھا اور لوگوں کو امام حسین ؑ کے خلاف جنگ میں جانے پہ ابھارتا پھرتا تھا۔

ان سب باتوں کے لکھنے کے باوجود محض صحابی ہونے کی بناء پر اس کا شمار طبقۂ اول کے راویوں میں ہے اور اس کی روایت کی ہوئی بہت سی حدیثیں صحاح کی زینت ہیں۔ استیعاب میں لکھا ہے:

صحابي من الحفاظ المكثرين عن رسول الله

صحابی ہے اور ان لوگوں میں سے جنہوں نے بہت زیادہ روایتیں رسول اللہ سے سن کر یاد رکھیں اور کثرت سے ان کو بیان کیا۔

ان چھ سرداران لشکر یزید کے بعد اب میں کچھ ایسے افراد کا ذکر کرتا ہوں جن کی دشمنی اہل بیت سے عموماً اور امام حسین ؑ سے خصوصاً آشکار رہے۔ ان میں پہلا نام مروان ابن الحکم کا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مروان بن الحکم

اس کے باپ حکم کو رسول اللہ نے مدینہ سے نکلوا دیا تھا اور اس کو وزغ بن وزغ (چھپکلی کا بچہ چھپکلی) کہا تھا۔ استیعاب میں ہے:

قالت عائشة: اما انت يا مروان فاشهد ان رسول الله

عائشہ نے کہا کہ اے مروان میں گواہی دیتی ہوں کہ رسول اللہ نے تیرے باپ پہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

لعن اباك و انت في صلبه	لعنت کی تھی جبکہ تو اس کی صلب میں تھا یعنی تو بھی اس لعنت میں شریک ہے۔

یہ امام حسن علیہ السلام کی موجودگی میں امیر المومنین ؑ کو برا بھلا کہا کرتا تھا۔ اور اسی نے امام حسنؑ کے جنازہ کو روضۂ رسول میں دفن نہ ہونے دیا۔ امام حسینؑ کو جب ولید نے بلایا اور بیعت یزید کا مسئلہ پیش کیا اور امام حسین ؑ نے اس امر کو دوسرے دن کے لئے ٹال دیا تو اسی مروان نے ولید سے کہا تھا کہ حسین اس وقت تیرے ہاتھ سے نکل گئے تو پھر تو ان پر قابو نہیں پا سکے گا اس لئے ان کو یہیں اور اسی وقت قتل کر دے۔ نبیؐ نے جس کو مدینہ سے نکلوا دیا اور جس کا لقب ہی طرید رسولؐ (رسول کا نکالا ہوا) اور وزغ بن وزغ ہو اور جو حاکم مدینہ کو قتل حسینؑ کی ترغیب دے، اس کی عزت افزائی ملاحظہ ہو کہ اس کو خلیفہ بنایا گیا اور اسے غیر متہم فی الحدیث کہا گیا:

مروان بن الحكم ولى الخلافة سنة اربع وستين (تقريب التهذيب)	مروان بن الحکم ۶۴ھ کے آخر میں خلافت پر متمکن ہوا۔
مروان بن الحكم روى عن النبى ولا يصح له منه سماع وروى ايضا عن عثمان وعلى وزيد بن ثابت وابى هريرة وبشرة بنت صفوان وعبد الرحمن بن	مروان بن الحکم اس نے نبی سے روایت کی ہے حالانکہ اس کا نبی سے براہ راست حدیث سننا صحیح نہیں ہے اور عثمان اور علی، زید بن ثابت، ابوہریرہ، بشرہ بنت صفوان اور عبدالرحمن بن اسود بن یغوث سے بھی روایت کی ہے،

Presented By: https://jafrilibrary.com

اسود بن عبد یغوث۔

روی عنہ ابنہ عبد الملک وسہل بن سعد الساعدی وھو اکبر منہ وسعید بن المسیب و عروۃ بن الزبیر وابوبکر بن عبد الرحمٰن بن الحارث وعبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ ومجاھد و ابو سفیان مولی ابن ابی احمد۔

کتب لعثمان وولی امرۃ المدینۃ ایا معٰویۃ وبویع لہ بالخلافۃ بعد موت معٰویہ بن یزید بن معٰویۃ۔

قال عروۃ بن الزبیر: کان مروان لایتھم فی الحدیث۔

(تہذیب التہذیب)

اور خود اس سے اس کے بیٹے عبد الملک اور سہل بن سعد ساعدی (جو سن میں مروان سے زیادہ تھے۔) سعید بن مسیب عروہ بن زبیر و ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ اور مجاہد اور ابو سفیان مولائے ابن ابی احمد نے روایت لی ہے۔ یہ عثمان کا سکریٹری تھا اور معاویہ کے زمانے میں مدینہ کا گورنر بنا۔ اور معاویہ بن یزید بن معاویہ کے مرنے کے بعد اس کی خلافت کے لئے بیعت کی گئی۔ عروہ بن زبیر کا قول ہے کہ مروان حدیث میں متہم نہیں تھا۔

(یعنی قابل اعتماد تھا)

اس سے روایت کرنے والوں کی اس طویل فہرست کے بعد اب

Presented By: https://jafrilibrary.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یہ لکھنے کی کیا ضرورت ہے کہ اس کی روایتیں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد جیسی صحیح کتابوں کی زینت بنی ہوئی ہیں۔

ایک اور دشمن سید الشہداءؑ عبداللہ بن ہانی ازدی تھا۔ یہ حجاج بن یوسف کا مصاحب تھا۔ یہ کہتا تھا کہ میرے لئے ایسے مناقب ہیں جو کسی کے لئے نہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے کبھی عبدالملک بن مروان خلیفہ کو بُرا نہیں کہا دوسرے یہ کہ ہماری عورتوں نے نذر کی تھی کہ حسینؑ ابن علی قتل ہوں گے تو ہر ایک عورت دس دس ناقہ طویل راہ خدا میں دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ تیسرے یہ کہ ہم میں سے کوئی مرد ایسا نہیں کہ اس سے ابو ترابؑ کو دشنام دینے کو کہا گیا ہو اور اس نے دشنام نہ کیا ہو اور اس دشنام میں فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ کو شامل نہ کر لیا ہو۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد اول جزو دہم صفحہ ۱۹۵) اور ایسے دشمن اہل بیتؑ و معاند سید الشہداءؑ کی توثیق کیجاتی ہے۔

چنانچہ تقریب التہذیب میں ہے کہ:

عبد اللہ بن ھانی من بنی الازد ندیم الحجاج بن یوسف الثقفی۔ وثقہ العجلی	عبداللہ بن ہانی ازدی ندیم حجاج بن یوسف ثقفی۔ عجلی نے اس کو ثقہ کہا ہے (یعنی قابل اعتماد کہا ہے۔)

اس کے علاوہ ضحاک بن قیس اور زیاد بن سمیہ وغیرہ یزید سے خاص لگاؤ رکھنے والے اور بہتیرے افراد ہیں جن کی روایتیں وہابیوں میں متداول ہیں اور ان کو موثق مانا جاتا ہے۔ یہ تصویر کا ایک رُخ ہے دوسرا رخ یہ ہے کہ جس شخص نے ان قاتلین سید الشہداءؑ کو انتہائی جوش ولائے اہل بیتؑ

Presented By: https://jafrilibrary.com

میں چن چن کر تہہ تیغ کیا اس کی انتہائی برائی اور مذمت کی جاتی ہے۔ چنانچہ مختار ابن ابوعبیدۃ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے زبان کی ترادش ملاحظہ ہو:

لسان المیزان میں ان کے متعلق لکھا ہے:

مختار بن ابی عبیدۃ الثقفی الکذوب لاینبغی ان یروی عنه شیٔ لانه ضال مضل زعم ان جبرئیل علیه السلام نزل علیه وهو شر من الحجاج اومثله۔ ویقال انه الکذاب الذی اشار الیه النبی صلی الله علیه وسلم بقوله یخرج من ثقیف کذاب ومبیر والحدیث فی صحیح مسلم۔

مختار ابن عبیدہ ثقفی بہت ہی جھوٹا۔ مناسب نہیں ہے کہ اس سے کوئی روایت لیجائے کیونکہ وہ خود گمراہ اور لوگوں کو گمراہ کرنے والا ہے۔ اس نے گمان کیا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام اس پر نازل ہوتے ہیں۔ مختار تو حجاج سے بھی بدتر ہے یا اسی کے مثل ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہی وہ کذاب ہے جس کی طرف نبی صلعم نے اپنی اس حدیث میں اشارہ کیا ہے کہ قبیلۂ ثقیف سے ایک کذاب اور ہلاک کنندہ ظاہر ہوگا۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔

اس عبارت کو پڑھ کر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ واقعی مختار میں یہ سب عیوب رہے ہوں گے۔ اسی بنا پر علماء رجال نے ان پر طعن کیا ہوگا۔ اس لئے علامہ ابن عبدالبر کی عبارت استیعاب سے نقل کرتا ہوں جس سے یہ ظاہر ہو جائے گا کہ اس تمام زہرافشانی کا سبب یہ ہے کہ مختار نے قاتلین حسینؑ کو برباد کر دیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ لوگ جن کو یہ امر ناگوار گزرا ان کی برائی پر کمربستہ ہو گئے۔ علامہ موصوف لکھتے ہیں:

وادعی انه رسول محمد بن حنفیة فی طلب دم الحسین

مختار نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ خون حسینؑ کا انتقام لینے کے معاملہ میں محمد ابن حنفیہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

فاستعان بابراهیم بن الاشتر فطلب قتلة الحسین واباد هم وقتل الله علی یدیہ اکثرھم وکان هلاک عبید الله بن زیاد بسببه علی یدی ابراهیم بن الاشتر فاحبه لذلک اکثر المسلمین وطعن علیہ

کے قاصد ہیں پس ابراہیم ابن مالک اشتر سے مدد طلب کی اور قاتلان حسین کو ڈھونڈا اور ان کو ہلاک کیا۔ خدا نے ان کے ہاتھ سے اکثر قاتلان حسین کو قتل کرایا اور عبید اللہ ابن زیاد کی ہلاکت مختار ہی کے سبب سے ابراہیم کے ہاتھوں ہوئی۔ پس اس وجہ سے اکثر مسلمان ان کو محبوب رکھنے لگے اور جن کو ان کا مذہب پسند نہ آیا انہوں نے ان پہ طعن اور ان کی قدح کی۔

یعنی بہ الفاظ دیگر مفہوم عبارت یوں ادا کیجئے کہ قاتلین حسینؑ کے ہم نوا اور ہم مشرب ان کو (یعنی جناب مختارؒ کو) برا کہنے لگے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اتنے حوالے میرے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں کہ حضرات وہابیہ قاتلانِ حسینؑ کی انتہائی تعظیم کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک سردار کی روایتیں صحاح کی زینت ہیں۔ اکثر ثقہ، صدوق اور مقبول کہے جاتے ہیں۔ ایک باوجود قاتلِ حسینؑ ہونے کے اور دوسرا قتل حسینؑ کا مشورہ دینے اور طریدِ رسول ہونے کے خلیفہ بنا دیا گیا جبکہ ان قاتلوں سے بدلہ لینے والا گمراہ اور گمراہ کنندہ اور کذاب اور حجاج سے بدتر اور خدا معلوم کیا کیا بنا دیا گیا۔

نتیجۂ کلام

میرے اس مضمون سے واضح ہو گیا ہو گا کہ وہابی لوگ اور ان کے ہم مذاق

Presented By: https://jafrilibrary.com

علماء، امام حسین علیہ السلام کی جنگ کو نہ صرف یہ کہ اچھا نہیں سمجھتے بلکہ اکثر ان کو یزید لعین کی مخالفت کی وجہ سے جائز القتل مانتے ہیں اور یزید لعین کی خلافت کو برحق سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ وہ قاتلین امام حسینؑ کو شرکت قتل کی وجہ سے برا بھی نہیں سمجھتے بلکہ ان کی بیان کی ہوئی روایتوں پر اپنے مذہب کی اساس قائم کرتے ہیں۔ ان کی مدح و ثناء کرتے ہیں۔ شرکت قتل کے باوجود ان کی خلافت پر اجماعِ امت ہو جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گرفت کی جائے تو کیونکر کام چلے گا اور احادیث کی روایت مشکل ہو جائے گی۔ قتلِ حسینؑ پر راضی رہنے والوں کو موثق اور معتبر سمجھا جاتا ہے اور اس خون ناحق کا بدلہ لینے والے کو انتہائی بدترین الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ قاتلانِ حسین کس فرقہ کے سرگردہ اور دینی پیشوا تھے جبکہ خارجیوں اور ناصبیوں کا ایک بڑا گروہ امام غزالی کے فتوے کے مطابق آج بھی ذکر حسینؑ اور عزائے حسینؑ کو روکنے میں دن رات سرگرم ہے تاکہ اپنے اسلاف کے عیوب پر پردہ ڈال سکے۔

نوٹ :-

یہ مضمون محرم سنہ ۱۳۷۴ھ (سنہ ۱۹۵۴ء) میں سرفراز محرم نمبر میں شائع ہوا تھا۔ بعد میں کچھ ترمیم کے ساتھ اسے "کربلا شناسی" کے دوسرے ایڈیشن (سنہ ۱۴۰۹ھ سنہ ۱۹۵۹ء) میں شامل کیا گیا۔ سنہ ۱۹۵۴ء میں حجاز و نجد کے (جسے خواہ مخواہ "سعودی عربیہ" کا نام دیا گیا ہے) وہابی حکمرانوں کے پاس پٹرو ڈالر کی وہ ریل پیل نہ تھی جو آج نظر آتی ہے۔ نتیجتاً وہ اتنی صراحت کے ساتھ یزید سے اپنی عقیدت کا اظہار کرنا پسند نہ کرتے تھے۔ اگرچہ ان کے بعض مفتی صاحبان اتنا لکھ جاتے تھے کہ یزید خلیفہ برحق تھا اور امام حسین (علیہ السلام) نے اس پر خروج کیا تھا۔ بہرحال چونکہ وہ علانیہ یزید کی حمایت نہ کرتے تھے اس لئے مجھے اس مضمون میں وہ علمی کاوش کرنی پڑی۔

سنہ ۱۹۶۶ء میں ایک عرب (بہ ظاہر وہابی) نے دارالسلام میں مجھ سے کہا کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

"تم لوگوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا" میں نے کہا: "بہت خوب! اب میں جو کہتا ہوں اسے غور سے سنو:

یہاں شایع کی جا رہی ہے۔)

لعن اللہ امۃ قتلت الحسین ولعن اللہ امۃ ظلمت الحسین ولعن اللہ امۃ سمعت بذلک فرضیت بہ" (خدا لعنت کرے اس گروہ پر جس نے حسینؑ کو قتل کیا اور خدا لعنت کرے اس گروہ پر جس نے حسینؑ پر ظلم کیا اور خدا لعنت کرے اس گروہ پر جس نے یہ خبر سنی اور اس سے راضی ہوا۔) پھر میں نے اس سے کہا کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچا ہے تو جو کچھ میں نے کہا ہے اسے دہرائے۔ اس نے انکار کر دیا۔

۱۹۷۳ء میں پٹرول کی قیمت آسمان پر پہنچ گئی۔ سعودی حکمراں ضمیر فروشوں کے قلم اور زبانوں کو خریدنے میں کامیاب ہو گئے اور اپنے پوشیدہ عقاید کی کھلم کھلا تبلیغ کرنے لگے۔ ان کی وزارت المعارف (وزارت تعلیم) نے ایک کتاب شایع کی:

حقائق عن امیر المومنین یزید بن معاویۃ

(امیر المومنین یزید بن معاویہ کے متعلق حقایق)

۶ر اپریل ۱۹۸۹ء کو میں کراچی کے ایک بڑے بازار میں ایک دوکان میں کھڑا تھا۔ سڑک کی دوسری جانب ایک عالیشان نئی مسجد تھی جو غالباً پٹرو ڈالر کی مدد سے تعمیر ہوئی ہوگی۔ اس کے عظیم الشان مینار کے زیریں حصّے پر انتہائی خوبصورت جلی حرفوں میں یہ لکھا ہوا تھا کہ: "حضرت یزید رضی اللہ عنہ جنتی ہیں"۔ (سردار جوانان جنت کا قاتل جنت میں جائے گا!! سبحان اللہ)

ان سب صریحی اعلانات کے باوجود وہابیوں کی شوریدہ سری ملاحظہ ہو کہ جگہ جگہ اب بھی یہ پروپیگنڈا کرتے پھرتے ہیں کہ شیعوں نے امام حسینؑ کو قتل کیا تھا۔ گوئبلز کا کہنا تھا کہ جھوٹ بار بار کہا جائے تو عوام اسے سچ سمجھنے لگیں گے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

وہابیوں کا نظریہ بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ عربی کی مثل ہے اذا لم تستح فا
فعل ما شئت ؛ شرم کا لبادہ اتار کر پھینک دو اور جو چاہے کرتے رہو۔
یہ کتاب حاجیوں میں آزادانہ تقسیم کی گئی۔ (اس کے ٹائٹل کی فوٹو کاپی

Presented By: https://jafrilibrary.com

روزنامہ ہلال کی شرر ریزیاں

حافظ علی بہادر خاں ایڈیٹر ہلال بمبئی نے اخبار مذکور کی ۱۱، ۱۳ اور ۱۵ مئی کی اشاعتوں میں جناب سکینہ کے متعلق ایک مضمون شائع کیا ہے۔ اس مضمون کی خصوصیت یہ ہے

کہ شروع سے آخر تک کہیں کسی بیان کا حوالہ یا سند مذکور نہیں ہے۔ حوالہ نہ دینے میں حافظ صاحب کے لئے دو آسانیاں تھیں ایک تو یہ کہ حوالہ کی قید کی وجہ سے طباعی کے اظہار کا موقع نہ رہتا اور من گھڑت واقعات کی اشاعت ناممکن ہوجاتی۔ دوسرے یہ کہ اسکی وجہ سے یہ
بھانڈا پھوٹ جاتا کہ یہ مضمون شرر لکھنوی کے ناول "سکینہ بنت الحسین" سے ماخوذ ہے اور ایک ناول کا حوالہ دینا مضمون نگار کی کسر شان کا باعث ہوتا۔ اس کے علاوہ قباحت یہ ہوتی کہ لوگوں کا دماغ فوراً مذکورہ بالا ناول کے دندان شکن جواب "جواب شرر" کی طرف منتقل ہوجاتا۔ اس لئے حافظ صاحب نے اس ابہام کے ساتھ مضمون لکھنے ہی میں خیریت سمجھی۔

اس مضمون میں جتنے واقعات ہیں جیسا کہ لکھا جا چکا ہے بجز ایک کے شرر کے ناول سے ماخوذ ہیں اور ناظرین کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس کے تفصیلی جواب کے لئے فخر الحکماء مولانا سید علی الحائری صاحب قبلہ طاب ثراہ کی تصنیف "جواب شرر" (مطبوعہ اصلاح پریس کھجوہ سارن) کا مطالعہ فرمائیں۔ میں اختصار کے ساتھ صرف اتنا بتا دینا چاہتا ہوں کہ شرر نے اپنے مضامین ابوالفرج اصفہانی اموی کی کتاب الاغانی سے لئے تھے "اغانی" کا عربی ادب میں صحت مضامین کے اعتبار سے یہی درجہ ہے جو اردو میں

Presented By: https://jafrilibrary.com

طلسم ہوشربا۔ داستان امیر حمزہ۔ بالا باختر یا بیربل نامہ کا ہے۔ ان کتابوں کی طرح اغانی بھی محض تفریح طبع اور داستان سرائی کے لئے لکھی گئی تھی۔ اگر داستان امیر حمزہ کو حضرت حمزہ عم رسولؐ کی سوانح عمری کی بنیاد بنایا جاسکے تو اغانی کے مضامین سے جناب سکینہ یا دوسرے افراد کے حالات بھی لکھے جاسکتے ہیں اور اگر دیانت و عقل اس کے خلاف فیصلہ دے تو پھر ان مضامین کی اور ساتھ ہی مضمون نگاروں کی وقعت بھی ظاہر ہوجاتی ہے۔ علاوہ بریں داستان امیر حمزہ کے مصنف کو حضرت حمزہ سے کوئی قلبی عداوت کی وجہ نہیں تھی۔ اس لئے اس نے ہر مقام پر حضرت حمزہ سے شجاعت و شرافت (مافوق الفطرت بھی) ہی کے واقعات منسوب کئے ہیں اس کے برخلاف ابو الفرج اصفہانی خاندان رسول کا دشمن اور اموی بادشاہوں کا نمک خوار تھا اس لئے اس نے جناب سکینہ سے ایسے واقعات منسوب کردئے جن سے ان معظمہ کی ہر صورت سے توہین ہوجائے خواہ بعد تحقیق ان لغویات کو ارباب درایت و روایت مسترد ہی کردیں۔ بہرحال یہ تازہ مضمون بجز "باسی کڑھی کے اُبال" کے اور کچھ نہیں ہے۔ اگر حافظ صاحب میں کچھ بھی غیرت ہوتی تو وہ جواب شرر کے بعد شرر کے اس ناول سے اقتباس نہ کرتے۔

ابو الفرج اصفہانی، جو ان تمام مفاسد کی بنیاد ہے۔ بنی امیہ کے آخری خلیفہ "مروان الحمار" (گدھا مروان) کا پوتا تھا۔ یہ بنی عباس کے زمانہ میں بغداد میں تھا۔ اسی دوران میں اندلس میں مروانی خلیفہ نے سلطنت قائم کرلی تھی۔ یہ خاندانی انس و محبت کی بناء پر ان کی طرف مائل تھا مگر بنی عباس کے خوف سے علی الاعلان ان سے راہ و رسم نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس لئے پوشیدہ طریقہ سے ان کے لئے ایسی کتابیں لکھتا تھا جن میں تفریح کے پردے میں خاندان اہل بیت کی توہین بھری رہتی تھی اور ان کے پاس پوشیدہ ذرائع سے بھیجکر جایزہ اور انعام حاصل کرتا رہتا تھا۔ اسی سلسلہ کی کڑیاں اغانی کی جلدیں بھی ہیں، جن میں جناب سکینہ سے ان لغو اور مہمل واقعات کو منسوب کیا ہے جنھیں حافظ صاحب نے درج کیا ہے۔ اس کے "ہرجائی پن" اور "زنا کا بیہ مذہب" ہونے کا اس سے زیادہ اور ثبوت کیا ہوسکتا

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہے کہ ایسی کتابوں کے ساتھ ساتھ بنی عباس کو خوش رکھنے کے لئے ایسی کتابیں بھی لکھیں جن سے بنی ہاشم کی فضیلت ثابت ہو۔ یہ ابوالفرج اصفہانی انتہائی لغوگو، ہزل گو، عیاش اور شراب خوار تھا۔ افسوس اس کا ہے کہ اس کے متعلق تمام حوالے مجھے اس وقت نہ مل سکے۔ پھر بھی جہاں تک فوری طور سے رسائی ممکن ہے اسے پیش کر دیتا ہوں:۔

(۱) حجۃ الاسلام مولانا سید محمد باقر خوانساری نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"میں نے اس کی کتاب اغانی کو اجمالاً دیکھا۔ اس میں ہزل اور گمراہی یا لہو لعب میں مبتلا رہنے والوں کے قصوں کی بھرمار اور اہل بیت کے علوم سے انحراف کے سوا اور کچھ نہ پایا۔ علاوہ بریں یہ شخص اس شجرہ سے تھا جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ یعنی بنی امیہ اور آل مروان کا ایک فرد تھا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ کوئی صاحب ایمان فرد اس گروہ میں پیدا ہو جس کے تمام افراد پر لعنت کی گئی ہو وہ بھی کس زبان سے اور کس انسان کامل کی طرف سے (یعنی رسول مقبول کی زبان سے اس پر لعنت کی گئی ہو (روضات الجنات باب الغین ص۴۷۸)

(۲) حجۃ الاسلام مولانا سید راحت حسین صاحب قبلہ گوپال پوری اپنے رسالہ "رافع الالتباس" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) ابن داؤد علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب رجال میں اس کو قسم ضعفا میں یوں ذکر کیا ہے:۔

ترجمہ:۔ "ابوالفرج اصفہانی آغانی کبیر اس سے کوئی روایت نہیں لی جاتی فہرست میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ زیدی تھا خدا اس پر لعنت کرے"

(رجال ابن داؤد خطی مال کتب خانہ ناصر الملۃ ص۴)

(۲) علامہ حلی علیہ الرحمہ نے بھی اس کو خلاصۃ الاقوال میں قسم ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔

(۳) ہمارے قدماء علماء میں سے حسن بن حسین نوبختی علیہ الرحمہ نے اسکو اکذب الناس یعنی سب سے زیادہ جھوٹا کہا ہے۔

(۴) مخصوص طور سے کتاب آغانی کے متعلق مولانا موصوف الصدر یہ جملے تحریر فرماتے

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہیں "اگر اس کے حق میں مذکورہ بالا جرحیں نہ ہوتیں تو میں اس کی اسی تحریر (یعنی اغانی کی روایتوں) کو اس کی جرح کے لئے کافی سمجھتا اور اس کو ملعون ترین اشقیاء عالم میں شمار کرتا۔ (رافع التباس)

(۳) علامہ سید سبط الحسن ہنسوی اپنے رسالہ "کشف الداہیہ" میں "اغانی" کے متعلق لکھتے ہیں۔

"کتاب الاغانی" پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے۔ محدثانہ و مورخانہ انداز پر اس کو ابوالفرج نے لکھا ہے بلکہ وہ اباطیل و اکاذیب کا ایک مجموعہ ہے جو اندلس کے مروانی النسل حکمرانوں کی خوشنودی کے لئے لکھی گئی ہے"۔

(۵) علامہ ابن حجر عسقلانی اس کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ترجمہ، یعنی ابوالفرج اصفہانی سب سے بڑا جھوٹا تھا۔ وہ بہت سی کتابیں قصہ کہانیوں کی خریدتا تھا اور اس پر روایت کی بنیاد رکھتا تھا۔

(۶) اب خود ابوالفرج اصفہانی کا اعتراف اس کتاب کے متعلق سنئے وہ لکھتا ہے:۔

ترجمہ "میں نے اس کام کو بہ تکلف انجام دیا حالانکہ مجھے کراہت معلوم ہوتی تھی کہ میری تصنیف میں ایسی مہمل چیزیں باقی رہیں جو زمانہ کے ساتھ قائم رہیں اور میری طرف منسوب کرکے بیان کی جائیں"۔

مگر افسوس کہ بنی امیہ کی خوشامد اور دوامی رسوائی اور ذلت کو اس نے طمع مال و زر میں پڑ کر گوارا کر لیا اور ابدی لعنت کا طوق گلے میں ڈال لیا۔ مذکورہ بالا تحریروں سے اور ابوالفرج کے اقرار سے سمجھا جا سکتا ہے۔ بشتر لکھنوی جنھوں نے اپنے آل کار کا پتہ اپنے تخلص ہی میں بتا دیا ہے ان چنگاریوں کو عربی سے اردو کے خرمن میں لائے اور اب حافظ گل بہادر ان کو پھونک پھونک کر بھڑکانا چاہتے ہیں حالانکہ "جواب شر" سے ان پر ایسی اوس پڑ چکی ہے کہ اب ان میں حرارت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا ہے۔

یہ تو روایت کی حیثیت سے ان مفروضہ واقعات کی اصلیت ظاہر کی گئی اب درایت و عقل سے پرکھ لیجئے دیکھئے ان واقعات سے کیا یہ نہیں ثابت ہوتا کہ

Presented By: https://jafrilibrary.com

"گویا جناب سکینہ نے اپنے گھر کو قریشیوں اور شعرا کا اکھاڑہ بنا رکھا تھا۔ ایسی صفتیں رکھنے والی عورت بے شبہہ دینداری سے بے تعلق اور مناصب شرافت یعنی شرم و حیا و عزت و ناموس سے محروم ہوگی۔ ذرا غور تو کیجئے خاندان رسالت کا پایہ تو بہت بلند ہے کیا کوئی معمولی شریف گھر کی عورت بھی اس کو گوارا کر سکتی ہے۔ جبکہ سکینہ علیہا السلام میں تو بشرط ثبوت حیات بعد قید یزید خاندانی عظیم الشان شرافت کے علاوہ چند خصوصیتیں اور بھی جمع ہوگئی تھیں جیسے واقعات کربلا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا، ان مصائب کو خود بھی جھیلنا۔ حضرت سید سجاد علیہ السلام جیسے معصوم بھائی اور ماں بہنوں، پھوپھیوں کو عمر بھر روتے دیکھنا۔ کیا ان باتوں کو اس قدر جلد بھول گئیں اور بھولی بھی تو اس طرح کہ معاذ اللہ، شرافت کے سارے لوازم اور اپنے گھر کے جاری کئے ہوئے دینی احکام سب کو خیرباد کہہ دیا۔ جس گھر سے یہ حکم جاری کیا گیا ہو کہ عام مومنوں کی عورتیں بغیر کسی شدید ضرورت کے غیر کو آواز نہ سنائیں۔ گھر میں اس طرح رہیں کہ نہ ان کی نگاہیں غیروں پر پڑیں نہ غیروں کی ان پر بلکہ گھر کے اندر زیور پہن کر اس طرح نہ چلیں کہ باہر کے اجنبی ان کے زیور کی جھنکار سنیں۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے کیا کوئی ایسا شخص جو خاندان رسالت کے حالات سے واقف ہو یہ تصور کر سکتا ہے کہ جناب سکینہ نے ان امور کو اختیار کیا ہوگا۔ ان مضامین کو لکھنے سے اس ناصبی ابوالفرج کی غرض صرف خاندان رسالت کی توہین تھی جس پر اس کو خاندانی عداوت نے آمادہ کیا۔"

(رافع التباس)

تعجب ہے کہ جناب امام زین العابدین علیہ السلام زندگی بھر امام حسین علیہ السلام پر شب و روز روتے رہیں، کھانا سامنے آئے، تو رو دیں، پانی پینا چاہیں تو رو دیں، گوسفند کے کٹے ہوئے سر پر نظر پڑ جائے تو غش کر جائیں، جناب رباب (والدہ حضرت سکینہ) زندگی بھر خود ابوالفرج اصفہانی اور حافظ علی بہادر کے اقرار کے مطابق حسین پر یوں نوحہ کرتی رہیں۔

ترجمہ: "وہ حسین جو ایسا نور تھا جس سے لوگ روشنی حاصل کرتے تھے۔ کربلا میں مقتول بے گور و کفن پڑا ہے۔"

Presented By: https://jafrilibrary.com

ترجمہ: "نواسۂ رسول، خدا آپ کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ میزان کے گھاٹے سے محفوظ رہیں۔"

ترجمہ: "آپ میرے لئے ایسے کوہ رفیع تھے جس سے مجھے تقویت اور پناہ ملتی تھی اور آپ ہمارے ساتھ رحم اور دینداری کے ساتھ رہتے تھے۔"

ترجمہ: "اب آپ کے بعد یتیموں اور سائلوں کی حاجت روائی کون کرے گا اور مساکین و فقراء کس کے پاس جائیں گے۔"

ترجمہ: "خدا کی قسم آپ کے رشتہ کے بدلے میں دوسرا رشتہ نہ ڈھونڈوں گی یہاں تک کہ قبر میں چھپا دی جاؤں۔"

ایک طرف تو گھر کا یہ عالم اور دوسری طرف جناب سکینہ گھر کے اس یاس انگیز غم آگیں اور حسرت ناک ماحول سے اس طرح بے تعلق ہو جائیں گویا انھیں اس گھر سے اور حسینؑ سے کوئی لگاؤ ہی نہ تھا۔ العیاذ باللہ۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم۔

ناظرین جناب رباب کے اس قول گرامی کو بغور ملاحظہ فرمائیں کہ ؎

وکنت تصحبنا بالرحم والدین

آپ ہمارے ساتھ رحم اور دینداری کے ساتھ رہتے تھے۔"

اور حافظ صاحب (بعض عرفا) کی اس لطافت کو ملاحظہ کریں کہ: "رباب امراء القیس کی بیٹی حسنِ علم میں زبردست پایہ رکھتی تھیں۔ ان بی بی رباب کے بطن ہی سے سکینہ پیدا ہوئی تھیں۔ ان دونوں سے امام حسین کو اتنی محبت تھی کہ وہ اس محبت کے باعث بعض ضروری باتوں سے غفلت کرتے تھے۔ بڑے بھائی حضرت امام حسن نے ایک روز امام حسین کو رباب و سکینہ کی اتنی محبت پر ڈانٹا اور طعنے دیے۔ بھائی کی خفگی نے بجائے اصلاح کے یہ اشعار کہلوائے۔

لعمرک اننی لاحب دارا   تکون بھا سکینۃ والرباب

تمہاری جان کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے تو وہ گھر ہی محبوب ہے جس میں سکینہ اور رباب ہوں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

احبھما و ابذل کل مالی   ولیس لعاتب عندی عتاب

مجھے ان دونوں سے محبت ہے اور ان کے لئے میں اپنا سب مال قربان کرنے کو تیار ہوں اور اگر اس بات پر کوئی مجھ سے عتاب کرے تو میں اس کی بھی پرواہ نہ کروں۔

ترجمہ:۔ اور اگرچہ اس پر مجھے ملامت کی جاتی ہے مگر میں کوئی شنوائی نہیں کر سکتا اپنی زندگی بھر یہاں تک کہ مجھے مٹی چھپا لے۔

(حافظ صاحب نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ "میں کوئی شنوائی نہیں کرتا۔ اس کا نتیجہ چاہے یہ ہو کہ میں زندہ ہوں اور چاہے خاک میں مل جاؤں" یہ عربی دانی کا ایک ثبوت ہے)

اغانی میں یہ اشعار امام حسین علیہ السلام کی طرف منسوب کئے گئے ہیں اور انکی روایت بھی جناب سکینہ ہی سے کی گئی ہے۔ بہرحال کچھ بھی ہو واقعہ کی تصنیف۔ اس کی ادائیگی کا انداز اور الفاظ کا انتخاب یہ سب کے سب لکھنے والے کی خبث طینت اور یزید پرست ہونے کی گواہی دے رہے ہیں جس نے امام حسین علیہ السلام کو ایک عام سطح کے انسان سے بھی پست ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ابوالفرج نے ان اشعار کا سلسلۂ سند مالک بن اعین تک منتہی کیا ہے۔ اولاً تو ابوالفرج کی روائتوں کا پول علامہ ابن حجر عسقلانی نے یہ کہہ کر کھول دیا کہ وہ لغو کتابوں کو خرید کر اسی کی حکایات کی روایت کیا کرتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس وقت عربی ادب کا اسلوب ہی یہ تھا کہ قصوں کو بھی فرضی سلسلۂ سند سے بیان کرتے تھے، مقامات بدیع، مقامات حریری، سیف بن ذی یزن کا قصہ یا اور اسی قسم کے قصے کسی نہ کسی راوی کی طرف منسوب کر کے بیان کئے گئے ہیں حالانکہ ان راویوں کا کہیں خارجی وجود نہ تھا۔ اس لئے محض سلسلۂ روایت موجود رہنے سے ان کہانیوں کا کوئی اعتماد نہیں ہو سکتا۔ اب اور سنئے کہ مالک بن اعین کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی نے کتاب لسان المیزان جلد ۵ صـ۲ سطر ۱۲ میں لکھا ہے کہ یہ مجہول تھا۔ اب جو روایت اغانی جیسی کتاب میں ہو اور اس کا راوی اول مالک بن اعین جیسا مجہول اور ناقل آخر ابوالفرج جیسا "اکذب الناس" ہو اس کے عدم وثوق کے بارے میں کون شخص

Presented By: https://jafrilibrary.com

صحت جو اس کے ساتھ شبہ کر سکتا ہے خصوصاً جب کہ یہ بات آداب خاندان رسالت کے منافی بھی ہو اور ان کی عصمت و طہارت کی شہادت اس کے برخلاف ہو اور اس کو تسلیم کرنے پر اس بات کا ثبوت مہیا کرنا پڑے کہ یہ مالک بن اعین جناب سکینہ کے یہاں آمد و رفت رکھتا تھا اور وہ معظمہ اس سے گفتگو بھی فرمایا کرتی تھیں حالانکہ یہ بات بھی عقلاً مستبعد ہے۔

ان حالات میں ان اشعار کا انتساب ہی غلط اور فرضی ہے اور اگر بالفرض ہم تسلیم بھی کر لیں جب بھی جو واقعہ اس سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے وہ قطعاً جیسا کہ میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ ابو الفرج یا مالک بن اعین کی ایجاد کردہ ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون۔ اب اس پر آپ کے یہ حواشی ملاحظہ ہوں۔ ان کی محبت نے امام حسین علیہ السلام سے بعض ایسے اشعار کہلوائے جو سارے عرب میں مشہور ہو گئے اور محفلوں میں لوگ ان کو گرمی پیدا کرنے کے لیے گاتے تھے یہاں تک شعراء کرام یہ سنکر دنگ رہ جائیں گے کہ امام حسین کے ان اشعار کو ابن سریج نے جو عرب کا مشہور فن کار تھا ایک خاص نغمہ دیا تاکہ اس کے ساتھ گایا جا سکے اور بھی اہل فن نے ان اشعار کی لے بنائی۔ مگر ابن سریج کی لے بہت مقبول ہوئی۔

اگر بالفرض یہ اشعار امام حسین نے کہے ہوں تب بھی لوگوں کا ان کو گاتے پھرنا اور حرام عنوان سے محفلوں میں لے سے گانا اور اس کے لئے خاص نغمہ ایجاد کرنا یہ کوئی قابل تعریف امر نہیں۔ اسلام نے غنا کو حرام قرار دیا ہے اور مربیان اسلام اس لئے شعر نہیں کہتے تھے کہ لوگ ان کو گاتے پھریں۔ اولاً تو ان کے اشعار میں پند و موعظت کے علاوہ کچھ ہوتا ہی نہیں تھا لیکن اگر ہم حافظ صاحب کی خاطر سے ان اشعار کا امام کی طرف انتساب تسلیم بھی کر لیں تب بھی اس سے اس وقت کے عوام اور ابن سریج کی ذہنی پستی اور عصیان آلودگی پر رحم آتا ہے لیکن جس قوم کے بزرگ بدکاری کی اجرت طلب کرنے کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت لن تنالوا البر حتی تنفقوا (تم نیکی نہیں پا سکتے ہو جب تک خرچ نہ کرو) اور اتیان فی الدبر کا عزم ظاہر کرنے کے لئے قرآن کی اس آیت کو تختہ مشق بنائیں ساوی الی جبل یعصمنی من الماء (میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا وہ مجھے پانی (حیض) سے بچا لے گا) وہ لوگ اگر

Presented By: https://jafrilibrary.com

ائمہ کے اشعار کو نبے سے پڑھنے ہی پر اکتفا کریں تو مقام شکر گذاری ہے۔

اب میں حافظ صاحب کا دوسرا بیان پیش کرتا ہوں جہاں انھوں نے "واقفیت عامہ" کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔

امام حسین کا سارا گھر علم و ادب شعر و شاعری کا مرکز تھا۔ بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ حضرت امام حسین کی بیوی رباب مشہور شاعر امراء القیس کی بیٹی تھیں۔" یہاں انداز بیان یہ بتاتا ہے کہ حافظ صاحب یہ سمجھتے ہیں اور ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ جناب رباب مشہور شاعر امراء القیس کی بیٹی تھیں جس کا معلقہ مشہور ہے اور جسے "اشعر العرب" کہا جاتا ہے اور اس طرح انھوں نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک تو جناب سکینہ کا مفروضہ ذوق شعر و سخن موروثی ثابت ہو جاتا ہے اور دوسرے جناب سکینہ سے منسوب کر کے جو واقعات لکھے ہیں ان کے لئے بھی وجہ جواز پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ امراء القیس شاعر خود اس کے قصیدہ کی شہادت کی بنا پر ایک انتہائی آزاد طبع، عیاش اور عاشق مزاج شاعر تھا۔ اور اگر واقعتاً حافظ صاحب کی تحقیق اور انکشاف کے مطابق جناب رباب اسی کی بیٹی تھیں تو ان کا یا ان کی صاحبزادی کا آزاد مزاج ہونا چنداں قابل گرفت نہیں رہ جاتا۔ مگر افسوس کہ اس تحقیق نے حافظ صاحب کی رسوائی کا سامان مہیا کر دیا ہے۔ اندھا اگر بغیر رہبر چلے تو ٹھوکر کھا ہی جاتا ہے۔ عربی علوم و ادب سے ناواقف اگر عربی شعراء و شرفاء پر طعنہ زنی کرے گا تو اسکے علم کی کمی ظاہر ہو ہی جائے گی۔ اب ملاحظہ ہو:۔

مشہور شاعر امراء القیس بن حجر کندی قبیلہ کندہ کا بادشاہ تھا۔ یہ سلطنت اس کے باپ سے شروع ہوئی اور امراء القیس پر ختم ہو گئی۔ اس کو قیصر روم نے سنہ ۵۳۰ء یا سنہ ۵۴۰ء میں زہر دیا ہے اور اس کے مرنے کے کم از کم تیس برس بعد سنہ ۵۷۰ء میں رسالت مآبؐ پیدا ہوئے۔ امام حسینؑ امراء القیس کے مرنے کے کم از کم اٹھاسی برس بعد یعنی ۶۲۶ء مطابق ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ جناب رباب سے عقد اگر اہل سنت کی روایات کے مطابق عہد خلافت ثانی میں تسلیم کر لیا جائے جب بھی ۱۹ھ کے بعد ہی عقد ہو سکتا ہے کیونکہ اسی سال امام حسین علیہ السلام کا سن پندرہ برس کا ہوا تھا اور اس کے قبل عقد عقلاً مستبعد ہے تو اس حساب سے اس

Presented By: https://jafrilibrary.com

وقت امرا القیس کو مرے ہوئے ۲۰۰ برس گذر چکے تھے۔ اگر حافظ صاحب کی تحقیق کے مطابق جناب رباب امرا القیس شاعر کی بیٹی تھیں تو بوقت عقد امام حسینؑ کا سن پندرہ برس کا اور ان کا سن کم از کم ۲۰۰ برس رہا ہوگا۔ بہرحال ایں بادبندہ تو بے گندہ ہی سہی ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

اتفاق دیکھئے کہ مورخین نے اس کی بھی تصریح کر دی ہے کہ امرا القیس رسم جاہلیت کے مطابق اپنی تمام لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتا تھا۔ اس کی بیویاں اپنی لڑکیوں کو دوسرے قبائل عرب میں چھپا کر بھیج دیتی تھیں تاکہ ان کی جان بچ جائے مگر یہ ہر جگہ پہونچ جاتا تھا اور ان کو ہلاک کئے بغیر نہ چھوڑتا تھا۔ ایک لڑکی جس کا نام ہندہ تھا اتفاق سے بچ گئی اور بعد میں نہ جانے کیونکر امرا القیس اس کو ماننے بھی لگا۔

میں حوالہ دئے بغیر آگے نہ بڑھتا مگر محض اس خیال سے چھوڑ دیتا ہوں کہ دیکھوں حافظ صاحب ایسی مشہور چیزوں کا بھی پتہ عربی کتابوں میں پا سکتے ہیں یا نہیں۔

حقیقت صرف یہ ہے کہ جناب رباب کے والد ماجد کا نام بھی امرا القیس تھا اور کہیں کہیں ان کو کندی بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اتنا سا سہارا طائر وہم کی پرواز کے لئے بہت کافی تھا حافظ صاحب اسے لے اُڑے ورنہ دراصل جناب رباب کا شجرۂ نسب یوں ہے۔ رباب بنت امرا القیس بن عدی بن جابر بن کعب بن علی بن برہ بن ثعلبہ بن عمران بن الحاف بن قضاعۃ۔ اور چونکہ یہ بزرگوار کوفہ کے محلہ کندہ میں سکونت رکھتے تھے اس لئے ان کو امرا القیس کندی کہا جاتا تھا۔ ان کو قبیلہ کندہ سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔

غلط انتساب ممکن ہے کہ حافظ صاحب کو برا نہ معلوم ہو کیونکہ ان کے بزرگان مذہب اور اسلاف ملت اکثر اس کا شکار رہے ہیں مگر وہ از راہ کرم اس خانوادہ طہارت و سیادت کو اپنی یاوہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں سے محفوظ رکھیں تو رسول و آل رسول پر سب و شتم کے عذاب سے بچ جائیں گے۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایک انقلاب انگیز کتاب

"خلافتِ معاویہ و یزید"

خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف محمود احمد عباسی نے ہندوستان و پاکستان کے شیعہ، سُنی، ہندو بلکہ تمام انسانیت پسند حلقوں میں اپنے نئے نفکر سے ایک عجیب گرماگرمی پیدا کر دی ہے۔ اصل کتاب کے مضامین کے ساتھ ساتھ مولوی عبدالماجد دریا بادی اور مکتبہ تجلی دیوبند کے وہ جملے بھی موضوع بحث بن گئے ہیں جن میں اس کتاب کو "انقلاب انگیز" کہہ کر متعارف کیا گیا ہے۔ مکتبہ تجلی دیوبند کی مطبوعہ چھٹی کے ابتدائی فقرات یہ ہیں۔

اس خط کے ذریعہ آپ کو ایک ایسی کتاب سے متعارف کرا رہے ہیں جو تاریخ ملت کے ایک نازک ترین قضیہ پر "انقلاب انگیز"... فکر پیش کرتی ہے"

مولوی عبدالماجد صاحب نے بھی اخبار "صدق جدید" میں اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کو ایک "انقلاب انگیز" کتاب قرار دیا ہے اور اس تبصرہ کو وہ ہمدردانہ غیر جانبداری سے تعبیر فرماتے ہیں۔

عام مسلمان اور بالخصوص شیعہ حضرات ان فقرات سے بُری طرح برہم ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں دشمنی میں بھی انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ کتاب "انقلاب انگیز" ضرور ہے اور میرا یہ مضمون انھیں فقرات کی تائید میں لکھا جا رہا ہے۔

یہ بحث یعنی خلافت معاویہ و یزید ایک مذہبی بحث ہے اور اس انقلاب کی تشریح کے لئے ہمیں قرآن مجید ہی سے مدد لینی چاہیے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ قرآن اس انقلاب کو کیسا سمجھتا ہے۔؟

Presented By: https://jafrilibrary.com

قرآن مجید میں آٹھ مقامات پر "انقلاب" کے مشتقات اپنے خالص لغوی معنی میں استعمال ہوئے ہیں یعنی "پلٹنا" یا پلٹ کر آنا، مثلاً:۔

(۱) سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم لتعرضوا عنھم فاعرضوا عنھم انھم رجس (سورۂ توبہ رکوع ۱۲)

اے رسولؐ! جب تم اُن کے پاس پلٹ کر آؤ گے تو تمہارے سامنے خدا کی قسمیں کھائیں گے (تا آخر)

(۲) وقال لفتیانہ اجعلوا بضاعتھم فی رحالھم لعلھم یعرفونھا اذا انقلبوا الی اھلھم لعلھم یرجعون (سورہ یوسف رکوع ۸)

حضرت یوسف نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ فرزندان یعقوب نے جو غلہ کی قیمت دی ہے اُسے اُن کے سامان کے اندر رکھ دو تاکہ جب یہ لوگ اپنے گھر والوں کی طرف پلٹ کر جائیں تو اُسے پہچان لیں اور اس حسن سلوک کی وجہ سے پھر دوبارہ یہاں آ دیں۔

اسی طرح ۱۔ سورۂ تطفیف رکوع ۱، ۲۔ سورہ فتح رکوع ۲، ۳۔ سورۂ الملک رکوع ۱، ۴۔ سورہ انشقاق رکوع ۱، ۵۔ سورۂ کہف رکوع ۵۔ میں بھی "انقلاب" کے صیغے محض ایک جگہ سے دوسری جگہ پلٹ آنے کے معنوں میں استعمال کئے گئے ہیں اور اس پلٹنے میں اچھائی یا برائی کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

مجھے یقین ہے کہ دریابادی صاحب اور ذمہ داران "تجلّی" دیوبند نے اس لحاظ سے اس کتاب کو انقلاب انگیز نہیں کہا ہے کہ یہ کتاب اسم اعظم ہے جس کو پڑھ کر مسافرین اپنے وطن کو واپس آسکتے ہیں۔ اس لئے "انقلاب انگیز" کا مطلب سمجھنے کے لئے دوسری آیتیں ڈھونڈھنی پڑیں گی۔

اس جستجو میں کچھ آیتیں ایسی بھی ملتی ہیں جن میں انقلاب کے ساتھ خیر اور بھلائی کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔

۱۔ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم

Presented By: https://jafrilibrary.com

ایمانا وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل لم یمسسھم سوء واتبعوا رضوان اللہ واللہ ذو فضل عظیم. (آل عمران رکوع ۱۸)

یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگوں نے اُن سے کہا کہ لوگوں نے تمہارے مقابلے کے واسطے بڑا لشکر جمع کیا ہے پس ان سے ڈرتے رہو تو بجائے خوف کے اُن کا ایمان اور زیادہ ہوگیا اور اُنھوں نے کہا کہ خدا ہمارے واسطے کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے۔ پھر یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ اپنے گھر واپس آئے اور انھیں کوئی برائی چھو بھی نہیں گئی اور وہ خدا کی خوشنودی کے پیرو رہے اور خدا بڑا فضل کرنے والا ہے۔

لیکن دریابادی صاحب اور تجلی والوں کو "انقلاب" کا ان معنوں میں استعمال ہونا گوارا نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی شان نزول اُن کی خواہش نفس کے خلاف ہے۔ مختصر الفاظ میں اس کا واقعہ یہ ہے کہ جنگ اُحد کے بعد جناب رسالت آب صلعم اپنے صرف زخمی اصحاب کو لے کر حکم الٰہی سے ابو سفیان کے تعاقب کے لیئے روانہ ہوئے اور مقام حمراء الاسد پر ٹھہرے ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مقام روحا پر ٹھہرا تھا۔ ابو سعید خزاعی نے رسولؐ صلعم سے اجازت لے کر ابو سفیان سے جا کر کہا کہ حضرتؐ بہت بڑا لشکر لیئے تیرے تعاقب میں آرہے ہیں۔ یہ سن کر ابو سفیان بھاگا۔ نعیم بن مسعود اشجعی۔ مدینہ آتا ہوا اسے ملا ابو سفیان نے اس سے کہا کہ اگر تو محمد کے لشکر میں جا کر کہدے کہ کفار قریش کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ تو میں دس اونٹ کا بار خرما اور خشک انگور تجھے انعام دوں گا۔

جب نعیم یہ خبر لیکر لشکر اسلام میں آیا تو حضرت علی علیہ السلام نے فوراً فرمایا کچھ پرواہ نہیں حسبنا اللہ ونعم الوکیل (خدا ہمارے لیئے کافی ہے اور وہ کیا اچھا کارساز ہے)۔ خدا کو حضرت علیؑ کی یہ بات ایسی پسند آئی کہ قرآن میں اسی قول کی حکایت کردی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اہل سنت میں یہ مضمون ابن مردویہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ اور مناقب

Presented By: https://jafrilibrary.com

ابن شہر آشوب میں بھی یہ واقعہ ابو رافع دنی، اسے مروی ہے

لیکن محمود احمد عباسی، عبد الماجد دریا آبادی اور کار پرداز ان تجلی جو انقلاب لانا چاہتے ہیں وہ اس قرآنی انقلاب سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتا کیونکہ:۔

اولاً تو یہ انقلاب والی آیت علی بن ابی طالبؑ کی مدح پر مشتمل ہے اور "خلافت معاویہ ویزید" میں انھیں علیؑ کی خود ساختہ برائیاں دکھائی گئی ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس آیت میں ابوسفیان کی کیادی، مکاری اور اسلام دشمنی کا پردہ چاک کیا گیا ہے۔ وہی ابوسفیان جو ان حضرات کے ممدوح معاویہ کا باپ اور اُن کے یزید کا دادا تھا اور جس کے "شجرۂ ملعونہ فی القرآن" کو حقانیت کا مرکز بنانے میں یہ حضرات جان توڑ محنت کر رہے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اس آیت میں ان لوگوں کی مدح کی گئی ہے جو زخمی تھے تعداد میں کم تھے اور اُن کو دشمن کی کثیر التعداد فوج کا خوف دلایا گیا پھر بھی انھوں نے اس کی پرواہ نہیں کی اور خدا پر بھروسہ رکھا۔ واقعات کربلا میں اس آیت کے مصداق آپ تلاش کریں تو محمود احمد عباسی کے امیر یزید کا لشکر ابوسفیان کے لشکر کی طرح کثیر اور حسینؑ کا لشکر رسولؐ کے ساتھیوں کی طرح قلیل من عبادی الشکور کا مصداق، زخمی، بھوک پیاس کا ستایا ہوا پھر بھی خدا اور اُس کی رحمتوں پر پوری طرح یقین رکھنے والا نظر آئے گا۔ چونکہ اس آیت میں جن اوصاف کی بنا پر مدح کی گئی ہے وہ حسینؑ ہی کے لشکر میں نظر آتے ہیں اور کتاب "خلافت معاویہ و یزید" علی اور حسین علیہما السلام کی توہین و تنقیص اور اُن کے دشمنوں کی مدح و ثنا میں لکھی گئی ہے اس لیئے اس کتاب کی انقلاب انگیزی اس آیت مبارکہ والے ممدوح اور مستحسن انقلاب سے ماخوذ اور متاثر نہیں ہو سکتی۔

(۲) ایک اور آیت جہاں انقلاب بطور مدح و ثنا استعمال ہوا ہے حسب ذیل ہے۔

یہ وہ موقع ہے جب فرعون کے بلائے ہوئے جادوگر حضرت موسیٰؑ کے عصا کے اعجاز سے متاثر

Presented By: https://jafrilibrary.com

ہو کر راہ راست پر آئے اور کہا کہ آمنا برب موسٰی وھرون (ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے) اُس وقت فرعون نے بہت سے الزام عائد کیے جس میں یہ بھی تھا کہ تم زمین میں فساد پیدا کرنا چاہتے ہو اور حکومت پر قبضہ جمانا چاہتے ہو پھر یہ دھمکی دی جس پر فوراً عملدرآمد بھی کر دیا گیا کہ

لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ثم لاصلبنکم اجمعین قالوا انا الی ربنا منقلبون۔ (سورۂ اعراف رکوع ۱۴)

میں ضرور بالضرور تمہارے ہاتھوں اور پاؤں کو ایک دوسرے کے مقابل طرف سے کاٹ دوں گا پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں گا۔ ان تازہ مومنوں نے کہا بے شک ہم سب اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں یعنی تیرا یہ ظلم ہمیں بارگاہ الٰہی سے قریب تر کر دے گا۔

۲۔ سورۂ شعراء رکوع ۳ میں ان کا یہ قول ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ:۔

لاضیر انا الی ربنا منقلبون۔ (کوئی مضائقہ نہیں ہم لوگ اپنے رب کی طرف پلٹنے والے ہیں۔)

۳۔ سورۂ زخرف میں بھی یہ الفاظ ہیں کہ وانا الی ربنا لمنقلبون۔ لیکن کتاب، خلافت معاویہ ویزید کا انقلاب ان مومن جادوگروں کے انقلاب کا بھی چربہ نہیں بن سکتا کیونکہ

۱۔ سادہ مومنین تعداد میں کم اور ایک عظیم اکثریت ان کے خلاف تھی۔ یہ بات محمود احمد عباسی کے امیر یزید پر صادق نہیں آسکتی۔ حسینؑ اور ان کے ساتھیوں ہی پر صادق آسکتی ہے۔ البتہ یزید فرعون کا پارٹ ادا کرتا ہوا نظر آسکتا ہے۔

۲۔ سادہ مومنین دنیاوی اقتدار سے محروم تھے اور ان کا مقابل انتہائی سطوت وجبروت کا حامل تھا۔ یہ بات بھی یزید پر نہیں بلکہ حسینؑ پر صادق آتی ہے کیونکہ بقول محمود احمد عباسی یزید پر اجماع ہو چکا تھا اور قہر و غلبہ بھی حاصل تھا جبکہ حسینؑ کو ان میں سے کوئی

Presented By: https://jafrilibrary.com

بات حاصل رہتی۔

۲۔ ان مومنین پر فرعون نے یہ الزام عائد کیا تھا کہ وہ زمین میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں اور خود دنیاوی اقتدار اور حکومت حاصل کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ خود قرآن مجید میں اس الزام کا تذکرہ موجود ہے۔

یہ بات یزید پر نہیں بلکہ حسینؑ ہی پر صادق آتی ہے کیونکہ یزید، ابن زیاد اور اُن کے خلف الرشید محمود احمد عباسی اور اُن کے ہمنوا حضرات یہی الزام عائد کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ حسینؑ نے طلب دنیا کے لیئے معاذاللہ فساد برپا کیا تھا اور اُن کا مقصد معاذاللہ صرف اقتدار حاصل کرنا تھا۔

۳۔ ان مومنین پر فرعون نے انتہائی ظلم کیا لیکن انھوں نے ان سب مصائب کو صبر و رضا کے ساتھ قبول کر لیا۔ شہید ہو گئے مگر دین حق سے نہ پھرے۔ یہ بات بھی حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں ہی پر صادق آتی ہے یزید اور اس کے لشکریوں پر نہیں پھبتی جنھوں نے حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں اور اہل حرم و انصار پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے جن کے ذکر سے تاریخ اسلام شرمندہ ہوتی ہے۔

چونکہ اس کتاب کا مقصد حسینؑ کی تنقیص اور یزید کی خود ساختہ عظمت اور شخصی حقانیت کا پروپیگنڈا ہے اور اس آیت مذکورہ بالا کا انقلاب یزید کے حالات کے بالکل مخالف اور سو فیصدی حسینؑ کے حالات سے مطابق ہے اس لیئے میرا خیال ہے کہ نہ تو کارکنان تجلی اور نہ عبدالماجد صاحب دریاآبادی اس کتاب کی انقلاب انگیزی کا کوئی رشتہ ان مومنین قوم فرعون کے انقلاب سے قائم کرنا گوارا کریں گے۔

لیکن یہاں پہنچ کر اب قرآن کی کوئی ایسی آیت باقی نہیں رہی جس میں لفظ "انقلاب" کے ساتھ کوئی مدح کا پہلو وابستہ ہو۔

پھر بھی بہت سی آیتیں ایسی ملتی ہیں جو اس یزیدی انقلاب کی طرف اشارہ کرتی ہوئی نظر آتی ہیں میں چند آیتوں کو اجمالی تشریح کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں:-

۱۔ وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قتل

Presented By: https://jafrilibrary.com

انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئاً۔

(سورۂ آل عمران، رکوع ۱۵)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بس خدا کے ایک رسول ہیں اور ان کے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس کیا اگر یہ (رسالت مآب صلعم) مر گئے یا شہید ہو گئے تو تم لوگ اپنے الٹے پیروں (کفر کی طرف) پلٹ جاؤ گے۔ اور جو شخص اپنے الٹے پیروں (کفر کی طرف) پلٹ جائے گا وہ اللہ کا کبھی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔

شاہ عبد العزیز دہلوی نے ایک مشہور کتاب "سر الشہادتین" لکھی ہے جس میں حضرت حسنین علیہما السلام کی شہادتوں کی آلہی مصلحتوں کی ایسے عارفانہ انداز میں تشریح کی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انھیں کے لئے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کتاب کا بنیادی خیال اور تمام تشریحات کا محور یہ ہے کہ خداوند عالم نے خاتم النبیین صلعم کو وہ تمام کمالات یکجائی طور سے عطا فرمائے تھے جو تمام انبیاء علیہم السلام میں متفرق طور سے پائے جاتے تھے اور بہت سی ایسی فضیلتیں بھی بخشی تھیں جو آپ سے پہلے کسی نبی یا وصی نبی کو نہیں مل تھیں لیکن ایک شرف ایسا تھا جو آنحضرت صلعم کو نہیں ملا اور وہ شرف شہادت ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شہادت یا تو زہر وغیرہ سے پوشیدہ طریقے سے ہوتی یا میدان جنگ میں تلواروں سے شہید ہوتے۔ پوشیدہ شہادت سے شہادت کا کامل درجہ حاصل نہ ہوتا اور اگر آں حضرت میدان جنگ میں شہید ہو جاتے تو شوکت اسلام مضمحل ہو جاتی اور اسلام پر زوال آجاتا۔ وہ لوگ جن کے اسلام میں ضعف تھا مرتد ہو جاتے اور شریعت فنا ہو جاتی (جیسا کہ آیۂ مذکورۂ بالا اسی حالت کی طرف اشارہ کر رہی ہے)

فاقتضت حکمة اللہ تعالیٰ ان یلحق ھذا الکمال العظیم بالرکمالاتہ بعد وفاتہ برجال من اھل بیتہ بل باقرب اقاربہ واعز اولادہ ومن یکون فی حکم ابنائہ حتیٰ یلحق حالھم بحالہ ویندرج کمالھم بکمالہ ۔ ۔ ۔ ۔ فاستنابت الحسنین علیھما السلام مناب جدھما و جعلتھما مرأتین لملاحظتہ وخدین لجمالہ۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

"پس حکمت الٰہی اس کی مقتضی ہوئی کہ شہادت کے اس علم کمال کو رسالت مآب صلعم کے اور دوسرے کمالات میں ان کی وفات کے بعد ان کے اہلبیت میں سے کچھ لوگوں کے ذریعہ ملحق کرے بلکہ ان لوگوں کے ذریعہ جو رسولؐ کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار اور آپ کی اولاد میں سب سے زیادہ پیارے ہوں بلکہ رسولؐ کے بیٹوں کے حکم میں ہوں، (بیٹوں کے برابر ہوں) تاکہ ان کا حال رسولؐ کا حال بن جائے اور ان کا کمال رسولؐ کے کمالات کی فہرست میں مندرج ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس لیئے حکمت خداوندی نے حسن اور حسین علیہما السلام کو ان کے جد امجد رسول کریم صلعم کا قائم مقام بنایا اور ان کو رسول کے دیدار کے لیئے آئینہ اور جمال رسالت کا رخسارہ قرار دیا کہ (کہ ان کے ذریعہ رسولؐ کا کمال اور جمال پایۂ تکمیل تک پہنچا)۔"

"اور چونکہ شہادت دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) شہادت خفی (۲) اور شہادت جلی اس لیئے رسولؐ کے ان دونوں نواسوں میں سے امام حسن علیہ السلام کو شہادت خفی زہر کے ذریعہ حاصل ہوئی اور امام حسینؑ علیہ السلام کو شہادت جلی اپنے پورے شدائد کے ساتھ نصیب ہوئی تاکہ رسول اللہ صلعم کو دونوں قسم کی شہادتوں کا شرف حاصل ہو جائے۔"

شاہ عبدالعزیز دہلوی کے اس ارشاد گرامی سے یہ معلوم ہو گیا کہ حسین کی شہادت دراصل رسولؐ کی شہادت تھی۔ رسول اللہ صلعم کی شہادت کے بعد خداوند عالم لوگوں کو ایک "انقلاب" کی طرف سے اس آیت میں ہوشیار کر رہا ہے کہ کیا اگر رسولؐ شہید ہو جائیں تو تم الٹے پیروں دین جاہلیت کی طرف منقلب ہو جاؤ گے۔ خیر اگر تم ایسا کرو گے بھی تو خدا کا کیا بگڑے گا تم اپنا نقصان کرو گے۔

بہر حال رسولؐ نہ سہی رسولؐ کا قائم مقام اور ان کے کمال کا آئینہ اور جمال کا رخسارہ، رسولؐ کا بیٹا حسینؑ جب رسولؐ کے بدلے شہید ہوا تو کچھ نہ کچھ تو انقلاب آنا چاہیئے تھا زیادہ نہیں تو کچھ لوگوں کو تو الٹے پیروں دین جاہلیت کی طرف پلٹ جانا چاہیئے تھا۔ جناب محمود احمد عباسی اسی "انقلاب" کے "نقیب" ہیں اور لوگوں کو اسی "انقلبتم علی اعقابکم" والے انقلاب کی طرف دعوت دے رہے ہیں اور "مدیر صدق جدید" اس انقلاب انگیزی کا ڈھنڈورا پیٹ کر ان آیات قرآنی

Presented By: https://jafrilibrary.com

کی پیروی پر اعلان کر رہے ہیں اور کارکنان "تحلّی" اولیاءھم الطاغوت یخرجونھم من النور الی الظلمت کا نمونہ پیش کر رہے ہیں۔

۲۔ خداوند عالم نے ایسے ہی داعیانِ انقلاب سے مومنوں کو ہوشیار کیا ہے کہ

یٰٓایھا الذین اٰمنوا ان تطیعوا الذین کفروا یردوکم علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خٰسرین۔ (سورۂ آل عمران رکوع ۱۶)

اے ایمان لانے والو! اگر تم ان لوگوں کی پیروی کرو گے جو کافر ہو گئے (حسینؑ کی شہادت کے بعد الٹے پیروں انقلاب کے دھارے میں بہہ گئے) تو وہ تم کو بھی تمہارے اُلٹے پیروں کفر کی طرف پلٹا لیجائیں گے پس تم میں انقلاب تو آئے گا مگر وہ انقلاب گھاٹے والا ہوگا۔

۳۔ اُلٹے پیروں کفر کی طرف پلٹ جانے والے انقلاب سے اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیتوں میں مومنین کو ہوشیار کیا ہے۔ سورہ مائدہ رکوع ۴ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو ہدایت کر رہے ہیں کہ:

ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خٰسرین۔

دیکھو اپنے اُلٹے پیروں مت پلٹ جانا ورنہ تم گھاٹا اٹھانے والے بن کر پلٹو گے (گھاٹے والا انقلاب تم میں آجائے گا۔)

۴۔ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:

وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القراٰن ونخوفھم فما یزیدھم الا طغیانا کبیرا (سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۶)

یعنی اے رسول ہم نے جو خواب تم کو دکھایا تھا وہ صرف لوگوں کی آزمائش کے لیئے ہے اور وہ خاندان جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (وہ بھی لوگوں کی آزمائش کے لئے ہے) اور ہم ان لوگوں کو ڈراتے ہیں مگر ہمارا یہ ڈرانا صرف ان کی زبردست سرکشی ہی کو بڑھاتا ہے۔

۵۔ تاریخ اسلام، تفسیر اور حدیث وسیر کی مسلم الثبوت حقیقت ہے کہ اس آیت میں جس

Presented By: https://jafrilibrary.com

خواب کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ رسالت مآبؐ نے خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ آں حضرتؐ کے منبر پر بندروں کی طرح اچک رہے ہیں۔ اسلام کی اس تباہی کے منظر سے آں حضرتؐ پر الیسا رنج طاری ہوا کہ پھر آپ کو زندگی بھر کسی نے مسکراتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ خداوند عالم نے رسالتمآب صلعم کو سمجھایا کہ وہ زمانہ لوگوں کی آزمائش کا ہوگا کہ کون سلطنت و اقتدار سے مرعوب ہو کر باطل کی طرف چلا جاتا ہے اور کون حسینؑ ابن علیؑ اور اُن کے ساتھیوں کی طرح ہر قیمت پر حق سے متمسک رہتا ہے۔

تفسیر در منثور جلد ۴ صفحہ ۱۹۱ مطبوعہ مصر میں ہے کہ:۔ ابن جریر نے سہل بن سعد سے، ابن ابی حاتم نے ابن عمر اور یعلیٰ ابن مرہ سے، ابن مردویہ نے امام حسین علیہ السلام اور ابن عباس اور حضرت عائشہ سے، بیہقی نے اور ابن عساکر نے سعید بن مسیب سے متعدد روایتیں لکھی ہیں جن کا ماحصل یہ ہے کہ رسالت مآب نے خواب دیکھا کہ بنی اُمیہ میرے منبر پر اس طرح اُچک رہے ہیں جیسے بندر۔ اور اس خواب کے دیکھنے سے حضرتؐ ایسا غمگین ہوئے کہ پھر عمر بھر نہ ہنسے۔

یہ بھی مسلم ہے کہ الشجرۃ الملعونۃ سے بنی امیہ مراد ہیں اور اُن کے زمانے کو لوگوں کے امتحانِ ایمان کا زمانہ قرار دیا گیا ہے اور خود ان کی بداعمالی اور سرکشی بلکہ "طغیان کبیر" کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے کہ:۔

ونخوفهم فما يزيدهم الا طغيانا كبيرا

میں سمجھتا ہوں کہ محمود احمد عباسی، عبدالماجد دریاآبادی اور اُن کے ہمخیال حضرات کو فخر کرنا چاہیئے کہ بنی امیہ کے دوسرے افراد کو تو خدا نے صرف اجمالاً شجرہ ملعونہ کہہ کر یاد کیا ہے لیکن ان کے ممدوح خاص اور امیر یزید کو اللہ تعالیٰ نے اس کے ناقابل ذکر اعمال کی بنا پر خاص طور سے یاد کیا اور بنی امیہ کے "طغیان کبیر" کا تذکرہ کرتے ہوئے جو الفاظ "فما یزیدھم" استعمال کئے ہیں ان میں یزید کا اسم گرامی بھی موجود ہے۔ وکفی بہ فخراً۔ (بنی امیہ کی شان میں جو دوسری آیتیں نازل ہوئی ہیں ان سب کیلئے میرا مضمون "بنی امیہ قرآن کی نظر میں" پڑھیے۔)

Presented By: https://jafrilibrary.com

بہر حال یہ معلوم ہوا کہ بنی امیہ کا دَور سراسر جور و عظیم سرکشی پر مبنی ہوگا وہ عام طور سے لوگوں کے امتحان اور آزمائش کا زمانہ ہوگا۔

یہ دَور جس کی پیشین گوئی ان آیات میں موجود ہے آیا اور جن کے ایمان کی پختگی پہاڑوں سے بڑھکر تھی انھوں نے سر دھڑ کی بازی لگادی مگر حق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا لیکن کچھ لوگ جن کا ظاہری اسلام قہر و غلبہ اور اقتدار سلطنت پر مبنی تھا اُن کے ڈھول کا پول کھل گیا اُنھوں نے یزید کو امیر المومنین کہا اس کو "رضی اللہ عنہ" اور "رحمۃ اللہ علیہ" کے خطابات سے نوازا اور اسلام حقیقی سے منحرف ہو گئے اور اس انحراف کو اُنھوں نے "انقلاب" کے نام سے موسوم کیا۔ یہ انقلاب کس قسم کا تھا اس کو اوپر ذکر کرچکا ہوں اس کا اصل مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ دین حق کو چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹے ہیں اور دوسروں کو اسی کی دعوت دے رہے ہیں۔ اس کے نقیب محمود احمد عباسی ہیں اور "الدال علی الخیر کفاعلہ" مولوی عبد الماجد دریا آبادی ہیں جنکے ہمنوا کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ ان حضرات کی شان والاشان میں حسب ذیل آیت پوری طرح صادق آتی ہے:-

ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف فان اصابہ خیر اطمأن بہ وان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ خسر الدنیا والاخرۃ ذٰلک ھو الخسران المبین۔ (سورۃ الحج رکوع ۲)

یعنی کچھ لوگ ایسے ہیں جو ایک کنارے پر کھڑے ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں پس اگر کچھ نفع ہوا تو مطمئن ہو گئے اور اگر کسی آزمائش میں مبتلا ہوئے (مثلاً بنی امیہ برسر اقتدار ہو گئے فتنۃ للناس) تو وہ فوراً پیچھے کی طرف پلٹ پڑتے ہیں (ان میں انقلاب آجاتا ہے) یہ دنیا و آخرت دونوں کا گھاٹا ہے اور یہی تو کھلا ہوا گھاٹا ہے۔

ع ایک کافر کا قول نقل کرتے ہوئے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ:-

وما اظن الساعۃ قائمۃ ولئن رددت الی ربی لاجدن خیرا

Presented By: https://jafrilibrary.com

منہا منقلبا" (سورۃ الکہف رکوع ۵)

وہ کافر ایک مومن سے مباحثہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ قیامت کبھی قائم ہوگی اور اگر تیرے کہنے کے مطابق بالفرض پلٹایا بھی گیا میں اپنے رب کے پاس تو دنیا سے اچھی جائے بازگشت وہاں بھی مجھے ملے گی۔

یہ کافر قیامت کا منکر تھا پھر بھی اپنے لیئے ایک اچھے "انقلاب" کی توقع رکھتا تھا یا یوں کہہ دیجئے کہ دعویٰ کرتا تھا۔

یہ صورت حال بھی پوری طرح یزید پر صادق آتی ہے جو دنیا میں ایسا انقلاب لایا تھا کہ پوری شریعت اسلام اور اسلامی اعتقادات کو جڑ سے کھود کر پھینک دینا چاہتا تھا۔ اس کے ملحدانہ اشعار تاریخوں کے صفحات پر قیامت تک باقی رہیں گے جن میں کا ایک شعر یہ ہے کہ ؎

لعبت ہاشم بالملک فلا — خبر جاء ولا وحی نزل

بنی ہاشم نے سلطنت کیلئے ایک کھیل کھیلا تھا — نہ کوئی فرشتہ نازل ہوا تھا نہ کوئی وحی آئی تھی

کس صفائی سے پورے اسلام کا انکار اس ایک شعر میں موجود ہے اس الٹے پیروں دین کفر کی طرف پلٹ جانے والے "انقلاب" کی طرف یزید کی امت "امت محمدیہ" کو دعوت دے رہی ہے۔ اور اس کے بعد بھی اس کافر کی طرح یہ توقع ہے کہ اگر بالفرض قیامت ہوئی بھی تو ہم اس دنیا سے اچھے رہیں گے چنانچہ مکتبہ تجلی کی مطبوعہ چٹھی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"اس کتاب کا مطالعہ اصلاح عقائد کے نقطۂ نظر سے بھی ضروری ہے ...... ایسا نہ ہو کہ اس عظیم صحابی کے بیٹے (معاویہ کے بیٹے) بدگمانیوں کا سرمایہ لے کر آپ خالق اکبر کے حضور میں پہنچیں اور قیامت سے دوچار ہوں۔

ان حضرات کو بنی امیہ کی ہوا خواہی سے قیامت میں بھلائی کی توقع ہے۔ خدا سے دعا کیجئے اور صدق دل سے کہیئے کہ خدا ان حضرات کا حشر ان کے امیر یزید کے ساتھ کرے" یوم ندعوا

Presented By: https://jafrilibrary.com

کل اناس بامامھم"

ملا یزید نے حسینؑ اور اُن کے انصار و اہلبیت پر جو مظالم ڈھائے اس کا ہلکا سا خاکہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کی "سر الشہادتین" کے ان فقرات سے ہوگا کہ حسینؑ کے ذریعے رسولؐ کو جو شہادت کا شرف حاصل ہوا وہ سب سے زیادہ مکمل تھا۔

لان تمام الشھادة ان یقتل الرجل فی الغربة والکربة وان یعقر جوادہ ویلقی جثته مطروحة ویقتل حوله جمع کثیر من اعزة اصحابه واقاربه وان ینھب ماله وان توسر نسائه وایتامه کل ذالك فی ذات الله۔

کیونکہ شہادت کا آخری درجہ یہ ہے کہ انسان غربت و مسافرت میں انتہائی کرب و اذیت سے شہید کیا جائے۔ اس کا گھوڑا پے کر دیا جائے اس کی لاش بے گور و کفن پڑی ہو۔ اور اس کے سامنے اس کے پیارے، ساتھیوں اور عزیزوں کی ایک بڑی جماعت قتل کر دی جائے۔ اس کا سامان لوٹ لیا جائے اس کی عورتیں اور یتیم بچے اسیر کر لئے جائیں اور یہ ساری مصیبتیں وہ صرف خدا کی ذات کے لیئے برداشت کرے۔

یزید اور اس کی فوج نے یہ سب مظالم حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں پر توڑے اگرچہ ان کو اور اُن کی آج کل کی امت کو یہ توقع ہے کہ لئن رددت الی ربی لاجدن خیرا منھا منقلباً۔ اگر بالفرض میں اپنے رب کی طرف پلٹا یا بھی گیا تو بھی اس دنیا سے اچھا ہی رہوں گا یہاں سے اچھی جائے بازگشت (جائے انقلاب) وہاں مجھے ملے گی ____ لیکن خداوند عالم اُن لوگوں کی تمناؤں کے جواب میں دو ٹوک فیصلہ سناتا ہے کہ وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون (سورۃ الشعراء رکوع ۱۱) عنقریب جان لیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کیسے ٹھکانے کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔

یہ آیۂ کریمہ تقریباً ہر ذاکر مجلس کے بعد پڑھتا ہے اور اُس کو خاتمۂ بیان قرار دیتا ہے

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس لیے میں بھی اس کو اپنے مضمون کا خاتمہ قرار دیتا ہوں ــــــــــ ہمارا مجلسوں کے بعد اس آیت کو پڑھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ یزید ایک انقلاب کی دعوت دے رہا تھا اور وہ انقلاب دنیا سے لیکر آخرت تک پر محیط تھا جیسا کہ گذشتہ آیتوں سے معلوم ہوا۔

دنیا میں اس انقلاب کی صورت یہ تھی کہ امت مسلمہ اُلٹے پیروں کفر کی طرف پلٹ جائے توحید، نبوت اور قیامت کی منکر ہو جائے اور آخرت میں اس انقلاب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ خود دیکھ لیں گے کہ کس ٹھکانے (منقلب) اُن کو ہنکایا جا رہا ہے اور یہ کدھر منقلب ہو رہے ہیں یقیناً وہ ٹھکانا جہنم ہوگا

(ساءت منقلباً) اور وہ بہت بُری پلٹنے کی جگہ ہے۔

بہرحال میرے اس مضمون سے واضح ہو گیا ہوگا کہ تجلی اور دریا آبادی صاحب کا یہ فرمانا بالکل صحیح ہے کہ یہ کتاب "انقلاب انگیز فکر پیش کرتی ہے" ــــــــــ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اس کا انقلاب پستی سے بلندی کی طرف یا ظلمت سے نور کی طرف نہیں بلکہ بلندی سے پستی اور دین سے کفر کی جانب ہے۔ لیکن اللہ کا خوف دل سے نکال دو تو یہ فرق کوئی قابل لحاظ فرق نہیں ہے۔

(نوٹ: یہاں یہ ذکر کر دینا ضروری ہے کہ جب علمائے محققین اہل سنت نے محمود احمد عباسی کی کتاب کے بخئے اُدھیڑ کر رکھ دیئے اور معاویہ و یزید کے خدوخال بڑی حد تک نظروں کے سامنے آ گئے تو مدیر "تجلی" نے اپنے سابق موقف سے توبہ کی اور حمایت یزید سے دستکش ہو گئے۔ یہ ان کی یہ حق پسندی اور اخلاقی جرأت قابل صد تحسین ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

بسمہ تعالیٰ

امام حسین علیہ السّلام کی شہادت اور ہجری اور یہودی کلنڈر

نوٹ :- یہ مضمون ، جو مندرجہ بالا موضوع پر چند یادداشتوں کا مجموعہ ہے ۔ انگریزی میں رسالہ "الصراط" (ALSERAT) لندن (نومبر ۱۹۸۰ء محرم ۱۴۰۱ھ) میں شایع ہوا تھا اور اس کا اردو ترجمہ رضا کار (لاہور) کی ۱۶ ؍ اور ۲۴ ؍ مارچ ۱۹۸۱ء کی اشاعتوں میں چھپا تھا ۔ اب وہ ترجمہ ، ضروری ترمیم کے ساتھ ، اس مجموعہ میں شامل کیا جارہا ہے ۔

*

(۱)

۱۴۰۰ھ ہجری ختم ہونے کو آیا ۔ گذشتہ دو سال بلکہ کچھ زیادہ عرصے سے بے اندازہ وقت ، دولت اور صلاحیت چودھویں صدی کے خاتمہ اور پندرہویں صدی کے استقبال کی تقریبات پر صرف کی جارہی ہے ۔ سیمنار منعقد ہو رہے ہیں ، مضامین لکھے جارہے ہیں ، کتابچے نشر کئے جارہے ہیں ، ڈاک کے ٹکٹ جاری کئے گئے ہیں ۔ بے شمار چھوٹے بڑے تمغے ، میڈل ۔ اور دوسری علامتی ارائیں بنائی اور فروخت کی جارہی ہیں تاکہ اس اہم موقع کی یادگار شایان شان طریقے سے منائی جاسکے ۔ انتہا یہ ہے کہ وہابی حضرات کو بھی اس امر سے کوئی پریشانی نہیں ہے کہ یہ تقریبات ...... جو پٹرول کی دولت کے بل پر انکے

Presented By: https://jafrilibrary.com

مذہبی رہنماؤں کی عملی ہمت افزائی سے منعقد ہو رہی ہیں ـــــ ایک ایسی بدعت، جس سے دس سال پہلے کے بھی مسلمان واقف نہ تھے۔

یہ تقریبات نظری نتیجہ ہیں اس رسم کا جو آج سے تقریباً ایک صدی پہلے جاری ہوئی تھی جبکہ مغربی استعمار نے مشرق وسطیٰ میں اپنے قدم مضبوطی سے جما لئے تھے۔ مصر اور چند دوسرے ملکوں کے مسلمانوں نے اپنے آقاؤں کی دیکھا دیکھی ایک (اسلامی) "سال نو" یکم محرم کو منانا شروع کیا اور اس طرح اسلام میں ایک نئی تقریب کا اضافہ کر دیا۔

بہر حال چودھویں صدی کی رخصت اور پندرہویں صدی کے استقبال کی ان تقریبات کیلئے بطور استحسان بہت سی وجہیں بیان کی جا رہی ہیں۔ یہ دعوی کیا گیا ہے کہ ان تقریبات کا مقصد یہ ہے کہ اسلام نے انسانیت کو جس طرح تابناک بنایا ہے اس کا جائزہ لیا جائے۔ مسلمانوں نے مختلف علوم و فنون میں جو خدمتیں انجام دی ہیں اور انسانی معاشرہ کو بلند کرنے میں جو کردار ادا کیا ہے اس کو اجاگر کیا جائے، گذشتہ ناکامیوں اور کامیابیوں پر تنقیدی نظر ڈالی جائے اور آئندہ کیلئے نیا لائحہ عمل مرتب کیا جائے۔

خیالات بہت اعلیٰ ہیں، اور کوئی شخص بھی ان مقاصد کی صحت اور درستی سے انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ سب بلند آہنگ دعوے اس حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکتے کہ یہ تقریب بدعت ہے۔ اور اگر یہ قابل تحسین اغراض و مقاصد اس بدعت کو جائز کر سکتے ہیں تو پھر مجھے وہابی حضرات سے یہ پوچھنے کا حق ہے کہ وہ لوگ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی یادگار کو بدعت کہہ کر کیوں ناجائز اور قابل مذمت قرار دیتے ہیں۔ کیا بعینہٖ انھیں دلایل کی بنا پر امام حسین علیہ السلام کی عزاداری کو مستحسن نہیں کہا جا سکتا؟

امام حسین علیہ السلام کی عدیم النظیر قربانی کی یاد مسلمانوں کے کردار کو بلند کرتی ہے، ان کو نیکی اور تقویٰ کی شاہراہ پر ثابت قدم رکھتی ہے اور ان کے اندر یہ جذبہ پیدا کر دیتی ہے کہ اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیں۔ عزاداری، عزاداروں کو ان کی ایک سال کی کامیابیوں

اور ناکامیوں کا تنقیدی جائزہ لینے کے مواقع فراہم کرتی ہے اور آئندہ کیلئے مذہبی، روحانی اور معاشرتی ارتقا کا لائحہ عمل مرتب کرنے میں مدد دیتی ہے۔

انسان اگر ایک اصول کو اپنائے تو پھر اسے ہر جگہ بے رو رعایت یکساں طور پر برتنا چاہیئے۔ ہے کہ نہیں!

(۲)

ممکن ہے کہ کسی کو اوپر کے بیان سے غلط فہمی پیدا ہو جائے اس لئے اتنا واضح کر دینا ضروری ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری ہرگز ہرگز بدعت نہیں ہے۔ رسول اسلام صلعم نے اسے بہ نفس نفیس واقعہ کربلا سے پچاس برس پہلے قائم کیا۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بروز شہادت (۱۰ محرم ۶۱ھ) رسول اقدس صلعم کو خواب میں عزائے حسین میں مصروف دیکھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتوں کو اس امر پر مامور فرمایا کہ وہ تا قیام قیامت قبر حسین پر گریہ کرتے رہیں۔ یہ سب واقعات برادران اہل سنت کی مستند کتابوں میں مرقوم ہیں اور ان سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امام حسین علیہ السلام کی عزاداری رسول اسلام صلعم کی سنت اور فرشتگان الٰہی کا طریقہ ہے۔ (مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو میرا مضمون "عزاداری سید الشہداء اسلامی نقطۂ نظر سے" جو اسی مجموعہ میں شامل ہے۔)

(۳)

شہادت حسین کی عظمت کی ایک مزید علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ وہ اس دن کو یوم غم قرار دیں جس دن ان کے کلنڈر کے مطابق شہادت حسین واقع ہونے والی تھی۔ اس حکم پر مزید تاکید یہ تھی کہ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا وہ اپنی قوم سے کٹ جائے گا۔

> "اور خداوند نے موسیٰ سے کہا بنی اسرائیل سے کہہ کہ ساتویں مہینے کی پہلی تاریخ تمہارے لئے خاص آرام کا دن ہو۔ . . . . . اور خداوند نے موسیٰ سے کہا اسی ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو کفارہ کا دن ہے۔ اس روز تمہارا مقدس مجمع ہو اور تم اپنی جانوں کو دکھ دینا اور خداوند کے حضور آتشیں قربانی گذراننا تم اس دن کسی طرح کا کام نہ کرنا کیونکہ وہ کفارہ کا دن ہے جس میں خداوند تمہارے خدا کے حضور تمہارے لئے کفارہ دیا جائے گا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

جو شخص اس دن اپنی جان کو دکھ نہ دے وہ اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے گا۔ اور
جو شخص اس دن کسی طرح کا کام کرے اسے میں اس کے لوگوں میں سے فنا کر دوں گا۔
تم کسی طرح کا کام مت کرنا۔ تمہاری سب سکونت گاہوں میں پشت در پشت سدا یہی آئین
رہے گا۔ یہ تمہارے لئے خاص آرام کا سبت ہو۔ اس میں تم اپنی جانوں کو دکھ دینا۔
تم اس مہینے کی نویں تاریخ کی شام سے دوسری شام تک اپنا سبت ماننا۔"
(احبار۔ باب ۲۳۔ آیت ۲۷ تا ۳۲)

یہی حکم بالاختصار احبار باب ۱۶، آیت ۲۹ تا ۳۴ میں مذکور ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر یہاں پر یہودی کلنڈر کے چند تفصیلات پیش کر دیے جائیں تاکہ ساتویں مہینے کے دسویں دن کا مفہوم پوری طرح سامنے آجائے۔

۱۔ یہودی سال قمری حساب پر مبنی تھا اور ہے۔ لیکن اسکو شمسی سال سے ہم آہنگ رکھنے کیلئے ۱۹ (انیس) سال کے ایک دورہ میں سات بار ایک تیرہویں مہینے "ویادار" Veadar کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ سال کی ابتداء "ابیب" (یعنی نیسان) کے مہینے سے ہوتی تھی۔ یہ مہینہ اعتدال ربیع (یعنی آجکل کے حساب سے ۲۱ مارچ) کے قبل یا بعد جو قریب ترین نیا چاند طلوع ہوتا تھا اس سے شروع ہوتا تھا۔

۲۔ اسلام کے بہت پہلے عرب بھی اسی طریقہ کی پیروی کرتے تھے اور اسی طرح وقتاً فوقتاً ایک تیرہویں مہینے کا اضافہ کرتے رہتے تھے۔ (اس طریقہ کو "نسی" کہا جاتا تھا) ماہ رجب یہودیوں کے ابیب (یا نیسان) کے مطابق شروع ہوتا تھا۔ عربوں کے "نئے چاند" کی تقریبات میں سب سے اہم وہ تہوار تھا جو ماہ رجب میں منایا جاتا تھا، جو یہودیوں کے ماہ ابیب کے مطابق ہوتا تھا کیونکہ یہی وہ وقت تھا جب قدیم عرب فصل بہار کا جشن مناتے تھے۔" (ملاحظہ ہو Hebrew Religion By W.D.E. Oesterly and Theodore H. Robinson - شائع کردہ :- S.P.C.K. لندن سنہ ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۲۸

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس حساب سے یہودیوں کا ساتواں مہینہ عربوں کے محرم سے مطابق ہوتا تھا۔ اس ساتویں مہینے کا نام قدیم عبرانی میں ایتانیم Ethanim تھا۔ اب اسے تشری اول Tishri I کہا جاتا ہے۔ چونکہ پہلا مہینہ اعتدال ربیعی (۲۱ مارچ) کے قریب شروع ہوتا تھا اس لئے ساتواں مہینہ لازمی طور سے ستمبر اکتوبر میں پڑتا تھا۔

۳۔ جلاوطنی کے کچھ عرصہ بعد یہودیوں نے سال کی ابتدا ابیب (یعنی نیسان) کے بجائے ساتویں مہینے سے کر دی۔ اب تشری اول ان کا پہلا مہینہ ہے۔ لیکن پہلی، نویں اور دسویں تاریخ کے روزہ اور غم منانے کا طریقہ اب بھی پرانے حساب سے ہی چلتا ہے یعنی صرف اس مقصد کیلئے تشری اول کو پہلا نہیں، بلکہ حسب دستور قدیم، اب بھی ساتواں مہینہ سمجھا جاتا ہے۔ کفارہ کا دن (Yom — Hakippurim یا یوم الکفارہ) اب بھی تشری اول کی ہی دسویں تاریخ ہے۔

(۱۹۷۳ء میں دنیا یوم الکفارہ یا Yom Kippur کی اصطلاح سے اچھی طرح روشناس ہو گئی جب مصر نے اسرائیل کے خلاف جنگ چھیڑنے کیلئے اس دن کا انتخاب کیا اور اس طرح اسرائیلیوں کو حالت غفلت میں جا لیا کیونکہ سب یہودی اس دن روزہ اور عبادت میں مصروف تھے۔)

۴۔ لیکن ۱۹۷۳ء کا یوم الکفارہ محرم میں نہیں بلکہ رمضان میں پڑا تھا۔ اس کا سبب کیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ شروع شروع میں تو حضرت ابراہیم کی ذریت کی دونوں شاخیں (یہودی اور عرب) ایک ہی حساب سے تیرہویں مہینے کا اضافہ کرتی تھیں لیکن بعد میں یہ ہم آہنگی ختم ہو گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودی تو ریاضی حساب سے ایک معین قاعدہ کے مطابق ۱۹ سال کے ایک دورہ میں، بار تیرہویں مہینے کا اضافہ کرتے تھے لیکن عربوں نے رفتہ رفتہ اسے قبائل کی جنگی مصلحتوں کے تابع بنا دیا۔ یہ بے راہ روی ظہور اسلام سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی۔ چنانچہ سنہ ہجری کا محرم تشری اول (یعنی ستمبر اکتوبر) کے مہینوں پہلے ۵ رجولائی کو شروع ہوا تھا (ملاحظہ ہو المنجد طبع بست و یکم)

۵۔ اسلام آیا اور ۹ہجری میں تیرہویں مہینے کے اضافہ کا سسٹم ختم کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ

Presented By: https://jafrilibrary.com

قرآن مجید میں فرماتا ہے، "بے شک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک بارہ ہے ... نسئی (یعنی ایک مہینہ کا اضافہ کر کے باقی مہینوں کو تاخیر میں ڈال دینا) کفر کی زیادتی ہے۔" (سورۃ التوبہ۔ آیت ۳۷-۳۸)
اس طرح اسلامی سال کا شمسی سال سے اور موسموں سے کوئی لگاؤ باقی نہ رہا۔ قمری سال شمسی سال سے دس گیارہ دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اس لئے قمری مہینے ۳۳ سال میں ہر موسم کا ایک دورہ مکمل کر لیتے ہیں۔
بہرحال اس تفاوت کے نتیجے میں ۶۱ھ ہجری کا محرم ایک بار پھر تشری اول کے ساتھ شروع ہوا۔ اور دسویں محرم، شہادت امام حسین علیہ السلام کا دن، تشری اول کی دسویں تاریخ تھی۔ یعنی وہ بنی اسرائیل کا یوم الکفارہ تھا اور وہ اس دن روزہ اور دوسری عبادتوں میں مصروف تھے۔
اس طرح یوم الکفارہ کی مطابقت دسویں محرم کے ساتھ پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ ابتداً یوم الکفارہ عاشورائے محرم سے مطابق ہوا کرتا تھا بلکہ جس عاشورا کو امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی وہ حقیقتاً یوم الکفارہ تھا۔

یہودیوں کے مہینوں اور سال کے تفصیلات
The Westminster Dictionary of the Bible)
(John. D. Davis and Henry S. Gehman)
کے مختلف مقامات سے لئے گئے ہیں۔ محرم ۶۱ھ اور تشری اول کے تطابق کیلئے دیکھئے المنجد طبع بست ویکم جس میں ہجری اور شمسی مہینوں کے تطابق کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

(۴)

میں نے تین سال قبل اپنے دوست پروفیسر نوئل کنگ (Noel Q. King) کیلیفورنیا یونیورسٹی (ریاستہائے متحدہ امریکہ) سے توریت کے اس حکم کے متعلق گفتگو کی۔ میں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ چونکہ بظاہر تشری اول کو یہودیت کی تاریخ میں کوئی خاص اہم واقعہ رونما نہیں ہوا تھا اسلئے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ اس روز اپنی جانوں کو دکھ دینے کا حکم شہادت امام حسین علیہ السلام کی پیشین گوئی تھی۔ پروفیسر صاحب موصوف نے اپنے ڈپارٹمنٹ کے یہودی پروفیسر ڈاکٹر Mishael Masswari Caspi کو میرے خیالات سے آگاہ کیا۔ موخرالذکر نے مجھے ۲۰ مارچ ۱۹۷۸ء کو خط لکھا

Presented By: https://jafrilibrary.com

اور اس موضوع سے متعلق انھوں نے جو کچھ تحریر فرمایا اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

"اگر ۱۰ محرم اور یوم کفارہ میں کوئی تعلق ہے تو یہ محض اتفاق نہیں ہے بلکہ یہ اس امر کو بتاکید ظاہر کرتا ہے کہ ہم لوگ واقعی ایک دوسرے سے قریب ہیں۔"

موصوف نے اس بات سے اتفاق کیا کہ "احبار باب ۲۳ اور احبار باب ۱۶ میں کسی تاریخی پہلو پر کوئی زور نہیں دیا گیا ہے۔ نہ ہی کوئی تاریخی تعلق Tractata Yoma میں ظاہر کیا گیا ہے جس میں یوم کفارہ کے بہت سے تفصیلات دیئے گئے ہیں۔"

موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ کسی تاریخی واقعہ سے کوئی لگاؤ نہیں ملتا (اور) روحانی اور مذہبی پہلوؤں پر انتہائی زور دیا گیا ہے توراۃ میں بھی اور تالمود میں بھی۔ لیکن مدراش تحریروں میں (مدراش تنخوما) اس مقدس دن کا رشتہ توراۃ کی الواح کو طور سینا سے لے آنے سے جوڑا گیا ہے۔"

بہرحال چونکہ توراۃ اور Tractata Yoma دونوں کسی تاریخی واقعہ کے ارتباط کے ذکر سے خاموش ہیں اسلئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مدراش تنخوما (Midrash Tanhuma) میں جس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے اس کا (بحیثیت ایک تاریخی واقعہ کے) کوئی تعلق اس حکم الٰہی سے نہیں تھا ورنہ کہیں تو اس کا اشارہ ملتا۔ جیسا کہ ڈاکٹر Maswari Caspi نے لکھا ہے اس حکم پر روحانی اور مذہبی پہلوؤں کا اثر غالب ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا توریت لے کر آنا نہ بحیثیت تاریخ، بلکہ بحیثیت ایک عظیم روحانی واقعہ کے، اس حکم کا ایک روحانی پہلو ہو سکتا ہے۔ اور اسی طرح شہادت حسینؑ کی پیشین گوئی اس حکم کا ایک دوسرا روحانی سبب ہو سکتا ہے ـــــ نہ اس حیثیت سے کہ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا بلکہ اس لئے کہ یہ ایک روحانی منارۂ ہدایت تھا۔

۵

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کے واقعات میں اکثر سنہ کی تعیین میں مختلف روایتوں میں ایک سال کا فرق نظر آتا ہے۔ یہ فرق ان واقعات میں اور زیادہ نمایاں نظر آتا ہے جو محرم یا صفر میں رونما ہوئے ہوں۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

مثلاً امام حسین علیہ السلام کی شہادت ۱۰ محرم کو سنہ ۶۰ھ میں بھی بیان کی جاتی ہے اور سنہ ۶۱ھ میں بھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک سال کا فرق نہیں ہے۔ دونوں طرح کے راوی ایک ہی محرم کی بات کرتے ہیں۔ ایک گروہ اسے سنہ ۶۰ھ کہتا ہے اور دوسرا اسی کو سنہ ۶۱ھ کہتا ہے۔ یہ الجھاؤ کیوں پیدا ہوتا ہے۔ بہ ظاہر اس کا سبب حسب ذیل ہے۔

یہ اوپر لکھا جا چکا ہے کہ قدیم زمانہ میں عربوں کے مہینے یہودیوں کے مہینوں کے مطابق ہوتے تھے اور محرم تشری اول سے تطابق رکھتا تھا۔ جو اس وقت یہودیوں کا پہلا مہینہ بن چکا تھا۔ جب حضرت رسالت مآب صلعم نے ہجرت فرمائی اور ۱۲ ربیع الاول کو مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود آنحضرت صلعم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں نے اسلامی کلنڈر شروع کیا۔ پہلے وہ یہ کہتے تھے کہ فلاں واقعہ ہجرت کے اتنے مہینہ بعد ہوا۔ یہ طریقہ جاری رہا "یہاں تک کہ ایک سال پورا ہو گیا"۔ تب انھوں نے کہنا شروع کیا کہ فلاں واقعہ ہجرت کے پہلے سال میں ہوا یا دوسرے میں۔ وعلی ہذا القیاس۔ اس طرح ہجری سنہ کا آغاز ہوا۔

اس مضمون کی روایتیں تاریخ طبری PRIMA SERIES E.J. BRILL LADEN طبع ۱۸۸۱-۱۸۸۲ کی جلد سوم (صفحہ ۱۲۵۱) میں ابن شہاب، ابن عباس، اور عمرو بن دینار سے۔ اور جلد پنجم (صفحہ ۲۴۸۰) میں ابن عباس سے مروی ہیں۔

"یہاں تک کہ ایک سال پورا ہو گیا" اس فقرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہجری سال ربیع الاول سے شروع ہوا اور صفر پر ختم ہوا۔

دوسری روایتیں یہ بتاتی ہیں کہ ہجری سنہ خلافت ثانیہ کے دور میں سنہ ۱۶ ہجری میں جاری کیا گیا۔ یہ روایتیں بھی اوپر دیئے ہوئے دونوں مقامات پر ملیں گی۔ سعید بن المسیب (متوفی سنہ ۹۴ ہجری) کے بیان کے مطابق حضرت عمر نے لوگوں کو جمع کیا اور پوچھا کہ "ہم کس دن سے (تاریخ) لکھنا شروع کریں؟" حضرت علی نے کہا، جس دن سے رسول اللہ صلعم نے ہجرت کی اور سرزمین شرک کو چھوڑا۔" چنانچہ حضرت عمر نے ایسا ہی کیا۔

رسول اللہ صلعم نے جس دن مکہ چھوڑا وہ ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی (سفینۃ البحار جلد دوم صفحہ ۶۹۶)

Presented By: https://jafrilibrary.com

اگر پہلے بیانات صحیح ہیں تو مسلمانوں نے بحکم رسالت مآب صلعم اپنا سال ربیع الاول سے شروع کیا تھا اور اگر دوسرا بیان صحیح ہے تو بھی حضرت علیؑ نے ربیع الاول کی پہلی سے سال شروع کرنے کا مشورہ دیا تھا اور حضرت عمر نے اسے قبول کر لیا تھا۔

لیکن عربوں کو زمانہ جاہلیت سے محرم سے سال شروع کرنے کی عادت تھی اور پرانی عادت مشکل ہی سے چھوٹتی ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے لوگ محرم ہی سے سال کی ابتدا کرتے رہے۔ "پرانی عادت" کے علاوہ محرم سے ہجری سنہ شروع کرنے کی کوئی معقول وجہ پیش نہیں کی جا سکتی ظاہر ہے کہ ماہ محرم کو ہجرت نبوی سے کوئی لگاؤ نہیں تھا اور اسلامی سال ہجرت ہی پر مبنی ہے۔

ویسے اسی تاریخ طبری میں محمد بن سیرین (متوفی ۱۱۰ ہجری) سے یہ بیان منسوب ہے کہ مسلمانوں نے (حضرت عمر کے مذکورہ بالا جلسہ میں) بحث و تمحیص کے بعد محرم سے سال کی ابتدا پر اجماع کر لیا۔

سعید بن المسیب اور محمد بن سیرین دونوں تابعی تھے۔ لیکن محدثین کے نزدیک دونوں کے درجہ اعتبار میں فرق ہے۔ سعید بن المسیب سید التابعین کہے جاتے ہیں اور ان کے مراسیل کو مسند روایتوں کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے اور خود ان کو راویوں کے تیسرے طبقہ کا سرگروہ سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ محمد بن سیرین کو چوتھے طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ اسلئے اگر ان کا قول سعید بن المسیب کے قول سے ٹکرائے تو اسے کوئی محدث قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوگا۔ بظاہر ابن سیرین کے بیان کی غرض یہ ہے کہ جو طریقہ ان کے وقت تک پورے عالم اسلام میں رائج ہو چکا تھا اس کے لئے ایک وجہ جواز پیدا کر لی جائے۔

بہرحال اس ابتدائی دور میں جو لوگ ربیع الاول سے سال شروع کرتے تھے ان کیلئے ماہ محرم جاری سنہ کا گیارہواں مہینہ تھا اور جو لوگ محرم سے سال کی ابتدا کرتے تھے ان کے لئے وہ نئے سال کا پہلا مہینہ ہوتا تھا۔ اس لئے پہلے گروہ کے حساب سے امام حسین علیہ السلام جب محرم میں شہید ہوئے وہ ۶۰ ہجری کا گیارہواں مہینہ تھا اور دوسرے گروہ کے نزدیک وہی محرم ۶۱ ہجری کا پہلا مہینہ تھا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

صومِ عاشوراء

اہل سنت کے یہاں یہ روایت ملتی ہے کہ جب رسول اللہ صلعم مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کر یہودی عاشور کے دن روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے اس کا سبب پوچھا تو ان لوگوں نے جواب دیا، "یہ مبارک دن ہے۔ یہ وہ دن ہے جب اللہ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (یعنی فرعون) سے نجات دی اور اس بنا پر موسیٰ نے اس دن روزہ رکھا"۔ رسول نے فرمایا: "میں تم سے زیادہ موسیٰ سے لگاؤ رکھتا ہوں"۔ لہٰذا آپ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور اس کے روزہ کا حکم (مسلمانوں کو) دیا۔

حوالہ کیلئے ملاحظہ ہو،

(۱) صحیح بخاری۔ الجزء الثالث (شائع کردہ مکتبۃ الجمہوریۃ العربیہ مصر) کتاب الصوم باب صیام یوم عاشوراء، صـ۵۴

(۲) مشکوۃ المصابیح۔ (مطبوعہ مطبع فاروقی۔ دہلی ۱۳۰۷ھ ہجری) کتاب الصوم۔ باب صیام التطوع ــ الفصل الثالث صـ۱۷۲

(۳) جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد۔ الجزء الاول (المدینۃ المنورۃ ۱۳۸۱ھ صـ۴۲۲ تا صـ۴۲۲۔ احادیث نمبر ۲۹۸۷ تا نمبر ۲۹۹۰

وغیرہ وغیرہ

مشکوۃ المصابیح میں اس حدیث کو "متفق علیہ" لکھا ہے اور محشی نے بین السطور یہ نوٹ لکھا ہے کہ "یہ واقعہ سنہ ۲ ہجری کے محرم کا ہے کیونکہ پہلے سال تو رسول اللہ صلعم مدینہ میں عاشوراء کے بعد (یعنی) ربیع الاول میں وارد ہوئے تھے"

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس روزہ کی اہمیت کتنی سمجھی جاتی ہے اس کا اندازہ صحیح بخاری اور جمع الفوائد کی مندرجہ ذیل روایت سے ہو سکتا ہے۔

"نبی صلعم نے (قبیلہ) اسلم کے ایک آدمی کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ جس نے آج کچھ کھالیا ہے وہ (دن کے) باقی حصہ کا روزہ رکھے اور جس نے ابھی کھایا نہیں ہے وہ (پورے دن کا) روزہ رکھے کیونکہ آج عاشورا ہے۔"

اسی سال ماہ رمضان کا روزہ واجب ہوا اور دوسری حدیثوں کے مطابق عاشورا کے روزہ کا وجوب ختم ہو گیا۔ لیکن اس کے باوجود ایک سنتی روزہ کی حیثیت سے اسے بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

آیئے ان حدیثوں پر ایک تنقیدی نظر ڈالیں،

اوّل یہ کہ یہودیوں کے پاس اپنا ایک کلنڈر تھا، ان کے اپنے مہینے تھے۔ یہ بات بالکل بے معنی ہے کہ وہ "۱۰ محرم" کو روزہ رکھتے تھے ــــ جب تک یہ نہ دکھایا جائے کہ محرم کی دسویں تاریخ ہمیشہ ان کے کسی روزہ کی تاریخ سے مطابق ہوتی تھی۔

"ہجری اور یہودی کلنڈر" کے موضوع پر میرے گذشتہ مضمون میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اگرچہ بہت ہی قدیم زمانہ میں ۱۰ محرم یہودیوں کے یوم الکفارہ سے مطابق ہوتا تھا لیکن طلوع اسلام کے وقت تک دونوں کلنڈروں کی ہم آہنگی ختم ہو چکی تھی۔ ۲ھ ہجری میں (جس سال کا یہ قصہ بیان کیا جاتا ہے) محرم تشری اول (یعنی ستمبر۔ اکتوبر) کے بجائے ۵ رجولائی سے شروع ہوا تھا اور اُس وقت (بلکہ حیات رسول کے آخری دنوں تک) کسی بھی یہودی روزہ سے ماہ محرم کی مطابقت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ۱۰ محرم کی یہودیوں کے لئے کوئی اہمیت ثابت کی جا سکتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہودیوں نے اس دن کون سا روزہ رکھا تھا؟

دوئم، گذشتہ مضمون میں یہودی پروفیسر MISHAL MASWARI CASPI

Presented By: https://jafrilibrary.com

کے خط کے حوالے سے یہ بات ظاہر کی جاچکی ہے کہ یہودی مذہبی کتاب "بدایش تخوما" کے مطابق ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام توراۃ کے الواح طور سینا سے لائے تھے، اور یہ کہ اس دن کے عبادات اور اس کی اہمیت اسی واقعہ پر مبنی ہے۔

سوال یہ ہے کہ، اگر عہد رسول کے یہودی، ارمحرم کو روزہ رکھنا ہی چاہتے تھے تو انھوں نے اس اہم واقعہ کو کیوں فراموش کر دیا؟ انھوں نے یہ کیوں نہ کہا کہ اگرچہ اب، ارمحرم، ارتشری اول کے ساتھ نہیں پڑتا لیکن ہمارے ابتدائی دور میں یہ دونوں تاریخیں ایک ساتھ پڑتی تھیں اس لئے ہم ارمحرم کا بھی احترام کرتے ہیں اور اس دن بھی روزہ رکھتے ہیں؟

سوم، جو واقعہ ماہ محرم سے منسوب کیا گیا ہے (یعنی بنی اسرائیل کا فرعون سے نجات پانا) وہ محرم میں نہیں بلکہ رجب میں ظہور پذیر ہوا تھا (یعنی ابیب میں) حوالہ کیلئے خود توراۃ کا یہ بیان ملاحظہ ہو: "ابیب کے مہینے کا احترام کر اور خداوند اپنے خدا کیلئے عید فسح منا کیونکہ ابیب کے مہینہ میں خداوند تمہارا خدا تمہیں رات کے وقت مصر سے باہر نکال لایا" (کتاب استثنار۔ باب ۱۶ آیت ۱)

سوال یہ ہے کہ یہودیوں نے اگر واقعی، ارمحرم کو روزہ رکھا بھی تھا تو بھی انھوں نے ابیب یعنی رجب میں رونما ہونے والے واقعہ کو محرم سے کیسے منسوب کر دیا؟ انھوں نے ایسا جواب کیوں دیا جو صریحاً ان کی توراۃ کے مخالف تھا؟

اور آخر میں مسلمانوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ رسول مقبول صلعم ایک ایسی شریعت لے کر آئے تھے جو تمام پچھلی شریعتوں کی ناسخ تھی، ایسا دین لائے تھے جس نے تمام ادیان پر خط نسخ کھینچ دیا۔ ایسا رسول کیونکر اس بات کو پسند کرے گا کہ یہودیوں کے رسم ورواج یا شریعت کی اس طرح تقلید کرے؟ غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حدیثیں یہ نہیں کہتیں کہ رسول نے وحی الٰہی سے اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ یہ حدیثیں صرف یہ کہتی ہیں کہ رسول نے یہودیوں کے اتباع میں یہ حکم دیا!!

Presented By: https://jafrilibrary.com

ان سب امور سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ نہ تو اس دن یہودیوں نے کوئی روزہ رکھا تھا نہ رسول نے کوئی سوال کیا تھا اور نہ کوئی حکم دیا تھا۔ یہ حدیث ایک من گھڑت افسانہ ہے اور بس۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے کہیں یہ سن لیا ہوگا کہ سیکڑوں برس پہلے محرم کی دسویں یہودیوں کے یوم الکفارہ سے مطابق ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جس روز امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے اس روز بھی یہودیوں نے روزہ رکھا ہوا تھا (کیونکہ اس سال عاشورا ایک طویل مدت کے بعد یوم الکفارہ سے مطابق ہو گیا تھا) اور زیادتی علم و عقل کی بنا پر یہ سمجھ لیا ہوگا کہ یوم کفارہ کا روزہ ہر سال ۱۰ محرم ہی کو واقع ہوتا ہے۔ دیوانہ را ہوئے بس است۔ اس خیال کا ذہن میں آنا تھا کہ فضیلت صوم عاشورا کی حدیث گڑھ کر رسول کو بھی اس دن روزہ رکھوا دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیثیں واقعہ کربلا کے بعد بنی امیہ کے ہوا خواہوں نے گڑھی ہیں۔ جو یہ چاہتے تھے کہ عاشورائے محرم خوشی کی تقریب بن جائے۔ انھوں نے ایسی ایسی حدیثیں وضع کیں جن سے یہ ظاہر ہو کہ نہ صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلکہ انبیائے سلف علیہم السلام میں سے ہر ایک کو اس روز کسی نہ کسی بلائے عظیم سے نجات ملی۔ ان کے بقول اسی روز حضرت نوحؑ کی کشتی نے کوہ جودی پر قرار پکڑا، اسی روز حضرت ابراہیمؑ پر آگ گلزار ہوئی، اور اسی روز حضرت عیسیٰؑ نے آسمان پر صعود فرمایا۔

اسی قسم کی حدیثیں وہ بھی ہیں جن کے مطابق عاشورائے محرم کو غلہ اور سامانِ خانہ داری کا ذخیرہ کرنا سنت، باعثِ برکت اور سببِ وسعتِ رزق ہے۔ گھر والوں کو اس روز عمدہ کھانا کھلانا، عمدہ لباس پہنانا، بال اور ناخن کٹوانا اور بعنوانِ عید ایک دوسرے سے ملنا اور مصافحہ کرنا سنت ہے۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

امام زین العابدینؑ کا درخشاں

دورِ امامت

کسی امام کی امامت کی ابتدا امام زین العابدینؑ کی امامت سے زیادہ ہمت شکن حالات میں نہیں ہوئی بلکہ عاشور کے ڈوبتے سورج نے امام چہارم کے دورِ امامت کو ان کی انتہائی شدید علالت اور حوصلہ فرسا اسیری کے درمیان شروع ہوتے دیکھا۔ ان کے پدر بزرگوار نے، جو ان کے پیشرو تھے، اپنا سب کچھ حق و صداقت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اور اب یزیدی لشکر امام زین العابدینؑ کو چند بے سہارا بیواؤں اور یتیموں کے ساتھ شہر بہ شہر اور دیار بہ دیار تشہیر کر رہا تھا۔ ان قیدیوں کو ابن زیاد کے قصر سے یزید کے دربار میں پہنچایا گیا اور آخر میں زندانِ شام میں محبوس کر دیا گیا، جہاں امامؑ کو اپنی امامت کا پہلا سال اس طرح گذارنا پڑا کہ نہ تو وہ اپنے پدر بزرگوار کے شیعوں سے کوئی رابطہ قایم کر سکتے تھے نہ ان کے حالات کی نگرانی فرما سکتے تھے۔

ظاہر ہے کہ کربلا کے المیہ نے عالم شیعیت میں ایک زلزلہ پیدا کر دیا تھا۔ شیعوں پر ایک تاریک قنوطیت طاری تھی اور ان میں ایک انتشار و بدنظمی کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ کچھ بر خود غلط افراد نے یہ خفیہ تحریک شروع کر دی تھی کہ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے تیسرے فرزند حضرت محمد حنفیہ کو چوتھا امام مان لیا جائے۔ حضرت محمد حنفیہ خود اس تحریک سے علیٰحدہ تھے اور ان کو خواب میں بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ دعوائے امامت کریں لیکن سوال یہ تھا کہ اس خفیہ تحریک کو کیسے ختم کیا جائے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ مسئلہ خلافت و امامت پر لب کشائی یزید کو دعوت ظلم و ستم دینے کے مرادف تھی۔

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

یزید کو امام حسین علیہ السلام کو شہید کر دینے میں کوئی تامل نہ ہوا حالانکہ امام حسین علیہ
کی قہرمانی شخصیت عالم اسلام سے خراج عقیدت حاصل کر چکی تھی۔ امام زین العابدینؑ کو
کر دینے میں اسے کیا دیر لگتی جبکہ تیئیس سالہ نوجوان امام کی، روحانی بلندیوں سے عام ا
دنیا ابھی پوری طرح واقف بھی نہ ہو سکی تھی۔ (اور مصلحتِ دینی اسکی متقاضی نہ تھی کہ ا
حسین علیہ السلام کے فوراً بعد امام زین العابدینؑ بھی شہید ہو جائیں)

اگر غور کیا جائے تو سمجھ میں آئے گا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کو اس وقت
مشکل ترین فرائض انجام دینے تھے۔

(۱) اپنی امامت کا عام اعلان کرنا ــــ اس طرح کہ بہ ظاہر کسی دوسرے کی مخالفت کا عن
نہ پیدا ہو۔

(۲) شیعہ قوم میں اتحاد پیدا کرنا، ان بکھرے ہوئے دانوں کو ایک تسبیح بنا دینا ــــ اس
سے کہ یزید اور یزیدیوں کو ظلم و ستم کا ایک نیا بہانہ نہ مل جائے۔

(۳) سچے اسلام کی تبلیغ کرنا، کفر و نفاق کی ظلمتوں میں (جو اسلامی دنیا پر محیط تھیں) رو
کا ایک مینار نصب کرنا تاکہ اس کی ضیا باریوں سے طالبان حق و صداقت کو ایمان و عمل
کی منزل تک پہنچنے کا راستہ مل جائے ــــ اور یہ فریضہ اس عنوان سے انجام دینا کہ د
کو اعتراض کا موقع نہ مل سکے۔

ان تینوں ہمالیہ آسا فرائض میں سے ہر ایک عام انسانوں کے حوصلہ کو پست کرنے
کافی تھا۔ لیکن امام زین العابدین علیہ السلام نے، خدا کی ہدایت اور مدد سے، ان فرا
ایسی خوش اسلوبی اور خاموشی سے انجام دیا کہ خود ان کے متبعین کو اس کا احساس نہ ہو
امام نے کس طرح ان کی ہدایت فرمادی ــــ حالانکہ ان کی عظیم المرتبت اور گرانقدر رہنمائی
سب نے بے حد و قیاس فیضان اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔

*

Presented By: https://jafrilibrary.com

(ا)

اپنی امامت حقہ کا اعلان عام

اس نے خاندان کے ایک اندرونی اختلاف کی شکل اختیار کی:۔

حضرت محمد حنفیہؓ نے یہ دعویٰ کیا کہ جس طرح بڑے بھائی امام حسن علیہ السلام کے بعد دوسرے بھائی امام حسین علیہ السلام امام ہوئے تھے اسی طرح امام حسین علیہ السلام کے بعد اب وہ امام ہیں کیونکہ وہ تیسرے بھائی ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے چچا سے کہا کہ ان کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے بعد وہ خود (یعنی امام زین العابدین علیہ السلام) خدا کے مقرر کئے ہوئے امام ہیں۔

اس خاندانی جھگڑے نے بظاہر طول کھینچا۔ اور آخر کار امام زین العابدینؑ نے حضرت محمد حنفیہ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ حجر اسود کو اس معاملہ میں حکم بنایا جائے اور اس کا فیصلہ فریقین تسلیم کرلیں حضرت محمد حنفیہ نے یہ تجویز منظور کرلی اور دونوں حضرات موسم حج میں مکہ پہنچے جب بلاد دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے ہزاروں حاجی وہاں اکٹھا تھے۔

یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ افسانے سے زیادہ عجیب خبر جنگل کی آگ کی طرح مکہ میں پھیل گئی ہوگی کہ علیؑ بن الحسینؑ اور محمد حنفیہ حجر اسود کو حکم بنانا چاہتے ہیں۔ لوگوں کو یقیناً حیرت ہوئی ہوگی کہ بھلا ایک پتھر دو آدمیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کیونکر کرسکتا ہے۔ تمام حاجیوں کو بے چینی سے اس کا انتظار رہا ہوگا کہ ذرا دیکھیں تو سہی اس مرافعہ کا نتیجہ کیا ہوتا ہے اور یہ کہ فریقین کا اس وقت کیا حال ہوگا جب پتھر ــــ آخر پتھر ہی تو ٹھہرا ــــ ان کے دعووں کو سن کر چپ رہ جائے گا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

حج کے یہی تصورات رہے ہوں گے جس وقت چچا اور بھتیجے ایمان و وفا کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے حجر اسود کی طرف بڑھے ہوں گے۔ پہلے محمد حنفیہ نے حجر اسود سے خطاب کیا کوئی جواب نہ ملا۔ امام زین العابدین علیہ السلام نے کہا: چچا! اگر آپ وصی اور امام ہوتے تو حجر اسود آپ کی آواز کا جواب ضرور دیتا۔" محمد حنفیہ نے کہا: "اچھا، اے فرزند برادر! اب تم دعا کرو اور اس سے دریافت کرو۔"

امام زین العابدین علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کیے اور پھر حجر اسود سے یہ فرمائش کی کہ وہ فصیح عربی زبان میں بتا دے کہ حسین بن علی (علیہما السلام) کے بعد کون ان کا وصی اور امام ہے۔

حجر اسود میں ایک لرزش پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے فصیح عربی میں گویا کیا، یا اللہ! یہ تحقیق وصایت اور امامت حسینؑ بن علیؑ کے بعد زین العابدینؑ علی کیلئے ہے جو حسینؑ کے فرزند ہیں جو علیؑ بن ابی طالب اور فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ کے فرزند تھے۔"

محمد حنفیہ نے یہ فیصلہ بہ طیب خاطر قبول کر لیا اور امام زین العابدین علیہ السلام کو اپنا امام تسلیم کر لیا۔

(الاحتجاج طبرسی، کافی، بصائر الدرجات، اعلام الوریٰ، مناقب ابن شہر آشوب، بحار الانوار جلد یازدہم)

یہ ظاہری اختلاف کیسانیہ تحریک کے خاتمہ کا آغاز تھا جو حضرت محمد حنفیہ کو امام مانتے چلے ہوئے تھے شیعہ قوم میں ایک نئے فرقہ کا اس طرح خاتمہ ہو گیا۔

اور چونکہ یہ "جھگڑا" چچا اور بھتیجے کے درمیان تھا جس کا بظاہر یزید سے کوئی تعلق نہ تھا اسلئے یزید اور یزیدیوں کو اس پر معترض ہونے کا کوئی موقع نہ تھا۔

لیکن اس محیر العقول واقعہ کے اعجاز سے اور اس کے زمان و مکان کے حسن انتخاب سے (حج کا موسم اور مکہ) اس کا اصل مقصد بکمال خوبی حاصل ہو گیا۔ ظاہر ہے کہ دنیائے اسلام کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے حاجی جب اپنے اپنے شہروں اور قریوں میں واپس پہنچے ہوں گے تو

Presented By: https://jafrilibrary.com

انھوں نے اور کوئی داستان سنائی ہو یا نہ سنائی ہو لیکن اس حیرتناک واقعہ کا ذکر ضرور کیا ہوگا۔ اس طرح پوری اسلامی دنیا میں شیعوں کو ــــ بغیر کسی ظاہری اعلان کے ــــ یہ معلوم ہوگیا کہ اب امام زین العابدین علیہ السلام خدا کی طرف سے ان کے ہادی اور امام ہیں۔

(۲)

شیعوں میں اتحاد پیدا کرنا

اعلان امامت کے بعد دوسرا سب سے اہم فریضہ تھا۔

امام کو تمام شیعوں کو متحد کرنا تھا۔ انھیں ایک ناقابل شکست رشتہ میں باندھ کر ایک قوم [...]نا تھا لیکن یہ رشتہ کیسے تاروں سے بنایا جا سکتا تھا؟ وہ کون سے عوامل تھے جو شیعوں کو ہمیشہ کیلئے [...]ـد کر سکتے تھے؟

فلسفیانہ وعظ و نصیحت؟ اس کا اثر ایک مختصر سی پڑھی لکھی جماعت پر ہو سکتا ہے۔ [...]م الناس اس سے متاثر نہیں ہوتے۔ علاوہ بریں علمی موشگافیاں "احساسات و جذبات" پر [...]ند نہیں ہوتیں اور اتحاد ایک احساس یگانگی ہے۔ ایک جذبۂ وحدت ہے۔

دین کا کوئی مسرت انگیز پہلو؟ لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ خوشی لوگوں کو متحد کر دے۔ اکثر یہ [...]ا جاتا ہے کہ ایک بھائی کے گھر خوشی کی تقریب منعقد ہو رہی ہے اور دوسرا بھائی اس میں شرکت [...]ـرتا۔ لیکن اسی بھائی کے گھر کوئی غمی تو ہو جائے، یہ دوسرا بھائی وہاں بغیر بلائے ہوئے دوڑ [...]پہنچ جائے گا اور اس غم میں شریک ہو جائے گا۔

Presented By: https://jafrilibrary.com

فطرت انسانی کا یہ کرشمہ ہمیں اب میرے متبادل ذریعہ تک پہنچاتا ہے اور وہ ہے "غم"۔
غم و اندوہ مصیبت زدوں کو متحد کر دیتا ہے جبکہ فلسفیانہ دعوے اور پند اور خوشی کی تقریبیں اس سے قاصر رہ جاتی ہیں۔ کیا تم نے نہیں دیکھا ہے کہ اگر ملک پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے، کوئی ارضی یا سماوی افتاد پڑ جائے تو تمام سیاسی اختلافات بھلا دیئے جاتے ہیں اور بلا لحاظ نظریات و خیالات پوری قوم ایک دل ایک جان ہو کر اس مصیبت سے نپٹنے کیلئے صف بستہ ہو جاتی ہے اور اس سلسلہ میں جو ذمہ داریاں سر پر آن پڑتی ہیں ان کو مل جل کر سب انجام دیتے ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ہدایت الٰہی کے مطابق یہی طریقہ قوم کو متحد کرنے کے لئے اپنایا اور اسے بھی صرف ایک ذاتی طرز زندگی کے طور پر اپنایا گیا۔

مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار جلد یازدہم میں ایک باب قائم کیا ہے "امامؑ کا اپنے پدر بزرگوار (صلوات اللہ علیہما) کی شہادت پر غم منانا اور رونا"

اس باب میں منجملہ اور باتوں کے یہ درج ہے:

بیان کیا گیا ہے کہ امام علیہ السلام اپنے پدر بزرگوار کے غم میں روتے رہتے یہاں تک کہ بینائی کو خطرہ پیدا ہو گیا۔ پینے کیلئے پانی ہاتھ میں لیتے تھے تو اتنا روتے تھے کہ ظرف آپ کے آنسوؤں سے لبریز ہو جاتا تھا۔ ایک شخص نے اس بارے میں امام سے گفتگو کی تو آپ نے جواب میں فرمایا "میں کیوں نہ روؤں جبکہ میرے پدر بزرگوار کو پانی سے محروم رکھا گیا حالانکہ درندوں اور وحشی جانوروں کیلئے وہ پانی مباح تھا" کھانا سامنے لایا جاتا تو آپ روتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ایک غلام نے کہا "میں آپ پر فدا ہو جاؤں، اے فرزند رسول مجھے خوف ہے کہ آپ ہلاک نہ ہو جائیں" امام نے جواب دیا "میں تو اپنی بیقراری اور رنج کی شکایت خدا ہی سے کرتا ہوں۔ اور میں اس کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ میں جب بھی اولاد فاطمہ کے قتل عام کو یاد کرتا ہوں تو آنسوؤں سے مجھے اچھو ہوتا ہے"۔ انتہیٰ

قدرتی طور پر شیعوں نے اس اسوۂ امامت کی پیروی کی اور جہاں اور جب ممکن ہوا

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

مل جل کر سید الشہداء کی مجلس ماتم برپا کرنے لگے۔ اس مشترک مصیبت میں یکجا ہونے سے ان میں ایک جذبۂ یگانگی اور احساس وحدت پیدا ہو گیا۔

یزید اور یزید نواز لوگ امام زین العابدین علیہ السلام سے یہ کس طرح کہہ سکتے تھے کہ وہ اپنے پدر بزرگوار کو یاد نہ کریں۔ یہ رنج و اندوہ بہرحال ایک ذاتی شے تھی اور کوئی شخص اس پر معترض نہیں ہو سکتا تھا۔

یہ ادارہ جسے "عزاداری" کہا جاتا ہے شیعوں کی مذہبی رہنمائی کا مرکزی نقطہ اور ان کے ایمان کی رگ حیات بن گیا۔

بعد کے ادوار میں دشمنان تشیع نے محسوس کیا کہ شیعوں کی مذہبی تعلیم اور اخلاقی تربیت میں مجلسیں کتنا اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ لہٰذا انھوں نے اسے اپنے فسادی کے زور سے روکنا چاہا اب اس نئے دور میں انھوں نے اپنا طریقہ بدل لیا ہے۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ بھلا ایک تیرہ سو سال پرانے حادثہ پر سال بہ سال آنسو بہاتے رہنا کہاں کی عقلمندی ہے۔

جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں وہ بہ خوبی جانتے ہیں کہ مجلس ایک ایسا دینی مدرسہ ہے جو بہترین نظم و ضبط اور بھرپور حاضری کی بنا پر دوسرے سب مدارس کے مقابلے میں ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مدرسے میں شرکت کرنے والے کمال ذوق و شوق سے اصول دین و عقاید مذہب کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کو اہل بیت علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ پر چلنے کی تلقین کی جاتی ہے اور اس طرح ان کے مزاج اور طبیعت میں اسلامی طرز فکر و طریقۂ عمل راسخ ہو جاتا ہے۔

یہ مدرسہ شیعوں کے لئے امام زین العابدین علیہ السلام کا عطیہ ہے اور اسے اس طرح قائم کیا گیا کہ دشمنوں کو انگلی اٹھانے کا موقع نہ مل سکا۔

*

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

(۳)

حقیقی اسلام کی تعلیم اور ترویج

یہ وہ اصل منزل تھی جہاں تک پہنچنے کیلئے امام علیہ السلام کو ابتدائی دونوں مرحلے طے کرنے پڑے تھے۔ اور جس طرح ان مرحلوں کو طے کرتے ہوئے امام نے کسی بیرونی فرد کو اپنا مخاطب نہیں بنایا اسی طرح اس تیسری ذمہ داری کے پورا کرنے میں کسی انسان سے خطاب نہیں کیا۔ امام نے اس کیلئے خدائے تعالیٰ سے دعاؤں اور مناجاتوں کا طریقہ اختیار کیا۔ اور ان دعاؤں کو خود کتابی شکل میں تحریر فرمانے کے بعد اپنے صاحبزادوں، امام محمد باقر علیہ السلام اور حضرت زید شہید، کو حکم دیا کہ اکی نقلیں کرلیں۔ دعاؤں کو ضبط تحریر میں لانا خود بتاتا ہے کہ یہ فقط بندے اور خدا کے درمیان کی بات نہ تھی بلکہ دوسروں کو اس سے فایدہ پہنچانا بھی مقصود تھا۔

بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ کوئی شخص امام سے یہ کہتا کہ وہ خدا سے اپنے دل کی باتیں نہ بیان کریں ؟ کوئی کس طرح خدا اور اس کے ایک بندۂ خاص کے درمیان حایل ہو سکتا تھا جبکہ وہ برگزیدۂ الٰہی اپنے دستِ دعا کو بلند کئے ہوئے پرسوز آواز میں اپنے مالک کو پکار رہا ہو اور مصیبتوں اور پریشانیوں سے نجات دینے کی التجا کر رہا ہو۔

یہ تحریر شدہ دعایئں اسلامی حقایق و معارف کا ایک بیش قیمت خزانہ ہیں۔ غور سے دیکھو تو ان میں ہر اس سوال کا واضح اور تشفی بخش جواب مل جائے گا جس نے مسلم متکلین و فلاسفہ کو صدیوں سے دست پاچہ کر رکھا ہے۔ ان دعاؤں کی تلاوت کرو تو دل نورِ معرفت سے منور ہو جاتا ہے اور کردار و سیرت اسلامی اخلاق کا مثالی نمونہ بن جاتے ہیں۔

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

اس مختصر سے مقالے میں اس عظیم الشان کتاب پر تبصرہ کرنا ناممکن ہے جسے صحیفۂ سجادیہ اور صحیفۂ کاملہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جس کے القاب "انجیل اہلبیت" اور "زبورِ آل محمد" ہیں۔ یہاں صرف ایک دعا مکارم الاخلاق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ تنہا یہ ایک دعا تلاوت کرنے والے کو راہ راست پر لگا سکتی ہے اور نفاق اور فسق و فجور کے رجس سے پاک کر کے ایمان و عمل صالح سے آراستہ کر سکتی ہے۔

جب یہ کتاب علمائے مصر کو دکھائی گئی تو وہ حیرت زدہ اور مدہوش ہو کر رہ گئے۔ اس کے حسن اسلوب نے ان کو متحیر کر کے رکھدیا اور حسن صالح خیالات اور عظیم کردار کی طرف یہ کتاب رھنمائی کرتی ہے ان کو دیکھکر ان کے تعجب اور مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔

علامہ طنطاوی جوہری نے دو مقالے اس کتاب پر لکھے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں۔

"جامع ازہر کے نوجوان ہندوستانی طالب علم، سید مجتبیٰ حسن، نے مجھے ایک کتاب سے مطلع کیا جسمیں کچھ دعائیں کچھ مناجاتیں حضرت علی زین العابدین کی طرف منسوب موجود ہیں۔ میں نے اس کتاب کو غور سے دیکھا اور اس کے مندرجات پر گہری نظر ڈالی تو مجھ پر ایک ہیبت طاری ہو گئی اور ان دعاؤں کی عظمت میرے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ اور میں نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کیونکہ مسلمان ابتک اس ذخیرہ سے ناواقف رہے اور کس طرح وہ صدیوں اور پھر صدیوں تک خواب غفلت میں مبتلا رہے اور انھیں احساس نہ ہوا کہ اتنا بڑا علمی ذخیرہ خدا نے ان کے لئے مہیا کر رکھا ہے .....

"اس کتاب میں دو قسم کی دعائیں ہیں۔ ایک سلبی (یعنی بری باتوں سے دور ہونے کی تعلیم) اور دوسرے اثباتی (یعنی اچھی باتوں سے متصف ہونے کی تلقین) دوسری لفظوں میں یہ کہنا چاہئے کہ یہ دعائیں ایک عجیب رمز و اشارہ کی صورت سے قرار دی گئی ہیں۔ جن دعاؤں میں ندامت اور پشیمانی اور تضرع و زاری اور مصایب کا دفعیہ اور مظالم سے نجات اور بیماریوں سے شفا کا ذکر ہے وہ زیادہ تر کتاب کے ابتدائی حصہ میں ہیں اور جن دعاؤں میں خدا کے عظمت و جلال کا اظہار ہے اور اس کی صنعت اور عجایب قدرت کا تذکرہ ہے وہ زیادہ تر کتاب کے آخر میں ہیں۔

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

"کیا یہ ایک عجیب بات نہیں ہے؟ کیا اس کے یہ معنیٰ نہیں ہیں کہ یہ حضرات بہت سے ایسے اسرار و رموز اور علوم و معارف کی طرف اشارہ کر رہے تھے جن سے مسلمان بالکل غافل اور بے خبر ہو گئے ہیں؟

"حقیقتاً انسانی افراد کے حالات بھی دو ہی صورتوں پر منقسم ہیں۔ ایک تخلی عن الرذائل (بری باتوں سے علیحدگی) دوسرے تحلی بالفضائل (اچھے اوصاف سے آراستگی) اور اس کے ساتھ بلند مرتبہ علوم و معارف کی تحصیل جس سے نفس ناطقۂ انسانی کی تکمیل ہو ..."

اس کے بعد انھوں نے اس موضوع کی تشریح امام کی دعاؤں کی روشنی میں کی ہے۔

ایک دوسرے مقالے میں انھوں نے امام کی دعا کا موازنہ حضرت نوحؑ کی دعا سے کیا ہے۔

صرف یہ دکھانے کیلئے کہ امام نے مسلمانوں کو کس مکمل ضابطۂ حیات اور کیسے اعلیٰ اخلاقی اقدار کی طرف رہنمائی کی ہے یہاں پر مذکورہ بالا دعائے مکارم الاخلاق (جو ایک طویل دعا ہے) کے چند جملوں کا ترجمہ نقل کر رہا ہوں۔

"... اور مجھ کو توانگر کر دے اور میری روزی میرے لئے کشادہ کر دے لیکن نگاہِ دید کے ذریعہ میرا امتحان نہ لے۔ اور مجھ کو عزت دے لیکن تکبر میں مجھ کو مبتلا نہ کر۔ اور مجھے اپنی عبادت کی توفیق دے اور خودپسندی کے سبب میری عبادت کو فاسد نہ کر۔ اور میرے ہاتھ پر لوگوں کے لئے بھلائی جاری کر لیکن ایسا نہ ہو کہ میں احسان جتاؤں اور وہ بھلائی مٹ جائے۔ اور مجھے بلند اخلاق عنایت فرما اور مجھے اترانے سے بچا۔ اے اللہ محمدؐ اور ان کی آل پر رحمت بھیج اور آدمیوں میں میرا کوئی درجہ نہ بڑھا مگر یہ کہ اتنا ہی خود میرے نزدیک مجھ کو گھٹا دے۔ اور میرے لئے کوئی ظاہری عزت نہ پیدا کر مگر یہ کہ خود میرے نزدیک اتنی ہی باطنی ذلت پیدا کر دے۔"

"اے اللہ محمد اور ان کی آل پر رحمت بھیج اور مجھے اس بات کی توفیق دے کہ جو کوئی مجھ سے عداوت رکھے اس کے ساتھ خلوص رکھوں۔ اور جو مجھے چھوڑ دے اسے نیکی کے ساتھ بدل دوں۔ اور جو مجھ کو محروم کرے اس پر میں خرچ کروں۔ اور جو مجھ سے قطع رحم کرے اس کے ساتھ میں

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

صلۂ رحم کروں۔ اور جو میری غیبت کرے میں اس کے برخلاف اس کو اچھی طرح یاد کروں۔ اور نیکی کا شکریہ ادا کروں اور برائی سے چشم پوشی کروں۔"

دعا کیا ہے اخلاق حسنہ اور طہارتِ نفس کا دریا ہے کہ رواں دواں ہے۔ جو چاہے بقدر حوصلہ اپنی پیاس بجھالے۔

مختصر یہ کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اس طرح اپنی قیمتی زندگی مسلمانوں کی ہدایت میں صرف کی اور نہ صرف اپنے وقت کے مسلمانوں کی، بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کی ہدایت کا سامان مہیا کر دیا۔

اور جب انھوں نے اس دار فنا سے عالم بقا کی طرف کوچ کیا اس وقت وہ ان سب فرائض سے بہ کمال حسن و خوبی عہدہ برآ ہو چکے تھے جو اللہ تعالیٰ نے ان پر عاید کیے تھے۔

*

Presented By: https://jafrilibrary.com

www.allamahrizvi.com

Presented By: https://jafrilibrary.com

www.allamahrizvi.com

کربلا شناسی

تالیف

دانشمند محترم عالیجناب مولانا سید سعید اختر رضوی دام ظلہ

کربلا کے موضوع پر بہترین کتاب

- عزاداری کے موضوع پر قرآن، سنّت اور سیرت سے بہترین دلیلیں۔
- اعتراض کرنے والوں کا دندان شکن جواب۔
- علم، تعزیہ، جلوس کے جواز پر شرعی دلیل اہلِ سنّت کی کتابوں سے۔
- قاتلانِ امام حسین علیہ السلام پر جامع بحث۔

اور بہت سے اہم موضوعات

اچھوتا انداز دلچسپ طرز استدلال۔

یہاں سے طلب کر سکتے ھیں:۔

- **بلال ٹرسٹ آف پاکستان**
  امام بارگاہ رضویہ سوسائٹی۔ کراچی
- **خراسان بک سینٹر**
  12 سنعیہ آرکیڈ بریٹو روڈ کراچی فون: 7214717

Presented By: https://jafrilibrary.com

www.allamahrizvi.com